علامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

عشرۂ مجالس

۱۹۸۷ء

تاریخِ شیعیت

۲۸ صفر تا ۷ ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ

الوداعی عشرہ انجمنِ رضائے حسینی

امام بارگاہِ چہاردہ معصومین، انچولی، کراچی

علاّمہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

نام کتاب : عشرۂ مجالس ''تاریخِ شیعیت''

مقرر : علامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

اشاعت : اوّل (۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۰۱۱ء)

تعداد : ایک ہزار

کمپوزنگ : طارق وحید

قیمت : ۲۰۰ روپے

ناشر : مرکزِ علوم اسلامیہ

.....کتاب ملنے کا پتہ.....

مرکزِ علومِ اسلامیہ

فلیٹ نمبر 102، مصطفیٰ آرکیڈ، سندھی مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی

کراچی۔ فون: 02134306686

website: www.allamazameerakhtar.com

فہرست

پہلی مجلس

اکثریت اور اقلیت

صفحہ نمبر ۱۵ تا ۳۱

دوسری مجلس

شیعیت کے مشکل ادوار

صفحہ نمبر ۳۲ تا ۵۵

تیسری مجلس

شیعیت عہد بہ عہد

صفحہ نمبر ۵۶ تا ۸۶

چوتھی مجلس

شیعیت اور علمائے کرام

صفحہ نمبر ۸۷ تا ۹۹

پانچویں مجلس

شیعیت اور حکومت

صفحہ نمبر ۱۰۰ تا ۱۳۲

چھٹی مجلس

شیعیت شہر بہ شہر

صفحہ نمبر ۱۳۴ تا ۱۵۸

ساتویں مجلس

جراَتِ اظہارِ حق

صفحہ نمبر ۱۵۹ تا ۱۸۸

آٹھویں مجلس

تہذیب وادب اور شیعیت

صفحہ نمبر ۱۸۹ تا ۲۱۸

نویں مجلس

فنِ خطابت اور شیعیت

صفحہ نمبر ۲۱۹ تا ۲۵۱

دسویں مجلس

ذکرِ مختار

صفحہ نمبر ۲۵۲ تا ۲۷۱

گیارھویں مجلس

نذرِ شہزادیٔ کونینؑ

صفحہ نمبر ٢٧٢ تا ٢٩٨

❁ ❁ ❁ ❁

فیاض زیدی:

پیش لفظ

تاریخِ شیعیت کا لفظ نو حروف کا مجموعہ ہے جس میں نقاط کی تعداد بارہ ہے، نو کا ہندسہ پاک بی بی سیّدہؑ طاہرہ سے منسوب ہونے کی بنا پر تاریخِ شیعیت کا پس منظر دخترِ رسولؐ ہیں چونکہ شیعہ قوم دعائے سیّدہؑ ہے ورنہ کب کی مٹ گئی ہوتی۔ بقول اُستادِ محترم علاّمہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی جس قوم کا دشمن سارا زمانہ ہو وہ اور اُس کی تاریخ زندہ کیسے ہے اور قائم کیسے ہے؟ آخر کوئی نہ کوئی راز تو ہے۔ ہر حربہ آزمانے کے باوجود ،صدیوں قتلِ عام کرنے کے باوجود دنیا کے کونے کونے میں شیعہ بھی موجود ہیں اور تاریخِ شیعیت بھی۔ اگر موجود نہیں ہیں تو شیعہ کافر، شیعہ کافر کے نعرے کیوں لگ رہے ہیں۔کوئی اپنے آپ کو تو کافر کہنے سے رہا، بس صاحب تاریخِ شیعیت کا عشرہ تعارف کے ساتھ اُن تمام سوالوں کا جواب بھی ہے جو ذہنوں میں اکثر ابھرتے رہتے ہیں۔علاّمہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں تاریخِ شیعیت کو اجاگر کرتے ہوئے نہ صرف ان سوالوں کا جواب دیا ہے بلکہ بہت سی حیرت انگیز معلومات بھی اپنے سامعین تک بہم پہنچائی ہیں۔ ہر وہ شخص جو حسینؑ سے عقیدت رکھتا ہے اور بارگاہِ حسینیتؑ میں ادب سے سر جھکاتا ہے وہ شیعہ ہے، یہاں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں ہے۔شیعہ کافر نعروں کے پس منظر میں ۱۹۸۷ء میں تاریخِ شیعیت پر یوں روشنی ڈالنا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ ماشاءاللہ تاریخ شیعیت کے بارے میں کامل آگہی دینے میں علامہ صاحب نہ صرف کامیاب رہے بلکہ عشرہ یادگار بن گیا۔

پہلی مجلس
تاریخِ شیعیت

......: اکثریت اور اقلیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ساری تعریفیں اللہ کے لئے درود و سلام محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے

انجمن رضائے حسینی کے زیرِ اہتمام الوداعی عشرے کی پہلی مجلس آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں۔ اس عشرے کے لئے جس عنوان کا انتخاب کیا گیا ہے وہ آپ کے علم میں ہوگا۔ "تاریخِ شیعیت" آج تک یہ موضوع کبھی منبر کا عنوان نہیں بنا۔ نہ کوئی مقالہ یا تھیسز (Theesis) اس عنوان پر لکھا گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ خطیب حضرات نے کیوں اس طرف دھیان نہیں دیا اور دوسری طرف یہ بھی دیکھنا تھا کہ کیا قوم اپنی تاریخ سننا بھی چاہتی ہے یا نہیں، اس لئے کہ منبر سے وہی پڑھا جائے گا جسے عوام پسند کرتے ہوں۔ ہمارے اندازِ فکر میں اور روایتی مجالس میں یہی بنیادی فرق ہے۔ ہم ہمیشہ اُس عنوان کا انتخاب کرتے ہیں جو کبھی منبر سے نہ پڑھا گیا ہو۔ اس میں دشواریاں بھی پیش آتی ہیں اور بے جا، بے مقصد تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس موضوع یعنی تاریخِ شیعیت کے ضمن میں عرض کر دوں کہ یہ کوئی آسان موضوع نہیں ہے جو میں کسی کتاب سے پڑھ کر سنا دوں گا بلکہ جو کچھ سناؤں گا وہ ذمہ داری کے ساتھ سناؤں گا، موضوع کا آغاز کرنے سے پہلے یہ بتا دوں کہ ہم چاروں طرف

کتابوں میں کھوئے ہوئے ہیں اور جب تک آپ کی توجہ نہیں ہوگی، موضوع کھل نہیں پائے گا توجہ کا مقصد یا مراد کہ آپ صلوٰۃ پڑھتے رہیں۔

دیکھئے جب تک آپ یہ سمجھتے رہیں گے کہ بس ہم ہی ہیں تو شیعیت کی تاریخ سنائی نہ جا سکے گی، جب ہم آہستہ آہستہ تاریخ کے اوراق اُلٹیں گے تو آپ کو حیرانی ہوگی کہ قرآنِ حکیم اور تاریخ، حدیث، حدیثِ رسولؐ اور تاریخ کائنات عالم کی تاریخ کے طبقات، جن لوگوں کا ذکر آئے گا اُن کے متعلق آپ نے بہت کم پڑھا ہوگا، تاریخ عالم اور شیعیت یعنی آدمؑ سے تاریخ شیعیت کا آغاز یا اُس سے پہلے، پھر ایک اور شعبہ بادشاہوں کے دورِ حکومت میں شیعیت، پھر ہم دیکھیں گے شیعیت اور خطابت، شیعیت اور علم، شیعیت اور ادب، شیعیت اور شاعری، نظم الگ، نثر الگ، دیکھئے تقریریں دس سے زیادہ ہوگئی ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ موضوع کو دس دن میں سمیٹا جا سکے۔ (صلوٰۃ)

یاد رکھئے! ظالم، جابر اور درندہ صفت اکثریت مظلوم اقلیت پر ہمیشہ حملے کرتی رہی ہے، آدمؑ تا ایں دم یہ کائنات کی تاریخ، ابھی جملے پورے نہیں ہوئے، پھر دوہرا رہا ہوں کہ ظالم، جابر اور درندہ صفت اکثریت، مظلوم اقلیت پر ہمیشہ حملے کرتی رہتی ہے، بات ابھی واضح نہیں ہوئی، یعنی اگر اکثریت کو محدود کر دیں تو وہ حملہ تو نہیں کر پاتی، اقلیت پر مگر غرّانا نہیں چھوڑتی، یہ ہے کائنات کی تاریخ۔ جب آدمؑ آئے، انسانیت بڑھی تو قابیل کی اولاد میں اکثریت تھی، شیث کی اولاد میں اقلیت تھی، جدھر جدھر اکثریت جاتی ادھر ادھر باطل جاتا رہا جدھر جدھر اقلیت جاتی رہی اُدھر اُدھر حق جاتا رہا، قومِ نوحؑ اکثریت میں تھی سفینے میں اقلیت تھی، نمرود کے دور میں نمرودیت اکثریت میں تھی، ابراہیمیت اقلیت میں تھی، اسرائیلیت اکثریت میں تھی، موسویت

اقلیت میں تھی، یعنی انسانیت بڑھی تو اکثریت باطل کا ساتھ دیتی رہی اور حق سمٹ کر اقلیت کے پاس آ گیا، یہودیت اقلیت میں تھی، عیسیٰؑ کے دور میں اکثریت ہوگئی تو عیسائیت اقلیت ہوگئی کفر وشرک وعیسائیت و یہودیت ایک جگہ جمع ہوکر اکثریت بن گئے اور امام اقلیت ہوگئے اور یہی آخری جملہ آپ کی تاریخ کا مسلمان جب اکثریت میں آیا تو شیعیت اقلیت میں آئی۔ یہ ہے کائنات کی تاریخ جسے قیامت تک جانا ہے اور جس دن شیعیت اکثریت میں آ گئی، گنجائش نہیں تھی جملہ دینے کی، مگر اب دے رہا ہوں، جس دن شیعیت اکثریت میں آ گئی وہی دن ہوگا جس دن دنیا عدل وانصاف سے بھر جائے گی۔ یہ ہے آدمؑ سے لے کر یہاں تک کی تاریخ، یعنی حق ہمیشہ اقلیت میں رہا اور باطل اکثریت میں رہا، مگر کبھی اس بات پر اقلیت کو احساس کمتری نہیں ہوا، وہ جتنے کم ہوتے گئے اُتنا ناز اُن کا بڑھتا گیا۔ باطل جب اکثریت میں آیا تو اُس نے تین چیزیں استعمال کیں، اپنے آپ کو منوانے کے لئے طاقت، دولت اور ظلم، خود کو منوانا چاہا اور اقلیت کو چھپانا چاہا، لیکن جب یہ سب حربے بے کار گئے اور اقلیت دب نہ سکی تو واحد راستہ اکثریت کو جو کائنات میں جب ملا وہ تھا پروپیگنڈا (Propaganda) یہی پوری تاریخ ہے جو اکثریت اور اقلیت کی میں نے سنائی ہے لیکن جب دیکھا اکثریت نے کہ ہم جیت نہیں پا رہے تو سوچا اُن کے بارے میں کچھ ایسی باتیں معاشرے میں پھیلا دو تا کہ لوگ ان سے دور ہٹ جائیں۔ ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ ختمی مرتبتؐ نے کہا قولو لا الہ طاقتِ استعمال کی وہ نماز پڑھ رہے ہیں، اوجڑی ڈال دی، طاقت استعمال کی پتھر مارے، ریت پر لٹا دو جلتی ہوئی، لیکن دیکھیں کامیابی نہیں ہوئی، پھر کیا کیا یہ خدا نے ہیں یہ دولتیں ہیں اگر یہ چاہتا ہے تو ہم بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ ابو طالبؑ نے کہا بیٹا یہ آئے ہیں اور یہ کہتے ہیں، تو فرمایا ان سے کہہ دیجئے کہ

اگر ایک ہاتھ پر آفتاب رکھ دیں اور دوسرے پر ماہتاب رکھ دیں پھر بھی ہم یہ کہنا نہیں چھوڑیں گے۔ یہ کیوں کہا کہ ہاتھ پر آفتاب رکھ دو، قدرت کو یہ ادا پسند آئی کہ آپ نے ہماری نشانیوں کی نشاندہی کی ہے تو سہی، انہیں دولت نہ دیں کہ ہاتھ ہے تو آفتاب پلٹے اور چاند کے دو ٹکڑے ہوں کہا دولت اور طاقت نہیں چاہئے اور تمہارا بس بھی نہیں چلے گا۔ اب پرانی اکثریت کا آزمودہ ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا، پروپیگنڈا، اگر یہ چیزیں آپ کو یاد رہیں گی تو آنے والی تقریریں سمجھنے میں آسانی رہے گی۔ جو بتا رہا ہوں چودہ سو سال سے وہی ہو رہا ہے اور وہی ہوگا۔ یہ میں پچھلے اوراق سنا رہا ہوں، لیکن آپ کی نظر حال پر رہے، ماضی کے ساتھ ساتھ، اب ایک ہی راستہ تھا تو کیا کہا تین لفظ ایجاد کئے ہیں، پروپیگنڈے کہ دیوانہ ہے، مجنون ہے، ساحر ہے، یعنی جادوگر ہے، شاعر ہے۔ جہالت اور ہے جاہلیت اور ہے، عرب جاہل نہیں تھا، یہ تینوں لفظ بہت سوچ کر استعمال کئے تھے۔ عرب یعنی بولنے والے لوگ، عجم یعنی سارے گونگے لوگ۔ بچہ بھی چوراہے پر کھڑا ہو کر فی البدیہہ شعر کہتا تھا کچھ سوچ سمجھ کر کہا تھا، مجنون ہے، جادوگر ہے، شاعر ہے، پروپیگنڈا ایسے ہی نہیں ہوتا، باقاعدہ اسکیم بنائی جاتی ہے کہ جو کچھ ہم مشہور کریں گے اس میں ہم کامیاب ہو پائیں گے یا نہیں۔ ابو طالبؑ ناکام ہوگا یا نہیں، خبریں آپ روزانہ صبح اُٹھ کر اخبار میں پڑھتے ہیں، کچھ ٹی وی دیکھتے ہیں، پھر مجلس میں آتے ہیں کہ کونسا ملک کس وقت کس ملک کے خلاف شدت سے پروپیگنڈا شروع کر دیتا ہے اگر یہ سب کچھ سمجھ کر آپ اخبار پڑھ رہے ہیں اور ٹی وی دیکھ رہے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر آپ یہ عادتاً کر رہے ہیں، جج پہ کیا ہوا ہے معلوم سب کچھ مگر بتایا نہیں جا رہا اس لئے کہ طاقت ہوتی ہے پروپیگنڈے میں تو یہی بات تھی ایک انسان اور پورا عرب، تین لفظوں میں ساری اسکیم فیل

(Fail) کرنے کے لئے سارا عرب زبان سے متحد ہو گیا لیکن اُس نے بھی کہا تم مادی سیاست کے نمائندے ہو ہم سیاست الٰہیہ کے نمائندے ہیں، تو کہی جو ہم اس پروپیگنڈے کو باطل نہ کر دیں، طاقت نہیں، دولت نہیں، اکثریت نہیں، بس دیکھتے جاؤ اللہ کی سیاست کس طرح کاٹتا ہے، تم نے ہمیں مجنوں کہا ہے، دیوانہ کہا ہے ہم سمجھ گئے کہ کیوں کہا ہے۔ معاشرے میں تین طبقے ہیں، بوڑھے، عورتیں اور بچے۔ یہ تین قوتیں ہیں، بچوّں میں نونہال اور جوانوں کو بھی شامل کر لیں، بوڑھوں میں ادھیڑوں کو بھی ملا لیں، بوڑھے، عورتیں اور بچے، جب یہ دیوانہ مشہور ہو جائے، دیوانے تو آپ نے دیکھے ہوں گے نہ جانے کتنے دیکھے ہوں گے،

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

یعنی مجنوں کو دیکھ کر غالبؔ نے بچپن میں پتھر مارا تھا، جب کی بات ہے کیا مطلب کہ بچوں کو یہ بتا دو سمجھا دو کہ یہ بوڑھا جو نکلتا ہے یہ دیوانہ ہے، اسے چھیڑو، اسے پتھر مارو، جب بچے دیوانے کو چھیڑیں گے پتھر ماریں گے، بوڑھے اور عورتیں دیوانے کو نہیں چھیڑتیں، پتھر نہیں مارتیں، بچے پتھر مارتے ہیں، دیوانہ کہا اس لئے کہ بچے نہ اس کی بات سنیں نہ تبلیغ سنیں، ہم جیت جائیں گے اس لئے دیوانہ کہا ہے اس لئے مجنون کہا ہے اور یہ ساحر کیوں کہا، جادوگر کیوں کہا اس لئے کہا ہے کہ معاشرے کی ایک ہی عنصر ہے، عورت وہ جادو ٹونے سے ڈرتی ہے، بچے کو پتہ ہی نہیں جادو کیا ہوتا ہے، بوڑھے نہیں ڈرتے اس لئے کہ اُن کا مشاہدہ زیادہ ہوتا ہے، جوان بھی نہیں ڈرتے صرف عورتیں ڈرتی ہیں، مثال آپ کے سامنے ہے کہ نیا مکان لیا ہے تو فوراً گھر کی کوئی بزرگ خاتون کہے گی قرآن اور پانی رکھ دیا وہاں یعنی ساری بلائیں جو

ہیں وہ قرآن میں آ جائیں، سمجھ گئے نا آپ جتنے بھوت ہیں مکان کے وہ قرآن میں آ جائیں تو عورتیں جو ہیں وہ جادوٹونے سے ڈرتی ہیں۔ اس لئے کہا تھا جادوگر کہ کوئی عورت قریب نہ پھٹکے، جادوگر جا رہا ہے، عورتوں کو ہٹا دیا، تبلیغ کا یہ راستہ بھی بند ہو گیا، بچوں کو ہٹا دیا، تبلیغ کا یہ راستہ بھی بند ہو گیا، اب شاعر کیوں کہا، بڈھے شاعروں کو نہیں گھیرتے، یا گھیرتے ہیں، ہائیں گھیرتے ہیں، آپ نے کہیں دیکھا کہ کسی ہوٹل پہ چائے کی ایک پیالی پلا کر کوئی شاعر مثلاً احمد فراز بڈھوں کو شعر سنا رہے ہوں، ایسا کبھی ہوا ہی نہیں، بڈھا کہتا ہے کہ پاگل ہے کون اس کی بک بک سنے، ردیف قافیے کا پتہ نہیں یہ شاعری کرے گا، کیوں اس لئے کہ وہ اتنے تجربے کار ہوتے ہیں اتنا سنے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے زمانے کی شاعری پہ ناز ہوتا ہے، اب کیا شاعری، تو بوڑھوں کو یہ کہہ کر ہٹایا کہ وہ جو بول رہا ہے کہہ رہا ہے وہ شعر ہے۔ تا کہ بوڑھے اُس سے بھاگیں، یہ کیا شاعری کرے گا ہم نے تو بڑے بڑے شاعروں کے سبعہِ معلقات سنے ہیں۔ بھاگو، بوڑھے گئے، عورتیں گئیں، بچّے بھی گئے، اکیلا رہ گیا پروپیگنڈا کامیاب ہو گیا۔ اکیلا کرے تو کیا کرے کہا نہیں ہم اقلیت میں ہیں تم اکثریت میں ہو، لیکن ہماری اقلیت تمہارے اوپر غالب ہے۔ بچّوں کو یہ کہہ کر بھیجو گے دیوانہ ہے اسے پتھر مارو،، ہمارا ایک بچہ علیؑ اُن کے مقابل کافی ہے، تم عورتوں کو ہٹاؤ گے کہ یہ جادوگر ہے اُن عورتوں کے مقابل ایک ملیکۃ العرب بھاری ہے، اگر یہ جادوگر ہوتا تو عرب کی ملکہ اس سے شادی نہ کرتی، شاعر کہہ کر بوڑھوں کو ہٹا رہے ہو یہ سرتاج عرب شاعر سمجھتا تو ابو طالبؑ جملے کی عظمت اب سمجھیں، دستور تھا کہ ہر شاعر کتنا ہی بڑا شاعر کیوں نہ ہو، شعر کہنے سے پہلے، شعر سنانے سے پہلے، اُس کو رائج کرنے سے پہلے، بنی ہاشم کے کسی شاعر کو سنا کر اصلاح ضرور لیتا تھا، اُس دور میں

شعر کے سب سے بڑے اُستاد ابو طالبؑ خود تھے، رسولؐ نے بتایا تم مجھے شاعر کیا کہو گے، عرب کا سب سے بڑا شاعر میری نبوت کا قائل ہے، تو اُس پروپیگنڈے کو رسولؐ نے اس طرح کاٹا، اکثریت ہار گئی۔ غور کریں آپ کو یاد ہوگا دولت، طاقت اکثریت کے پاس، اقلیت سے اس لئے ہار گئی کہ سیاست الٰہیہ کے پاس اکثریت کو باطل کرنے کے طریقے تھے، تو جب اکثریت ہار جائے تو کیا ہوتا ہے۔ نہ طاقت کام آ رہی ہے، نہ دولت کام آ رہی ہے، نہ پروپیگنڈا کام آ رہا ہے۔ اب اکثریت کیا کرے اب اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، ہم نے تمہارا کلمہ پڑھ لیا ہم نے تمہیں مان لیا، آ گئے تمہارے پاس، آ گئے ہمارے پاس نہیں، اب ہم نے داؤ لگایا ہے، زبان سے کہیں گے تم اللہ کے رسول ہو، دل میں کہیں گے لات وھبل زندہ باد۔ آدمؑ سے لے کر آج تک اور آگے تک یہی رواج رہے گا۔ جب اکثریت کا ہر حربہ ناکام ہو جائے گا تو وہ ہتھیار ڈال کر یہی کہے گی، ہم نے تمہیں مان لیا، ہم تمہارے ساتھ بیٹھ کر تمہیں نقصان پہنچائیں گے، ہر دور میں یہی ہوا تو پورے عرب نے جو کلمہ پڑھا تو اس لئے نہیں پڑھا تھا کہ ہم نے تمہارے دین کو دل سے مان لیا۔ نہیں صلح کیوں ہوتی ہے، حق و باطل میں جو صلح ہوتی ہے، دو پارٹیوں میں جو صلح ہوتی ہے کیوں ہوتی ہے، کہتے ہیں کچھ حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ ہم لڑ نہیں سکتے، صلح کے معنی ہیں لڑائی کو ٹال دینا، عربی میں نہیں چھوٹی لڑائی کو ٹال دینا، بڑی لڑائی کے لئے۔ جب موقع آئے گا لڑیں گے، دوست نہیں بنایا ہے تمہیں، کوئی غلط فہمی نہ ہو، صلحِ حسنؑ پر، چھوٹی لڑائی ٹالی ہے، بڑی لڑائی کے لئے، دس سال انتظار کرو، پوری ہوگی بڑی لڑائی، صلح حدیبیہ، فتح مکہ چھوٹی لڑائی ٹالی ہے تو باطل اور حق صلح کر لیں تو وہ بھی طے کئے بیٹھے ہیں کہ لڑیں گے، اب ہو سکتا ہے ایک کا مطلب ہو دفاع کریں گے، ایک کا مطلب ہو حملہ کریں

گے یہ بعد میں پتہ چلتا ہے لیکن عرب کے کفار نے رسولؐ سے صلح کر کے چھوٹی لڑائی ٹالی تھی، بڑی لڑائی کے لئے۔ نہیں غور کیا آپ نے بدر و اُحد، خندق و خیبر و حنین سب چھوٹی لڑائیاں ہوگئیں۔ بڑی لڑائی کیا ہے، جب موقعہ ملے گا اقلیت سے بدلہ لے لیں گے۔ بدر و اُحد و خندق و خیبر و حنین میں موقعہ نہیں ملا، جیسے ہی موقعہ ملا زہرا کا گھر جلا دیا، علیؑ کے گلے میں پھندا ڈال دیا، اب موقعے ملتے جا رہے ہیں، یہاں تک موقعہ ملا، جمل، صفین، نہروان، کربلا عبدالملک بن مروان، یوسف، موقعہ ملا منصور دوانقی، سفاح، ہارون، متوکل، دیکھئے موقعے ملتے جا رہے ہیں، بغداد تعمیر ہوتا جا رہا ہے، دیواروں میں چنے جا رہے ہیں، محل بن رہے ہیں، یعنی ٹالا تھا ہم نے جب موقعہ ملے گا اقلیت سے بدلہ لے لیں گے۔ لیکن کائنات کی ہر اقلیت اگر حق پر نہیں تھی تو اکثریت کے مقابل ختم ہوگئی مگر اگر حق پر تھی تو پیسے جانے کے باوجود چودہ سو برس سے اُسی تابندگی سے زندہ ہے، کون ہے، کدھر ہے، کہاں ہے۔ ہمارا عنوان ایسا ہے کہ ہم زیادہ کھل کر تقریریں نہیں کر پائیں گے، ہم کھل کر سمجھا نہیں سکتے۔ عنوان ایسا ہے، ورنہ کل ہی چارج لگ جائے گا کہ تبرا ہو گیا، بہت احتیاط سے ہمیں پڑھنا ہے، اور عنوان کو سمجھا بھی دینا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ لفظِ شیعہ کے معنی کیا ہیں، ہر دانشور اور لغت نویس نے یہی چار معنی لکھے ہیں، دوست، مددگار، گروہ، ناصر۔ بس اس کے علاوہ کوئی پانچواں لفظ نہیں ہے۔ تفصیل میں یہی آتا ہے کہ بڑی لکڑیاں جب چولہوں میں جلائی جائیں تو جو چھوٹی کھپچیاں جن کی مدد سے آگ سلگائی جاتی ہے اُن چھوٹی لکڑیوں کو بھی شیعہ کہتے ہیں۔ مگر جو خاص معنی ہیں مددگار گروہ دوست یہ مشہور تین معنی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے آدمؑ سے لے کر اب تک یہ لفظ کہاں کہاں استعمال ہوا اور قرآن میں یہ لفظ صرف تین مقامات پر استعمال ہوا۔ اللہ نے سب سے پہلے اس لفظ کو

ابراہیمؑ کے لئے استعمال کیا، سورۂ صافات ابراہیمؑ، نوحؑ کے شیعوں میں سے ایک شیعہ تھا، یعنی شیعیت کی تاریخ نوحؑ سے شروع ہورہی ہے۔ یہ تو قرآن کا اشارہ ہے۔ شیعیت کیا ہے، شیعیت کی پہچان بتائی، پہچانئے کہ یہ لفظ ابراہیمؑ کے لئے استعمال کیوں ہوا؟ پہلی بات کہی اللہ نے چونکہ وہ قلبِ سلیم لے کر آئے تھے، چونکہ قلبِ سلیم تھا، اس لئے آگ پر چل کر آگ کو گلزار بنادیا، جو قوم آگ پر چل رہی ہو، دوسری چیز، دوسری پہچان کہ جب دیکھا ابراہیمؑ نے کہ آذر بتوں کو بنانا نہیں چھوڑ رہا تو ابراہیمؑ نے آذر پر تبرا کیا، آگ پر چلنا، دشمن سے برأت ابراہیمؑ کی دو صفات ہیں، اب یوں تو نا معلوم کتنی صفات ہیں ابراہیمؑ کی وہ سب جب ہم عقائد پر بحث کریں گے تو پھر دیکھیں گے کہ انبیاء کا عقیدہ کیا ہے۔ پھر انبیاء کے عقیدے کو اقلیت کے عقیدے سے ملا کر دیکھیں گے۔ لیکن پہلے ہم یہ دیکھیں کہ اگر ابراہیمؑ تھے شیعہ اور نوحؑ تھے شیعہ تو آدمؑ کا مذہب کیا تھا۔ میں نے کچھ بتایا تھا نا کہ اسی معیار پہ ہم کیوں نہ دیکھیں، معیار تو مل گیا نا اور معیار ایک تو نہیں ہے براءت، دشمن سے تبرا، باطل سے براءت، بیزاری، دوری، آدمؑ بہت ہیں دس ہزار آدمؑ ہیں، کائنات کا پہلا قتل قابیل نے ہابیل کو قتل کیا، بھئی بہت غور سے سنئے گا۔ تقریر خاتمے پر پہنچ گئی، قابیل نے ہابیل کو قتل کیا، آدمؑ جوان بیٹے کی لاش پر آئے، نفسیات کا تقاضا، فطرت کا تقاضا یہ ہے بیٹا زخمی ہے آخری وقت ہے، بیٹے کو اُٹھائیں، گود میں سر رکھیں، سر کے خون کو صاف کریں، یہ ہے فطرت کا تقاضا، بیٹا زخمی ہے آخری وقت ہے، بیٹے کو اُٹھائیں، گود میں رکھیں، سر کے لہو کو صاف کریں، یہ ہے فطرت کا تقاضا، محبت پدری کا تقاضا، ہے نا۔ لیکن تاریخ انبیاء لکھتی ہے کہ جب آدمؑ آئے بیٹے کی لاش کو دیکھا لیکن پلٹ کر لاش پہ نہیں گئے قابیل بھاگ رہا تھا، مڑے اُس کی طرف اور کہا جا قیامت

تک تجھ پر لعنت ہوگی، تو میرے صالح فرزند کا قاتل ہے پھر بیٹے کی لاش پر آئے سر کو اُٹھایا، شانے پہ رکھا، مرثیہ کہا، تو آدمؑ نے بتایا پہلے قاتل پر لعنت اور پھر مظلوم کا ماتم، جملہ پسند آئے گا، اگر ایسا نہیں کیا آپ نے تو آپ آدمی نہیں ہیں۔ بھئی ہر نبی کی اولاد اُسی کی کہلائے گی تا عیسیٰؑ کی اولاد عیسائی، تو آدمؑ کی اولاد آدمی کہلائے گی۔ جو سیرتِ آدم پر عمل نہ کرے وہ آدمی کب رہا، آدمی کی پہچان بن گئی، قاتل پہ پہلے لعنت پھر مظلوم کا ماتم، اب آدمیوں کو تلاش کیجئے کہ ماتم بھی کرتے ہیں یا نہیں، آدمی جب ماتم کرے گا تو قاتل کو بھی پہچانے گا، تو آدمیوں میں ہم نے ایسے بھی آدمی دیکھے کہ اِدھر قاتل اُدھر مقتول یہ بھی رضی اللہ عنہ وہ بھی رضی اللہ عنہ یہ بھی آدمی وہ بھی آدمی، سمجھ رہے ہیں نا آپ، تو اس طرح پہچانا ہے اکثریت کو اقلیت کو، پھر ہم آگے بڑھیں گے اور آپ دیکھتے جائیں وہ آدمؑ کی سیرت تھی، اُنہوں نے بتایا تو قدرت نے آواز دی، اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ قیامت تک میرا پسندیدہ دین اسلام، جب تک کلمہ نہ پڑھیں وہ دائرے میں نہیں آتے، کلمے کا اصول رکھ دیا، پہلے تبرا ہو گا، پھر تولا ہوا، لا الٰہ کوئی اللہ نہیں، بے زاری اختیار کرو، ہر باطل خدا سے پھر الا اللہ پھر تو اب یہ دستور خدا نے بنا دیا جو چیز منوانا چاہیں گے پہلے باطل کا انکار کروائیں گے، قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ کوئی محبت نہیں، کچھ نہیں چاہئے، عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ط پہلے انکار کرو باطل محبتوں کا پھر مودت نصیب ہوگی، قرآن پکار رہا ہے تو جبریلؑ نے بھی یہی دیکھ کر پکارا تھا لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار کون ہے سیف اللہ اِلَّا ذُوالْفِقَار بس بھئی ہو گئی تقریر جو ہونی تھی۔ ابراہیمؑ کی سنت میں سب شیعہ کہلانے لگے اور شروع اسلام میں سب شیعہ ہی تھے، شیعانِ اسلام ہی تھے لیکن بعد رسولؐ اچانک جو ہوا کا رُخ بدلا، حالات بدترین اور سنگین ہونے لگے تو نئی تقسیم

سامنے آئی، معاویہ کے دور میں دو قسم کے شیعہ ہو گئے، شیعانِ علیؑ اور شیعانِ معاویہ ۔ جو معاویہ کے مددگار و ساتھی وہ شیعان معاویہ اور جو علیؑ کے طرف دار اور ساتھی وہ شیعانِ علیؑ مگر جنگِ صفین میں علیؑ کی فوج میں بھی شیعانِ معاویہ نظر آئے، توجہ کیجئے گا، آخری منزل سے قریب ہو رہا ہوں، مالک اشتر معاویہ کی کمین گاہ تک پہنچے، تلوار اُٹھی ہوئی اور معاویہ چند لمحوں کا مہمان، اِدھر علیؑ کے ارد گرد وہی تلواریں جو معاویہ کے خلاف اُٹھی ہوئی تھیں، اب علیؑ کو دیکھ رہی ہیں۔ مالکِ اشتر کو بلا یئے، جنگ بند کیجئے ورنہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے، دیکھا آپ نے زبان کا کلمہ، اب علیؑ کیا کریں، فوراً تیز رفتار سپاہی کو روانہ کیا اور کہا مالک اشتر سے کہو تلوار روک لیں اور واپس آ جائیں ورنہ علیؑ کو نہ پائیں گے۔ اب مالک اشتر کیا کریں، حکم مولاؑ پہ عمل کیا، اور معاویہ تلوار کے نیچے آ کر بھی بچ گیا۔ یہ صفین سنا رہا ہوں، اگر بعد رسولؐ علیؑ تلوار نکال لیتے، اب کبھی اعتراض نہ کرنا علیؑ نے باغی سپاہیوں سے کہا خوب پہچان کروائی تم، تمہارا خمیر، تمہارا پیکر اُسی خمیر سے بنا جس سے حاکم شام کا، جنگِ صفین فیصلہ کن نہ ہو سکی۔ کائنات کی ایک برائی کو شام میں قید کر کے حسنؑ نے یہ چاہا کہ اگر یہ برائی وہیں رہے تو میں نیکیوں کو ایران سے ہندوستان تک اپنی اولاد کو پہنچا سکوں ورنہ یہ باطل کا پروپیگنڈا ہمیں کام نہ کرنے دے گا، یہ صلح نہیں تھی نوّے ہزار درندے امام حسنؑ کا خون پینا چاہتے تھے، اُنہیں امام حسنؑ نے دُور ہٹایا تھا کہ مجھے دس سال چاہئیں تا کہ میں کربلا کو ترتیب دے سکوں، کام ہم سکون سے کر سکیں اور تمہیں معلوم بھی نہ ہو۔ مدینہ میں بہتّر کا لشکر کیسے ترتیب دیا جا رہا ہے، لڑائی ٹالی ہے امام حسنؑ نے، چھوٹی لڑائی ٹالی ہے، امام حسنؑ کا بچپن ہے، مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے، عبا کا دامن اُلجھا گرنے ہی والے تھے کہ رسولؐ نے خطبہ چھوڑا دوڑ کر نواسے کو گود میں لیا، منبر پہ اپنے ساتھ بٹھایا اور یہ بتایا کہ

قرآن گر رہا تھا، اس لئے میں نے حدیث چھوڑ دی اور قرآن کو اُٹھایا، قرآن پہلے ہے حدیث بعد میں ہے اب قرآن کو پاس بٹھا کر حدیث سنانا شروع کی کہ بھئی یہ قرآنِ ناطق ہیں، سجدے میں اگر حسینؑ پشت پر ہیں تو سجدے کو طول اس لئے کہ پشتِ پر قرآن ہے، سجدے سے سر اُٹھائیں تو قرآن کے گرنے کا خطرہ ہے، قرآن جب تک اپنی مرضی سے نہ اُترے نبی کو سجدے میں رہنا ہے۔ مسلسل سمجھایا، بار بار سمجھایا مگر اکثریت نہ سمجھی، یہ وہ دو شہزادے ہیں کہ جب بھی ان کا نام آتا ہے مسلمان مجبور ہو جاتا ہے ان سے محبت کا اقرار کرنے کے لئے کہ باطل پرست اکثریت بھی مجبور تھی، اس اقلیت کے آگے، بھرا ہوا مجمع تھا، مسلمانوں کا حاکم اوّل منبر پر تھا، بچہ اکیلا تھا، اقلیت اکثریت سے خوف کھا جاتی، مگر اس بھرے مجمع میں آواز گونجی اتر میرے بابا کے منبر سے، اتر گیا حاکم، حق دینے کے لئے نہیں بلکہ یہ پوچھنے کے لئے کہ جملہ تم نے خود کہا ہے یا کسی نے کہلوایا ہے، کہا یہ ہم نے خود کہا ہے یہ منبر ہمارے بابا کا ہے، تو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ کہتا ہاں! ہاں! یہ آپ کے بابا کا ہی منبر ہے، یہ آپ کے نانا ہی کا منبر ہے، امام حسنؑ نے بتایا وہ خاندان اور ہے جو وراثتاً منبر کو پا رہا ہے، تم نے وراثتاً نہیں پایا اور یہ بھی بتا دیا کہ باپ کا بھی منبر ہے اور نانا کا بھی منبر ہے، ہم ابناء نا ہیں اور مسلمانوں کے حاکمِ ثانی کے بیٹے عبداللہ ابن عمر سے کہا جاتو تو غلام زادہ ہے، صحیح مسلم میں راوی ابو ہریرہ ہیں کہ امام حسنؑ نے فرمایا جا غلام زادہ ہے، باپ سے آ کر کہا مجھے حسنؑ نے غلام زادہ کہا ہے، جواب کیا تھا اگر وہ دَور ہوتا ابولہب یا ابوجہل سے کوئی بچّہ کہتا کہ علیؑ نے ہمیں مارا ہے تو کیا ہوتا، ابو طالبؑ سے پوچھا جاتا تمہارے بچے نے کیوں مارا، وہ دَور بدل گیا، اکثریت اب اقلیت کے سامنے خاموش ہے، اب یہ نہیں کہے گا کہ چلو بیٹا ان کے باپ سے شکایت کرتے

ہیں، نہیں اب یہ کہے گا جا بیٹا لکھوا لا تا کہ جنّت میں سند کو لے کر جاؤں، غلامی کی سند مل جائے، غلام زادہ کہا تھا کوئی تو تاریخ بتائے بلکہ لکھ کر دیا بھی یا نہیں، کیوں لکھ کر دیتے بتایا حسنؑ نے جب نانا نے مانگا تھا تو قلم اور کاغذ کیوں نہیں دیا تھا، نہیں لکھ کر دیتا، کیوں لکھوں، یہ ہے آپ کا شہزادہ حسنؑ۔ جنازے کے ساتھ جائے قبرستان میں تو ابو ہریرہ رومال نکال کر امام حسنؑ کے پیروں کی گرد صاف کرے، لوگوں نے کہا ابو ہریرہ کیا کر رہے ہو، کہا تمہیں کیا معلوم یہ شہزادہ کیا ہے، اگر تمہیں علم ہو جائے تو ان قدموں کے سجدے کرنے لگو۔ یہ وہ شہزادہ ہے کہ ہر قوم اس سے عقیدت رکھتی ہے۔ جب تحریر کے بعد حسنؑ کو یہ اطمینان ہونے لگا کہ اب میرے بابا کو منبر سے برا نہیں کہا جائے گا، دس سال کا یہ عرصہ حسنؑ نے بڑے صبر و تحمل سے گزارا، یہ اُس نانا کے نواسے تھے جن پر اگر بڑھیا نے کوڑا پھینکا تو اس کی عیادت کو گئے، گھوڑے پر سوار امام حسنؑ جا رہے ہیں، ایک شخص نے گستاخانہ انداز میں کہا کہ دیکھو وہ امام جا رہا ہے، آپ رُکے اور اُس سے کہا کیا بات ہے اگر تیرے پاس سواری نہیں تو تجھے گھوڑا دیتا ہوں، اگر رقم درکار ہے تو اشرفیاں دیتا ہوں، اگر زمین نہیں ہے آ زمین دے دوں، وہ شخص حیران فوراً قدموں پہ گر پڑا، کہاں گالیاں دے رہا تھا، کہاں معذرت طلب کر رہا تھا۔ یہ دس سال اس طرح گزارے ہیں آپ کے دوسرے امام نے، کربلا کی تیاری اور پروپیگنڈے کا یہ عالم کہ سارا عرب یہ کہہ رہا ہے کہ سات سو شادیاں کی ہیں۔ تاریخ پڑھتے جائیے تاریخ یہی لکھ رہی ہے کثرت سے طلاق دیتے تھے، انگریز مورّخین نے اس پر بحث کی ہے کہ یہ واحد مثال ہے جس میں کسی نے سات سو شادیاں کیں، اس کا جواب بالکل مختصر اس دور میں قبیلے جو عرب میں موجود تھے انگلیوں پر گنے جاتے ہیں، اکثریت نہیں ہے وہ اتنے قبیلے ہیں کہ اُن کی فہرست موجود ہے، یہ بنی امیہ ہیں،

یہ بنی عدی ہیں، یہ بنی تمیم ہیں انگلیوں پر گن لیں ہر قبیلے کا یہ دستور تھا اگر کسی ایک قبیلے نے اپنی بیٹی کسی کو دے دی تو پھر وہ شخص اُس قبیلے سے دوسری بیٹی نہیں لا سکتا تھا، غور کر رہے ہیں آپ، کتنے قبیلے ہیں اگر سات سو قبیلے ہیں تو دے دیں تو گنتی کے قبیلے ہیں، اگر ہر قبیلے سے بھی ایک بیٹی لائے ہیں تو سات آٹھ سے زیادہ بیویاں نہیں، اور میں یہ کہتا ہوں کہ جملے یہ بھی ہیں کہ کثرت سے طلاق دیتے تھے، وہ ماں باپ کیسے تھے جو جان رہے تھے کہ ایک رات کی مہمان ہے دُلہن پھر بیٹیاں لئے کھڑے ہیں۔ وہ کیسے تھے سوچئے نا کیا ہو گیا تھا عرب والوں کی غیرت کو کہ روز طلاق پھر سات سو لڑکیاں تو جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، یہ شہزادے کے خلاف تاریخ کا بہتان ہے مگر پروپیگنڈا کام نہ آیا، عظمت اُسی طرح عرب میں برقرار رہی، صاحبِ تطہیر پر کیچڑ اچھالا مگر اپنے ہی منہ پر آیا تو کہا اب وہ راستہ اختیار کرو جو رسولؐ کے لئے اختیار کیا تھا، وہی زہر جو رسولؐ کو دیا گیا تھا جو بادشاہِ روم سے بنوا کر منگوایا گیا تھا، عیسائی طبیب کا بنایا ہوا جو خیبر کی لڑائی میں رسولؐ کو دیا گیا تھا، وہی زہر جس میں ابنِ ملجم نے اپنی تلوار بجھائی تھی وہی زہر ابن اشعث کے ذریعے بھجوایا گیا کہ جعدہ کو دے دے، اور وعدہ یہ ہے کہ زر و جواہر دیا جائے گا، اگر جعدہ بنت اشعث تو زہر دینے میں کامیاب ہو گئی تو یزید سے تیرا عقد کر دیا جائے گا۔ جعدہ جانتی تھی کہ شہزادہ کثرت سے روزے رکھتا ہے اور جو کثرت سے روزے رکھتا ہو اُسے رات کو پیاس بہت لگتی ہے، شہزادے کے سرھانے پانی کی صراحی رکھی رہتی تھی، جعدہ نے صراحی میں زہر ڈال دیا، رات کو شہزادے نے پانی طلب کیا تو جعدہ نے اُسی صراحی سے پانی پیش کیا، کتنا قاتل زہر تھا کہ اُس نے فوری اثر کیا، اِدھر سینے میں درد اُٹھا، فوراً کنیز فضہؑ کو بلایا اور کہا جا اور میرے بھائی حسینؑ کو بلا لا، اگر وہ سو بھی رہے ہوں تو

پیغام دے کہ بھائی حسنؑ نے بلایا ہے۔ فِضہؑ نے جا کر چھوٹے شہزادے سے عرض کی! بھائی نے تمہیں فوراً یاد کیا ہے کہ جلدی پہنچو، حسینؑ پا برہنہ بغیر عمامہ بھائی کی طرف دوڑے، بچپن کی محبت ہے، ساتھ پلے ہیں، رسولؐ کی گود میں ساتھ رہے ہیں، اگر حسنؑ کے لئے جوڑا آ رہا ہے تو حسینؑ کے لئے بھی آیا ہے، اُن کے لئے ہرنی کا بچہ آیا ہے تو ان کے لئے بھی آیا ہے، اگر نبیؐ کی ایک زُلف حسنؑ کے ہاتھ میں ہے تو ایک حسینؑ کے ہاتھ میں ہے، بھائی بھائی پہ جان دیتا ہے، فِضہؑ نے خبر دی ہے بھائی دوڑتا چلا ہے، ابھی بھائی قریب آیا تھا طشت میں خون کی دھاریں دیکھیں، دوڑ کر لپٹ گئے کہا بھیا یہ کیا اب کیا کہیں کہ منہ سے جگر کے بہتر ٹکڑے طشت میں گر رہے تھے۔ ایک بار بھائی سے بھائی لپٹ گیا اور کہا بھیا یہ کس نے کیا کہا، حسینؑ ہمیں معلوم ہے ہم تمہیں سب بتا دیں گے، بھائی اس وقت یہ نہ پوچھو، بس اس وقت ایک منظر آنکھوں میں ہے، ماں کے بتائے ہوئے واقعات نگاہوں کے سامنے ہیں، کہا بھائی اس سے بڑی مصیبت کربلا میں دیکھ رہا ہوں، تجھے چھوڑ کر اکیلا جا رہا ہوں، بلاؤ اُمِ فروہؑ کو بلاؤ میرے قاسمؑ کو بلاؤ، حسن مثنیٰ کو بلاؤ، عبداللہ کو بلاؤ، سارے بچے بلائے گئے، حسنؑ کے سامنے سب بچے کھڑے ہیں۔ ایک بار فِضہؑ نے کہا کہ عبداللہ ابن جعفرؓ کے گھر اطلاع پہنچ چکی ہے، شہزادی سواری سے اُتر رہی ہے اور ادھر ہی آ رہی ہے۔ زینبؑ آ رہی ہے، حسنؑ پکارے اے فِضہؑ اس طشت کو سامنے سے ہٹا، کہیں زینب کی نظر نہ پڑ جائے۔ طشت ہٹایا گیا کہ بہن کی نظر نہ پڑنے پائے، ایک بار شہزادی داخل ہوئی، بہن جلال میں تھی، آگے بڑھ کر پوچھا زہر کیسے دیا گیا، کنیز نے آگے بڑھ کر بتایا کہ اس صراحی کے پانی میں زہر تھا، زینبؑ نے صراحی کو اُٹھایا، صحن خانہ میں پھینکا، پانی گرا پانی سے دھواں اُٹھنے لگا، بہن تڑپ کر رونے لگی، بھیا! ایسا زہر، بھیا ایسا زہر،

بہن بھائی سے لپٹ گئی، بہن رورہی تھی، صبح ہونے سے پہلے بھائی کی شہادت ہوگئی، بنی ہاشم جمع تھے، بھرا گھر تھا، اٹھارہ بھائی تھے، اٹھارہ بہنیں تھیں، بڑا ماتم تھا، ہاشم کا گھرانا بھرا تھا، حسینؑ جیسا بھائی تھا، محمدؒ حنفیہ جیسا بھائی تھا، عباسؑ جیسا بھائی تھا، سب نے مل کر غسل دیا، حسینؑ نے کفن پہنایا، جنازہ تیار ہوا، محلۂ بنی ہاشم میں شور ہوا، مدینے کے رہنے والو، نواسۂ رسولؐ کا جنازہ باہر آرہا ہے، کاندھا دینے آگے بڑھو، سنئے گا، غور سے سنئے گا، دو چار جملے، سارے مسلمان روتے ہوئے، سروں پہ خاک ڈالتے ہوئے، بیوہ عورتیں پردے کے قریب، ماتم بہت تیز تھا، جنازہ باہر آیا، بنی ہاشم نے تلواریں کھینچیں، تلواروں کے سائے میں حسنؑ کا جنازہ چلا، روضۂ رسولؐ کے قریب پہنچا تھا، تیروں کی بارش شروع ہوئی، یہاں نہیں آسکتا، سنئے گا، محمد حنفیہؒ کو جلال آیا، عباسؑ کو جلال آیا، مسلم بن عقیلؑ کو جلال آیا، بنی ہاشم کے جوان تلواریں لئے بڑھے اور قریب تھا کہ مدینے کی سرزمین لہو سے رنگین ہو جائے کہ رحمت اللعالمین کا چھوٹا نواسہ آگے بڑھا جلال سے عباسؑ کو دیکھا، عبداللہ ابن جعفرؓ کو دیکھا، محمد حنفیہؒ کو دیکھا، کہا جنازہ واپس لے چلو، بھائی کی وصیت ہے اے حسینؑ! نانا کے روضے پر تلوار نہ چلے، اے بھائی! اماں کے پہلو میں لے جا کر دفن کر دینا، جنازہ چلا بقیع کے قریب پہنچا، قبر تیار ہوئی، جنازے کو نکالا چادر کو ہٹایا تو سات تیر جنازے میں پیوست نظر آئے، بھائی چیخ کر رویا، تیر کھینچے، جنازے کو اُٹھایا، قبر میں یہ کہہ کر اتارا، اماں! اے اماں! میرا ساتھ چھوٹ گیا، میرا بھائی مجھ سے چھوٹ گیا، اماں! تمہاری امانت تمہارے حوالے، یہ حسنؑ ہے، قبر بنی، بھائی روتا ہوا، آخری جملے تقریر کے، روئیں گے، ماتم کریں گے اور شبیہ تابوت دیکھ کر سارا منظر آپ کو یاد آجائے گا، بھائی چلا بہن پردے سے لگی کھڑی تھی انتظار میں، اب بنی ہاشم آئیں گے۔ خبر ساری پہنچ گئی

تھی ، بہن بہت بے قرار تھی، پردہ ہٹا ، بھائی آیا، بہن دوڑی، کہا بھیا حسینؑ! کیا تیروں کی بارش ہوئی تھی کہا زینبؑ گھبراؤ نہ، پریشان نہ ہو، پوچھا کیا کچھ تیر میرے بھائی کے لاشے میں لگ گئے تھے، کہا بس اتنا سن کر بے قرار ہوگئیں کہا کیوں بھیا! کیا کچھ اور دیکھنا ہے حسینؑ نے کہا ہاں زینبؑ! کربلا میں عاشور کے دن پردہ اُلٹ کر جب تم مقتل میں جاؤ گی بھائی کا لاشہ تیروں پر بلند ہوگا۔ اے زینبؑ تم کربلا کے میدان میں پکار رہی ہوگی، ہائے حسینا، ہائے حسینا، ہائے حسنؑ، ہائے حسنؑ!

❁❁❁❁

دوسری مجلس
تاریخِ شیعیت

......شیعیت کے مشکل ادوار:......

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

ساری تعریفیں اللہ کے لئے درود وسلام محمدؐ وآل محمدؐ کے لئے

انجمن رضائے حسینی کے زیرِ اہتمام الوداعی عشرے کی دوسری مجلس آپ حضرات سماعت فرمارہے ہیں۔ ہم نے اس موضوع کو آدمؑ سے لیا اور یہ بتایا کہ انبیاء کا تعلق کس کس حوالے سے شیعیت سے رہا، پھر کل کی مجلس میں یہ بھی عرض کیا گیا کہ لفظِ شیعہ کیا ہے اور معنی ومفہوم کیا ہیں اور سب سے پہلے قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کے لئے استعمال ہوا۔ گفتگو اسی طرح آگے بڑھتی رہے گی، یہ عنوان اس لئے بھی مشکل ہے کہ اس عنوان کا تعلق کسی ایک صدی یا دَور سے نہیں ہے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ پہلی صدی میں شیعیت کی تاریخ کیا تھی، دوسری صدی میں کیا تھی اور اس طرح ہم مرحلہ وار منزلیں طے کرتے ہوئے چودھویں صدی کے اختتام تک اپنے عنوان کو لائیں گے۔ اور یہ بھی بتائیں گے کہ پندرھویں صدی کے آغاز میں تاریخِ شیعیت کہاں ہے اور شاید ہم آنے والی صدیوں کا کچھ خاکہ بھی پیش کرسکیں۔ اپنے سامعین کی خدمت میں۔ ایک ایسا ذکر جو ہر آن ارتقاء چاہتا ہو، اُس کے لئے کتنی مشکلات ہیں کہ موضوع شروع ہوتے ہی اعتراضات شروع ہوجاتے ہیں۔ بغیر غور وفکر کئے، کسی چیز

کو منجمد نہیں کرنا چاہئے، جب ہر چیز اس مادّی دنیا کی ترقی پذیر ہے تو تاریخ شیعیت سے یہ پہلوتہی کیوں؟ اور اگر کوئی اس پر ورک (work) کر رہا ہے تو اُسے سمجھنے کی کوشش میں کم عقلی کیوں دکھائی جا رہی ہے۔ آپ کی عمر، آپ کا قد، آپ کا تجربہ، آپ کے اخراجات، آپ کی سوچ، ہر چیز آگے بڑھ رہی ہے، آپ کی مجلسیں، آپ کے سلام ہر چیز میں ارتقاء ہونا چاہئے اور اس ارتقاء کے لئے ضروری ہے کہ جس نام سے ہم پکارے جاتے ہیں، اُس کی روح سے بھی ہم واقف ہیں یا نہیں، اُس نام کے سارے تقاضے ہم پورے کر رہے ہیں یا نہیں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تشریح کر دوں تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تشریح سن کر آپ کل سے اس موضوع کو سننا ہی چھوڑ دیں، مگر میں مجبور اس لئے ہوں کہ خطابت حقیقت پسند ہوتی ہے، ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ جو خدمتِ سیّدہؑ میں حاضر ہوتی تھی کہ اب جو تو جانا تو بی بی سے یہ پوچھنا کہ آپ کے شیعہ کی تعریف کیا ہے، وہ گئی تو اُس نے پوچھا تو جواب ملا کہ ہمارا شیعہ وہ ہے کہ جن باتوں کا ہم نے حکم دیا ہے اُن پر عمل کرے، اور جن باتوں سے منع کیا ہے اُن سے دُور ہٹ جائے۔ عورت واپس آئی اور جواب شوہر کو سنایا، اُس نے کہا اب پھر جا اور یہ پوچھ کہ جن باتوں سے آپ نے منع کیا تھا ہم رُک نہیں سکے اور جن باتوں کا حکم دیا تھا اُن پر عمل نہیں کر سکے تو کیا ہم شیعہ نہیں ہیں۔ وہ آئی اور سوال پیش کیا تو فرمایا اگر اُس نے ہمارے احکام پر عمل نہیں کیا اور جن باتوں سے روکا تھا وہ باز نہیں رہا تو وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے، چہرے پر مایوسی دیکھ کر فرمایا اُس سے کہہ دو ہمارا شیعہ تو نہیں ہے مگر ہمارا محبّ ضرور ہے۔ پوری قوم اپنے آپ کو دیکھے، بڑے فخر سے ہم کہتے ہیں ہم شیعہ ہیں، یہ اتنا بڑا خطاب ہے کہ قدرت نے ابراہیمؑ کو عطا کیا ہے، یہ ابراہیمؑ کا لقب ہے، ''ابراہیمؑ میرے شیعوں میں سے ایک شیعہ تھا۔'' ہے کسی میں

ہمت جو یہ کہے ہم شیعہ ہیں، محبّ، محبت کرنے والے، صرف محبت کرنے والے اس لئے کہ اگر آپ یہ دیکھنا چاہیں کہ کب سے شروع ہوئے کیا ضرورت تھی کہ یہ نام آئے، اُمت مسلمان تھی، یہ لفظ کیوں آیا، اس لفظ کی ضرورت کیا تھی، ضرورت اس لئے تھی کہ گروہ اُس وقت تشکیل پاتا ہے جب مقابل میں کوئی ہو، تقریر میری شروع ہوگئی ہے، ایک ایک لفظ پر غور کیجئے گا، پارٹی اُس وقت بنتی ہے جب کوئی سامنے ہو جب مقابل میں کوئی نہیں ہوتا تو پارٹی نہیں بنتی، فارمولا ہے، گروہ بنتا ہی اس لئے ہے کہ مقابلے پر کوئی ہے تو رسولؐ نے اگر یہ کہا کہ یا علیؑ تم کامیاب اور تمہارے شیعہ کامیاب، یہ کب کہہ رہے ہیں، مدینے میں کہہ رہے ہیں، مسلمانوں کی اکثریت ہے اُس وقت کہہ رہے ہیں کہ یہ جو گروہ بن رہا ہے تو تم اور تمہارے مددگار، اس کا مطلب کہ کوئی پارٹی موجود تھی، نہیں سمجھ رہے ہیں آپ، پارٹی کا نام ہو یا نہ ہو، پارٹی تھی، ورنہ یہ گروہ نہ بنتا، یا علیؑ تم اور تمہارے شیعہ کامیاب ہیں، کسی بچے کا حوالہ نہیں، امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں کہ جابر بن عبداللہ انصاری نے کہا کہ مجھ سے ختمی مرتبت نے کہا کہ وہ دیکھو علیؑ آرہے ہیں، اس کو دیکھ لو، پہچان لو یہ تمہارا امام ہے، بعد موسیٰؑ اُن کی قوم فرقوں میں بٹ گئی اور بعد عیسیٰؑ اُن کی اُمت بہتّر فرقوں میں بٹ گئی، میری اُمت میرے بعد تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ لیکن یہ (علیؑ) اور اس کے ساتھی ناجی ہیں، کون کہہ رہا ہے امام احمد بن حنبل۔ پورا سعودی عرب جس کی فقہ پر عمل کرتا ہے اپنے مسند میں لکھتے ہیں اُس کے بعد فرمایا: ''علیؑ محشر کے روز تم میرے ساتھ ہو گے، میرے پیچھے میری آلؑ ہوگی، آلؑ کے پیچھے اصحاب ہوں گے، حسنؑ اور حسینؑ داہنی اور بائیں جانب ہوں گے، علیؑ تمہارے شیعہ میرے داہنی اور بائیں جانب چلیں گے، اصحاب کہاں ہیں، اب سمجھے کہ شیعہ کا مرتبہ اصحاب سے بلند ہے، آپ

ہیں بلند، سلمانؑ سے، آپ ابو ذرؓ سے بلند ہیں، آپ میثمؓ سے بلند ہیں، آپ عمارؓ سے بلند ہیں، قنبرؓ سے بلند ہیں تو اپنے آپ کو پہچانیں کہ ہم کیا ہیں، ہم کہاں ہیں اور کہاں جارہے ہیں؟ ہم یوں آئیں گے محشر میں کہ وہ داہنی جانب اور بائیں جانب ہوں گے، اس لئے تو کہا تھا کہ میں انبیائے بنی اسرائیل سے افضل، کہاں قنبرؓ جیسے نہ بن سکے، اگر کوئی بنا تو تاریخ میں اُس کا نام آیا ہم تاریخ میں کتنے نام چھوڑ کر جارہے ہیں، یہ چودہ صدیوں کی داستان ہے۔ باربار یاد دلایا، اس لئے کہا کہ تہتّر فرقے ہو جائیں گے، اگر یہ کہہ رہے ہیں کہ تہتّر فرقے ہو جائیں گے تو یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ صحیح راستہ کون سا ہے، کہاں ہیں علیؑ کے ساتھی، کہاں ہیں یہ ہے آغازِ شیعیت، تاریخ میں، علیؑ کے گرد جو مجمع رسولؐ کی حیات میں نظر آئے بعد رسول جو علیؑ کے گرد نظر آئے وہ تاریخ کا پہلا گروپ ہے شیعیت کا۔ ہم کو چند نام ملے، سلمانؑ، ابو ذرؓ، مقداد، عمارؓ، عبادہؓ، حذیفہؓ یمانی، جابر بن عبداللہ انصاری، عباس بن عبدالمطلبؓ، ابن عباسؓ، تیرہ یا چودہ ناموں سے بات آگے نہیں بڑھتی مدینے میں، تو پتہ یہ چلا کہ جس کا تعارف ختمی مرتبتؐ کروارہے تھے وہ شیعیت اکثریت میں نہیں تھی، اقلیت میں تھی، اپنی تقریر سے ربط دے رہا ہوں، اکثریت ہمیشہ باطل پر ہوتی ہے اقلیت جو حق پر ہو تو وہ حق پر ہی نظر آئے گی، یعنی حق کی پہچان یہ ہے کہ وہ کبھی اکثریت میں نہ ہو، یہ معیار ہے بتا چکا۔ پھر دوہرا رہا ہوں، فرعون اور فرعونیت کے ماننے والوں کی اکثریت ہے، موسیٰؑ و ہارونؑ کے ماننے والوں کی اقلیت ہے لیکن وہی موسیٰؑ اور ہارونؑ کے ماننے والے جب اکثریت میں آئے تو حق پر نہ رہے، وہی بنی اسرائیل جو فرعون کے مقابلے میں حق پر تھے جب اکثریت میں آئے تو باطل پر چلے گئے، یہودیت باطل پرست ہوگئی اور عیسائیت جو مقابل آئی وہ اقلیت میں تھی، جب عیسائیت

اکثریت میں ہو گئی تو باطل پر ہو گئی، پھر تلاش کیجئے کہ حق پر کہاں تھی، اقلیت، سمٹے ہوئے بنی ہاشم کل اقلیت ہے، بنیادی، اسلام کا آغاز ہوا تو کل تین آدمی نظر آئے، خدیجہؑ، علیؑ، جعفرؑ، نماز ہے اسلام کی، اقلیت میں ہو رہی ہے، کل اسلام یہ تھا کل نمازِ جماعت یہ تھی۔ خدیجہؑ اور علیؑ، وہ تو ابوطالبؑ ٹہل رہے تھے، جماعت کا اہتمام کرنے کے لئے نمازیوں کی حفاظت کرنے کے لئے، قبضہ تلوار پر ہاتھ رکھے ہوئے، خانہ کعبہ کی دیواروں کے ساتھ ٹہل رہے تھے، بیس سال کی عمر تھی جعفرؑ کی کہا بیٹا تم نے دیکھا تمہارا بھائی یہ کیا کر رہا ہے کہا نماز پڑھ رہا ہے کہا تم بھی پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔ جعفرؑ گئے نیت کی جماعت میں شامل ہو گئے، تین ہو گئے جماعت میں، کیوں نہیں پلٹ کے پوچھتے ابوطالبؑ تم خود کیوں نہ گئے، نماز میں، چھوٹا بیٹا پڑھ رہا ہے، بھتیجا پڑھ رہا ہے، بڑے کو بھیج دیا، خود کیوں نہیں گئے، کیوں نہیں جاتے، کیوں نہیں بھتیجے کے پیچھے پڑھتے نماز، سورۂ نساء پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ عالمِ خوف میں، عالمِ جہاد میں وقتِ نماز آ جائے تو مسلمان دو گروہ میں بٹ جائیں، ایک نماز پڑھے دوسری جماعت حفاظت کرے وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا (سورۃ النساء: ۱۰۲)

کُل اُمت نبی کی کتنی تھی ابوطالبؑ، علیؑ جعفر اور خدیجہؑ، دو گروہ تھے، ایک گروہ نماز

پڑھ رہا تھا، نمازِ جماعت کی حفاظت ہو رہی تھی، سمجھ گئے نا آپ، یہ ہے آغاز اور اسی آغاز میں دوسرا حفاظت کر رہا تھا، نمازِ جماعت کی حفاظت ہو رہی تھی، سمجھ گئے نا آپ، یہ ہے آغاز اور اسی آغاز میں یہ تعارف کروا دیتا کہ یا علیؑ تم اور تمہارے دوست، تمہارے ناصر، تمہارے مددگار، تمہارے فرمانبردار اور جتنے نظر آئیں وہ آ گئے اب سیر تیں ملا کر دیکھئے تاریخ بن رہی ہے، تاریخ جو بنے گی تو عقیدے بھی دیکھے جائیں گے، عقیدے جانچے جائیں گے، عقیدے بھی پرکھے جائیں گے۔ ہم عقائد پر گفتگو کریں گے کہ ہمارے عقائد کیا ہیں، یہ تو بچوں کو یاد کرا دیئے جاتے ہیں نا پہلے توحید، دوسرے عدل، تیسرے نبوت، چوتھے امامت، پانچویں قیامت، پہلا نماز، دوسرا روزہ، تیسرا حج، چوتھا زکوٰۃ، پانچواں خُمس، چھٹے جہاد، یہ تو بچوں کو رَٹا دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر میں یہ پوچھوں کہ ہمارے عقاید میں قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق اگر میں سب سے یہ پوچھوں کہ حقیقت بداء کیا ہے، تو وہ عقائد جو ہماری علیت اور ہمارے اُس رشتے کو مستحکم کرتے ہیں جو مدینۃ العلم سے ہے وہ منبر پر ڈسکس (Discus) کیوں نہیں ہوتے، اگر وہ چھوٹ گئے تو پھر اندھیرا ہے، زوال آپ کے سامنے ہے، تبصرہ کرنا نہیں ہے، بار بار ڈسکس اسی پر ہوتا ہے کہ جس دن علم کم ہو جائے گا قوم مر جائے گی، قوم کی زندگی علم پر ہے اور شیعیت اس لئے زندہ رہی کہ اُس کا طرۂ امتیاز علم تھا، علم کے سہارے زندہ رہی ہے، اس کو سنبھالا دیجئے، اگر سنبھالا نہیں دیں گے تو آنے والی نسلوں کے لئے بڑی مشکلیں پیدا ہو جائیں گی۔ بات سمجھیں اور سمجھائیں، میں نے بار بار یہ بات اپنی تقریروں میں کہی کہ تقریر جب سنیں اور استدلال میں کوئی چیز آ جائے اور استدلال کے جملے جو ہوتے ہیں وہ پکڑے نہیں جاتے، اُس کی روح کو دیکھا جاتا ہے، یہ مثال دس بار دی ہے، پھر دے رہا ہوں،

سورۂ یوسف پہ تقریر کر رہا تھا، یاد کر لیں رَٹ لیں، کئی بار یہ مثال دے چکا ہوں تو تقریر کے درمیان روایت آ گئی کہ یوسفؑ کی قیمت کیا تھی، کتنے میں بکے تو میں نے کہا بارہ درہم میں بکے اور یاد رکھئے کہ عراق میں ایک شکاری کُتّے کی قیمت اتنی تھی، جتنے میں یوسفؑ مصر کے بازار میں بکے تھے تو قصۂ یوسف پورا خواب میں سجدہ کرنے سے لے کر دربار تک، استدلال کے ضمن میں درمیان میں بات آ گئی تو پورے مجمعے کو یاد رہا کچھ تو یہ کہ کُتّا، ہر ایک نے یہ کہا کہ دیکھئے صاحب نبی کو کُتّے سے ملا دیا۔ پرچہ آیا ایک مجتہد کا کہ اگر معصوم سے حدیث ہو تو سر کاٹ کر بھیج دیں، ضمیر اختر کے پاس، اُدھر سے پرچہ آیا اور مجھے یاد آیا کہ قرآن کے حاشیئے پر یہ روایت اصولِ کافی کے حوالے سے امام رضا علیہ السّلام کی ہے، پرچے کے پیچھے میں نے لکھا اصول کافی کی روایت ہے اور سر کاٹ کر بھیج دیجئے نہ پھر جواب آیا نہ سر آیا، میں نے لکھا وہ تو نہیں تھے پڑھے لکھے آپ تو پڑھے لکھے تھے، تقریر کا مقصد کُتّا نہیں تھا، فکرِ یوسفؑ و یعقوبؑ کل استدلال میں یہ بات کہی تھی میں نے کہ مجنوں اس لئے کہا کہ بچوں کو دُور ہٹانا تھا، ساحر اور جادوگر اس لئے کہا کہ عورتوں کو دُور ہٹانا تھا کہ عورتیں جادو، ٹونے اور سحر سے زیادہ ڈرتی ہیں، اس لئے دُور ہٹایا تھا تو بات اُس وقت کی ہو رہی ہے، جو رسولؐ کا عہد تھا صرف عورتیں نہیں مرد بھی سحر اور ٹونے سے ڈرا کرتے تھے، میں نے یہ کب کہا کہ ہمارے گھروں کی جو مومنائیں ہیں وہ جادوگروں سے ڈرتی ہیں، یہ کب کہا میں نے، نہیں کہا میں نے تو بات کو موڑ کر کہاں سے کہاں لے جائیں، آپ کیا سمجھیں گے اور میں کیا تقریر کروں گا، میں نے کہا مثال میں کہ قرآن جو ہے خالی مکان میں پہلے بھیج دیا جاتا ہے تا کہ بلائیں قرآن پر آ جائیں واہ اس لئے قرآن بھیجتے ہیں کہ قرآن پہ بلائیں آ جائیں، بلائیں دور ہو جائیں، اس لئے قرآن بھیجتے ہیں یہ

مطلب تھا ہمارا سوال یہ کہ پہلے قرآن کیوں جائے پہلے آپ کیوں نہ جائیں جو کم تر ہے وہ بلند پہ نثار ہو، بھئی قرآن کی حفاظت کے لئے آپ ہیں یا قرآن آپ کی حفاظت کے لئے ہے، بس یہیں تو پتہ چلے گا کہ آپ کیا ہیں، اگر آپ کا ایمان یہ ہے کہ گھر میں قرآن رکھا ہے، طوفان آ جائے، آندھی آ جائے، سیلاب آ جائے، زلزلہ آ جائے ہم بچ جائیں گے آپ کو پیدا اس لئے کیا گیا کہ آپ اس کو بچائیں، آپ نے اُس کو سہارا بنالیا، بند کر کے رکھ دیا اور کب نکالا دوسرا جملہ پھر بحث شروع ہو جائے گی، کب نکالا، دوسرا جملہ کوئی بے ہوش ہو گیا، قرآن کی ہوا دے دی، کوئی جانے لگا سر پہ رکھ دیا، شادی ہوئی تو دولہا دلہن کے سر پہ رکھ دیا، کیا استعمال ہے، ہمیں بتائیے اور کبھی جھگڑے اور فساد ہو گئے آپس میں دنگا ہو گیا تو کہا قرآن کی قسم، اس سے زیادہ اور کیا ہے اُس کا استعمال، استعمال وہ بتائے جو پہلی صدی کا شیعہ ہو، یہ صفین کا لشکر تھا، یہ علیؑ کا لشکر تھا۔ لڑائی کی تیاریاں تھیں، اس سے پہلے کہ لڑائی شروع ہوتی، عمارؓ آ گئے بیچ میدان کے اور پکار کر کہا کہ اے گروہِ معاویہ اور عمرِ العاص سنو، تو بھی سن اور تو بھی سن کہ رسولؐ نے یہ کہا تھا مسجد میں کہ نہیں کہ عمارؓ تم کو ایک گروہ باغی قتل کرے گا، سب نے کہا ہاں یہ حدیث یاد ہے، کہا سنو یہ علم جو علیؑ کے ہاتھ میں ہے اسی عَلم کے نیچے ہم بدر میں تمہارے باپ داداؤں سے لڑ رہے تھے، کاہے پر لڑ رہے تھے، تنزیل قرآن پر لڑ رہے تھے، اسی عَلم کے نیچے آج تاویل قرآن پہ لڑ رہے ہیں تو عمار مارے گئے نا، کاہے کے لئے تاویلِ قرآن کے لئے، عمارؓ کون ہیں، علیؑ کے شیعہ ہیں، ان آئینوں میں دیکھیں، ان آئینوں میں جانچیں تو پتہ چلے گا ہمارا معیار کیا ہے۔ ہم کیا ہیں، ہم کہاں بیٹھے ہوئے ہیں، ابھی جب ذکر آئے گا سلمانؓ، مقدادؓ، عمارؓ و میثمؒ کا تو یہ نام آپ کے سنے ہوئے ہیں، لیکن ان کی سیرتیں ان کے حالات، ان کی ظاہری

شیعیت، تقیہ نہیں کیا، انہوں نے، دین کو چھپایا نہیں بلکہ وہ چودہ تھے یا پندرہ کام وہیں سے شروع کر دیا۔ اپنے ذمہ کام لیا تھا ابوذرؓ نے شیعیت کی تبلیغ کا اور کہاں دشمنوں کے حلقے میں، شام میں، کہاں سڑکوں پر، شاہراہوں پر پھر کر، جو پہلی آواز اس تحریک کی اُٹھی وہ یہ تھی کہ یہ قصر، یہ محل بلند عمارتیں، یہ خزانے اور دولت، یہ شراب کی مشکیں یہ سب حرام ہے دین کے خلاف ہے، معاویہ نے ابوذرؓ کو خلیفہ ثالث کے پاس مدینے باندھ کر بھجوا دیا اونٹ پر کہ اپنے پاس رکھو تو انہوں نے کیا کہا کہ اگر تم خاموش نہیں رہے تو ربذہ بھجوا دیں گے، یہ آغاز ہے تاریخ جب آپ سنیں گے تب آپ کو معلوم ہوگا، کتنی مصیبتوں میں اس تحریک کو بنایا گیا، مضبوط کیا گیا، جان دی گئی، لہو دیا گیا، قربانیاں دی گئیں، آرام سے آپ چودہ صدیوں سے شیعیت کو یہاں لئے بیٹھے ہیں کہ بس یہ ہے اور ہم ہیں اور کوئی یہ سوچے کہ نہیں بھئی اب تو وہ دور گزر گیا۔ آرام کا زمانہ ہے، اب تو عیش و عشرت کا زمانہ ہے، اب تو بلڈنگیں ہونی چاہئیں، زمینداری ہونی چاہئے، گاڑیاں ہونی چاہئیں، تو پھر آپ وہ نہیں ہیں، پہچان یہ ہے کہ مصیبتوں سے نکل کر جائیں تو نکھرتے ہیں، ہم بھئی کیوں ایران کی تعریفیں آپ اتنی کرتے ہیں کہ دنیا کے سب سے بڑے ملک امریکہ سے ٹکرا گیا ہے، پہچان نہیں رہے ہیں، اس لئے سمجھ رہے ہیں تو اُن میں اور آپ میں کیا کچھ فرق ہے، وہ کچھ اور ہیں، آپ کچھ اور ہیں، یعنی ہم تو آرام سے رہیں، ہماری ساز باز رہے، ہم حکومتوں سے ملتے رہیں، رشوتیں لیتے رہیں، جلوس بند ہوتے رہیں، مجلسوں پہ پابندیاں لگتی رہیں، شب بیداریاں بند ہو جائیں، عزاخانوں کی آوازیں کم ہو جائیں، سمٹ جائے عزاداری، ہم آرام سے رہیں، ہماری کوٹھیاں سلامت رہیں، ہمارے مکان سلامت رہیں تو کیا اگر سلامت رہ گئے تو یا پھر کبھی نہیں مرو گے، کبھی موت نہیں آئے گی،

یہاں سے جانا نہیں ہے، کسی کو منہ دکھانا نہیں ہے، بولئے محرم میں یہی تو مسئلہ تھا نا گاڑی لے کے جائیں گے وہ بم سے اُڑ گئی تو کیا ہوگا دو لاکھ کی تو گاڑی ہے تو گھر کے سامنے جو کھڑی ہے وہاں کوئی بم نہیں رکھے گا، خوف کی وجہ سے لوگ مجلسوں میں نہیں گئے۔ اگر گھروں میں بیٹھے رہے اچھا تو ملک الموت کو اس گھر کا نہیں معلوم، آپ کو یقین ہے کہ جہاں جہاں مجلسیں ہیں وہیں ملک الموت آتے ہیں، گویا اُن کو آرڈر (Order) ہے کہ ان کی روحیں قبض کرنی ہیں، بم کے دھماکے سے، ایسا خوف طاری ہوا کہ الوداعی عشرہ آ گیا چہرے اب تک خوشحال نہ ہو سکے۔ ساری مجلسوں میں جا کے دیکھا، مجلسوں کا حال بھی دیکھا، چہروں کا حال بھی دیکھا، فضائل بھی سنے، مصائب بھی سنے، اب تک وہی سکرات کا عالم ہے، مومن کو نہ ڈر ہے نہ خوف ہے، اب تو ایامِ عزا ختم ہونے میں ایک ہفتہ رہ گیا ہے پچھلے سال نمونہ آپ نے دیکھا تھا کہ یہی عشرہ کہ مجلس بند کروا دو امام باڑہ بند کر دو، مجھے بھی ضد تھی پورا عشرہ پڑھ کے رہا، بتانا تھا کہ پابندیوں میں بھی عزاداری ہو سکتی ہے، پابندیوں ہی میں آپ کے عقائد نکھر سکتے ہیں، پابندیاں لگ جائیں، مصیبتیں آئیں تو اس کا انتظار نہیں کریں گے کہ جب حالات ٹھیک ہونگے پھر کر لیں گے، اب موقعہ ہے نکھرنے کا کہ آپ نکلیں اور اپنے آپ کو پیش کریں، ٹالیں نہیں، ان چیزوں کو پھر کبھی کر لیں گے یہ کام، وہ خامیاں، وہ غلطیاں جو شیعیت کی تاریخ کو مسخ کر رہی ہیں، جلد از جلد دور کریں، اُنہیں لے جائیں، اُنہیں یہاں سے نکال دیں، اُنہیں یہاں سے، مثال کے طور پر جنگ اخبار، انتظار ہے جانے کون آئے گا سپر مین (superman) وہ آئے گا آ کر بائیکاٹ boycott کروائے گا، ہوا نہیں ہوا، پھر کوئی نیا آدمی جب بائیکاٹ کرتا ہے تو بڑی خوشی ہوتی ہے، اب ایسی کی تیسی ہوگئی فلانے کی۔ وہ تو ہمارا بیان اوپر

کے صفحے پر چھاپ دیا اُس نے سیل ہو گیا، یادر کھئے کوئی بھی آدمی بائیکاٹ کروائے گا تو قوم کے لئے نہیں، اپنی انا کے لئے، اپنی ذات کے لئے کروائے گا اور جسے شیعیت کہتے ہیں اُس میں انفرادیت نہیں ہے، اجتماعی کام ہوتا ہے، اس میں آپ کا بھلا اُس میں ہمارا بھلا، جس نے کہا ہمارا بھلا نہ وہ شیعہ ہے نہ وہ مسلمان، وہ زر کا بندہ ہے، زر کا غلام ہے، اپنی شہرت کا بھوکا ہے۔ کام صرف وہ کرے جس میں پوری انسانیت کا فائدہ ہو، قوم کا فائدہ ہو، یہ ایک مثال تھی، ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں، بات صرف یہ ہے پاکستان بنا سارے فرقے متحد تھے، کوئی کدورت نہیں تھی، عام اجازت تھی تم اپنا کام کرو تم اپنا کام کرو، نہ تم ان سے بولو، نہ تم اُن سے بولو، لیکن جب آغاز ہوا تو سارے مولوی ہندوستان میں تھے، ہم سے زیادہ تاریخ آپ جانتے ہیں، قائداعظم جناح نے پاس نہیں آنے دیا، ورنہ تحریک وہیں دھری رہ جاتی، جو مخالفینِ پاکستان تھے وہ ہندوستان میں تھے۔ جم گیا اب معاملہ ٹھیک ہو گیا، ایک ایک کر کے آنا شروع ہوئے۔ آئے تو پارٹیاں بنے لگیں، پارٹیاں بنیں تو حکومت ملی، حکومت ملی اب مصیبتیں ہو گئیں، چاروں طرف سے یلغار ہو گئی، یعنی جہاں یہ آ جائیں کیا بے چارہ سکندر مرزا حکومت کرتا، کیا بیچارہ ایوب حکومت کرتا، کیا بھٹو حکومت کرتا اور یہ کیسے کر رہے ہیں، مجھے نہیں پتہ یا تو دوست ہیں ان کے سارے یا فکریں ملتی ہیں یا یہ کہہ لیں کہ سب کے جنازے ان کے کاندھوں پر آ گئے ہیں اس لئے کہ مودودی بھی مر گئے، احتشام الحق بھی مر گئے، مفتی محمود بھی مر گئے، ان کی خوش قسمتی کہہ لیں، تینوں مر گئے، اب پتہ نہیں اس میں اللہ میاں کی کیا مرضی تھی کہ انہی کے دور میں مرنا تھا، اب جو ہیں تو فکر جو ہے وہ تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔ مجتہد قابلِ احترام، عالم قابلِ احترام، یہ تاریخ ہے ہماری، جب ہم پڑھیں گے تو مجتہدوں کا حال سنائیں گے آپ کو کہ کیسے

تبلیغ کی اور کیسے اسے مستحکم کیا۔ عالموں کا حال سنائیں گے کہ کیسے اُنہوں نے تاریخ کو مضبوط کیا ہے کیا خدمات انجام دی ہیں، اُنہوں نے ایک ہوتی ہے فکر ایک ہوتا ہے سراپا، سراپا اور ہے فکر اور ہے۔ مجھے بتایئے کہ شیعیت کو فکر کس نے دی، شیعیت نام ہے فکر کا، شیعیت ڈھکوسلے کا نام نہیں ہے، شیعیت نام ہے علم کا، شیعیت نام ہے کردار کا، شیعیت نام ہے عزم و ہمت و استقلال کا، اگر علم اور لٹریچر (literature) ہے تو ہے پھر سب کچھ ہے ورنہ نہیں ہے، ادب ہے تو ہے، اخلاقیات ہیں تو ہیں۔

علم علم علم فلسفہ کیا ہے، ہشام آئے تو امام نے کہا یہ دیکھ رہے ہو میرے اصحاب، ساڑھے چار ہزار طلباء ہیں، ہشام سے کہا مناظرہ سنائیں، دیکھیئے امام کہہ رہے ہیں کہا ہاں مولا ہم بصرے گئے اور وہ بیٹھے ہوئے تھے، لوگ سوالات کر رہے تھے وہ فتوے دے رہے تھے۔ ہم گئے ہم نے کہا ہم آپ سے کچھ پوچھ سکتے ہیں، کہا پوچھو کہا آپ کی آنکھیں ہیں، کہا یہ سوال کیسا، کہا ہم سوال کر رہے ہیں آپ جواب نہیں دیتے، یہ بتائیں کہ آنکھوں سے کیا کام کرتے ہیں، کہا دیکھتے ہیں، چیزوں کی تمیز کرتے ہیں، پہچانتے ہیں، کان ہیں کہا ہاں ہیں کہا ان سے کیا کام لیتے ہیں کہا سنتے ہیں، کہا زبان ہے کہا ہاں، کہا کیا کرتے ہو، کہا مزہ لیتے ہیں، ذائقہ چکھتے ہیں بولتے ہیں، کہا ناک ہے، ہاں ہے کیا کام لیتے ہیں، کہا سانس لیتے ہیں، ہاتھ ہیں ہاں ہیں کیا کام لیتے ہیں، چیزیں اُٹھاتے ہیں، پیر ہیں ہاں ہیں کیا کام کرتے ہیں چلتے ہیں، دل ہے ہاں اچھا یہ بتایئے کہ یہ سارے اعضا خود کام کرتے ہیں یا کوئی ان سے کرواتا ہے، کہا آنکھ دیکھتی ہے جب پہچان نہیں ہوتی دل سے پوچھتے ہیں ہرا ہے یا لال، کہا یہ بتایئے آنکھ کی، ناک کی، کان ہاتھ کی تصدیق کون کرتا ہے کہا دل، کہا کنٹرول کون کرتا ہے کہا دل کہا اگر وہ نہ ہو کہا تو حق و باطل کی تمیز ختم ہو جائے، کہا تمہارے تمام

اعضا کو حق و باطل بتانے کے لئے ایک امیر موجود ہے اور اُمت سے نبی جائے اور انتظام کر کے نہ جائے کہ ہادی کون؟ غور کیا آپ نے، نبیؐ چلا گیا اور بغیر امام کے اُمت کو چھوڑ گیا، سب کچھ بدل دیا، فقہ بدل دی، دین بدل دیا، اب یہ سنایا کیوں میں نے، اگلے جملے کے لئے سنایا، ہشام نے کہا مولا یہ جو دلیلیں اُن کے سامنے آئیں اُنہوں نے کہہ دیں، امام نے کہا، کون امام جو علم ہے کہا ہشام جو تم نے بیان کیا موسیٰؑ کی توریت میں امام کی دلیل یہی لکھی ہے۔ شیعہ وہ ہے کہ زبان سے نکلے اُسے معلوم نہ ہو اور توریت میں درج ہو۔ یہ ہے علم کی دلیل کہ فی البدیہہ جو بولیں وہ توریت میں یا انجیل میں یا قرآن میں درج ہو۔ یہ ہے تاریخ، اس تاریخ پر پرکھتے ہوئے چلئے اور مجھے بتاتے ہوئے چلئے، بہت زوال ہو گیا ہے، بہت حالت گر گئی ہے، کتنی حالت گر گئی اتنی حالت گر گئی کہ ہم عمریں گزار رہے ہیں، مجلسیں سنتے سنتے اب تک اپنے ذہن کی پرورش اور تربیت اس طرح نہ کر سکے کہ جو سنا ہے اس سے کتنے پرسنٹ (Percent) صحیح ہے، کتنے پرسنٹ غلط، یہ تو بچوں کا کھیل تھا، معصوموں نے بچپن میں یہ سب بتایا اور عمل کر کے قوم کے افراد کے بچوں نے دکھایا اور یہ حالت سو سال پہلے تک برقرار تھی، وہ ذہانت کہاں گئی وہ دماغ کی تیزی کہاں گئی، یوں یہ سب کچھ بدل گیا ہے، ایسا کیوں ہے؟ اس پر اگر آپ غور نہیں کریں گے تو آپ یقین کریں کہ ہم آنے والی نسلوں کو پیغام نہیں پہنچا سکیں گے، اُنہیں بتا نہیں سکیں گے، اُنہیں سمجھا نہیں سکیں گے۔ یہ ہیں وہ بزم میں بیٹھنے والے بوڑھے نہیں جوانوں کا حال سناؤں تو حیران رہیں، عورتوں کا حال سناؤں تو حیران رہیں، یہ جو رسولؐ نے کہا تھا یا علیؑ تم اور تمہارے شیعہ تو یہ مسجد میں بیٹھ کر کہا تھا، یہ نہیں کہ گھر کی چار دیواری کے پردے میں کہا تھا، جس طرح علیؑ کے اصحاب کا وجود ہے اور ایک قوم تشکیل پا چکی ہے

تو عورتوں میں نہیں ہر مورّخ ہر محدث، حد ہے کہ اُردو میں لکھنے والے ڈپٹی نذیر احمد مولانا مودودی، سب نے لکھا کہ نبیؐ کی بیویوں میں دو پارٹیاں بن گئیں تھیں، بس یہ لفظ ہمارے لئے کافی ہے دو پارٹیاں بن گئی تھیں، ایک پارٹی میں سودہ اورصفیہ اور حفصہ و عائشہ اور ایک پارٹی میں اُمِ سلمیٰؓ ، ماریہ قبطیہؓ ، زینب بنت جیش، ایک پارٹی ادھر تھی ایک پارٹی اُدھر تھی ، اب رسولؐ کی اتنی سی کوشش ہونی چاہئے کہ پارٹیاں دو ہیں رسولؐ جاتے وقت بتا دیں کہ نبیؐ کے ساتھ کون ہے۔ پارٹیاں تشکیل پا چکی تھیں، اب یہ نبیؐ کا فرض تھا کہ بتا جائیں حق پر کون تا کہ بچے جوان بوڑھے سب سن لیں اور یاد رکھیں۔ سب جمع تھیں، وضو کا پانی چلو میں تھا، اُمِ سلمیٰؓ کہتی ہیں لوٹا میرے ہاتھ میں تھا کہ ایک بار کہا ڈرتا ہوں اس دن سے کہ جب میری ایک بیوی علیؓ کے مقابل جنگ کرنے آئے گی ، اُمِ سلمیٰؓ کہتی ہیں لوٹا میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا، میں تھر تھر کانپنے لگی، رسالت کی زبان کے جلال کو جو سمجھے، میں کانپنے لگی، میں نے کہا یا رسولؐ اللہ میں تو نہیں ہوں کہا نہیں تم نہیں ہو کہا پھر کون ہے کہا جس پر حواب کے کُتے بھونکیں گے، سب کچھ تو بتا دیا۔ گھر کے اندر بھی، گھر کے باہر بھی، تحریک شروع ہو رہی ہے۔ ابھی سے اپنی پارٹیوں کو پہچان لو، کدھر جاتا ہے، صراطِ مستقیم کونسا ہے، مکّے میں یہ بھی تھیں وہ بھی تھیں، پہلے وہ یہاں آئیں اور اُمِ سلمیٰؓ سے کہا بھئی تیاری ہے، تمہیں بھی چلنا ہے، ساتھ چلنا ہے میرے ، کہا میں کیسے جاؤں وہ دن یاد نہیں ہے تم بھی بیٹھی تھیں، میرے ہاتھ میں وضو کا پانی تھا اور نبیؐ نے یہ کہا تھا کہ میری ایک زوجہ علیؓ سے جنگ کرے گی کہا ہاں یاد تو آ گیا میں توبہ کرتی ہوں۔ کہا واپس مدینے چلی جاؤ، میں بھی جا رہی ہوں، نہ ہم وہ بنیں نہ تم وہ بنو اور جب باہر نکلیں تو طلحہ اور زبیر مل گئے تو دوڑا دیا جمل تک مروان اونٹ کو ہانک رہا تھا اور جب وہ منزل آ گئی تو جہاں پر کتے

بھونکنے لگے تالاب تھا حوّاب، اُس کے پاس کتے تھے وہ اونٹ کو دیکھ کر دوڑے تو کیا ہوا جیسے ہی کتوں کی آواز آئی تو رسولؐ کے الفاظ یاد آ گئے تو قدرت کبھی کبھی یہ بھی بتاتی ہے کہ انسانیت جب اتنی پست ہو جاتی ہے تو ہم جانوروں سے کام لیا کرتے ہیں تا کہ انسانیت اپنی حیثیت کو پہچان لے، اسی لئے قرآن میں اصحابِ کہف کا کُتّا رکھا ہے، اسی لئے سورۂ والعادیات میں گھوڑوں کا ذکر کیا ہے تا کہ جب تمہیں ہوش نہ رہے تو یہ تمہیں سمجھائیں، کہا یہ کتے کیوں بھونکے کہا حوّاب ہے۔ چالیس گواہیاں ناقے کے سامنے، مروان نے چالیس آدمی گزارے کہ یہ حوّاب نہیں ہے۔ اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی، وہ یہ منزل ہے تاریخ بول رہی تھی اُمِ سلمیٰ مدینے واپس جا رہی تھیں اور علیؑ کو خط لکھ رہی تھیں، محبت سے کہا گیا تھا لیکن میں گھر سے قدم اس لئے نہیں نکال سکتی کہ رسولؐ نے مجھے منع کیا تھا۔ پارٹی یہ ہے، پارٹی وہ ہے جب یہ بات آگے بڑھے گی اُس وقت صرف اُمِ سلمیٰ تھیں، ماریہ قبطیہ تھیں، زینب بنت جیش تھیں، جب پارٹی بڑھی تو افراد بڑھے، جب افراد بڑھے تو تاریخ چودہ سو سال کی ہے کون کون آیا کیسے آیا، ایک طرف بچے ہیں، ایک طرف جوان ہیں، ایک طرف بوڑھے ہیں، ایک طرف خواتین ہیں، جب موضوع آگے بڑھے گا اور ہم تفصیل سے ان چیزوں پر بولیں گے تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ گفتگو کیسے کی ہے، سمجھایا کیسے ہے تعارف کیسے کروایا ہے۔

خلافت کا پہلا دن تھا، اُمِ سلمیٰ نے بیٹے کو بلایا اور کہا جاؤ اور مسجد میں جا کر دیکھو کس کے ہاتھ پر بیعت ہوتی ہے اور جب بیعت ہو جائے تو دیکھنا تمہیں بلایا جاتا ہے یا نہیں، اگر بلایا جائے تو واپس آ کر پوری بات بتا دینا۔ بیٹا گیا واپس آیا، کہا کیا ہوا، کہا بیعت ہو گئی، تم کہاں تھے، میں سامنے موجود تھا، کہا تمہیں بلایا تھا کہا نہیں، چار سال

بعد دوسری خلافت کا دَور آیا پھر شور ہوا، بیعت ہو رہی ہے، اُمِ سلمیٰؑ نے کہا جاؤ بیٹا سامنے جا کر کھڑے ہونا، جو گزرے آ کر بتانا، بیٹا گیا واپس آیا کہا بیعت ہوئی ہم سامنے کھڑے ہوئے، کسی نے نہ بلایا، کہا بیٹھ جاؤ، دس سال گزر گئے، تیسری خلافت کا زمانہ آیا، اُمِ سلمیٰؑ نے کہا جاؤ دیکھو، کیا ہوتا ہے بلاتے ہیں یا نہیں، بیٹا گیا واپس آیا، کیا ہوا، نہیں بلایا، کہا بیٹھ جاؤ، تیرہ سال گزر گئے، ایسے بنی ہے تاریخِ شیعیت، میرے بھائی ملتِ جعفریہ کی خاتون کسی بات کا انتظار کر رہی ہے اور بیٹا ساتھ ہے اُس کا ہمراز ہے۔ ایک بار شور ہوا کہ منبر رسولؐ پر علیؑ آ گئے۔ کہا بیٹا جاؤ دیکھو کیا ہوتا ہے، بیٹا گیا دیکھا علیؑ کی بیعت ہونے لگی، آگے بڑھا، علیؑ نے بلایا، کہا میرے قریب آؤ، اُمِ سلمیٰؑ کا بیٹا قریب گیا، کہا جاؤ اپنی ماں سے میرا اسلام کہنا اور کہنا علیؑ نے وہ تختی مانگی ہے جس پر کچھ لکھ کر رسولؐ نے اُمِ سلمیٰؑ کے پاس رکھوایا تھا۔ اُمِ سلمیٰؑ نے اپنے حجرے میں اُس تختی کو چھپا کر رکھا تھا، رسولؐ اللہ یہ کہہ کر گئے تھے جس دن مسجدِ نبویؐ میں علیؑ کی بیعت ہو جائے یہ تختی علیؑ کے حوالے کر دینا، بیٹا حجرے میں گیا پورا پیغام سنایا، ماں نے کہا آج حق اپنی منزل پر آیا، کہا اماں دروازے پر وہ کھڑے ہوئے ہیں کہ آواز آئی اے اُمِ سلمیٰؑ وہ تختی میرے حوالے کر دو، یہ ہے تاریخِ شیعیت۔

وہ بھی شیعہ تھے واقعۂ غدیر جن کی سمجھ میں نہ آیا، وہ بھی تھے جو پچیس سال انتظار میں رہے جو رازدارِ رسالت تھے، اُن میں اُمِ سلمیٰؑ گھر میں ہیں اور ایک مثال دے کر اپنی تقریر کو تمام کروں، ایک مثال اور یہ نام بڑا عجیب نام ہے، اس لئے اہم ہے سلمانؓ ہمارے ہیں، ابوذرؓ ہمارے ہیں، عمارؓ یاسر ہمارے ہیں، مقدادؓ ہمارے ہیں، قنبرؓ ہمارے ہیں، ۱۲/ربیع الاوّل کو ابھی آپ بینرز دیکھیں گے اخباروں میں اشتہار دیکھیں گے، عنوانات دیکھیں گے، سب کے نام پائیں گے۔ عظمتِ صحابہ کانفرنس

میں ان کے نام نہیں ملیں گے آپ کو، اس لئے کہ آپ نے اپنا کہہ دیا ہے ان کو، وہ دس درجے پر ہوں، نو درجے پر ہوں، یا آٹھ پر ہوں، آپ نے اپنا کیوں کہا، یہ آپ کی عادت ہے، جب دیکھو غالبؔ، میر تقی میرؔ، ہمارا، سوداؔ ہمارا، جب آپ نے یہ کہنا شروع کیا اقبالؔ ہمارا، کیا چھینا جھپٹی ہوئی ہے، کیسے کیسے آرڈرز آئے ہیں۔ میڈیا (Media) پر یہ نہیں پڑھا جائے گا، ٹی وی پہ یہ نہیں پڑھا جائے گا۔ اخبار میں جنگ میں اگر کوئی ماتمی انجمن اشتہار دے اور یہ شعر لکھا ہو۔

ہمیشہ وردِ زباں ہے علیؑ کا نام اقبالؔ
کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینے سے

جنگ گروپ کی طرف سے کہا گیا اقبالؔ کا دیوان لے کر آیئے، زبورِ عجم میں ہے یا کس میں ہے، بالِ جبریل میں ہے پھر اشتہار چھاپیں گے، دیکھا آپ نے جب اقبالؔ کو آپ نے اپنا کہا تو اُن کے کان کھڑے ہوگئے، ایک ایک شعر چیک (Check) کیا جانے لگا، ارے لے جاؤ ایک اقبالؔ، ایک ہی تو ہے تمہارے پاس، یہاں تو ہزاروں ہیں، عربی میں بھی، فارسی میں بھی اور اُردو میں بھی، کئی لاکھ اقبال، وہ تو اقبال کی عزت تھی کہ منبر پر جو شعر حوالے سے پڑھ دیا جائے، نہیں چاہتے نہیں پڑھیں گے، ہمیں کیا کمی ہے ہمارے پاس ایک ایسا ہے جو پچاس ہزار اقبالوں پہ بھاری ہے، جوش ملیح آبادی، پچاس ہزار اقبالوں پہ بھاری ہے، اُس کا ایک مصرعہ اگر پڑھ دیں۔

لے وہ نجف کی سمت سے آنے لگی صدا

یہ شرف کہاں اقبالؔ کو ملا۔

لے وہ نجف کی سمت سے آنے لگی صدا   اے جوشِ نکتہ سنج میری انجمن میں آ

آ اور جھوم جھوم کے نغماتِ تو سُنا ساقی میرا سلامِ ادب لے کہ میں چلا

مولائے کائنات اور آواز دے مجھے

اے جبرئیلؑ قوتِ پرواز دے مجھے

جب ادب کی بات آئے گی تو ہم دل بھر کے آپ کو سنائیں گے، فارسی اور اُردو کے شعر تاریخ شیعیت کے آئینے میں، جب ادب شروع ہوگا تو کسی فرقے کا ایک آدمی نہ پائیں گے، آپ صرف یہ ایک دلیل کافی ہے عظمتِ شیعیت کے لئے کہ جب بھی ادب میں کسی نے لکھنے کے لئے اپنا قلم اُٹھایا تو اُسے اپنے عقائد اور اپنی فکر بدلنا پڑی، اس لئے کہ مجبور ہوگیا، علم نہیں آتا، فکر نہیں آتی، شاعری کا چہرہ نکھرتا نہیں، جب تک کہ اہلِ بیتؑ کی مدح نہ کرو، پھر علیؑ کے حق کا اعلان نہ کرو، یہ ایک فکر ہے، یہ ایک حقیقت ہے، جب آپ کو بتاؤں گا تو آپ حیران رہ جائیں گے وہ جو یہ کہہ کر شاعری کر رہے تھے کہ ہم مذہبیات میں نہیں پڑتے، دو شاعر اُردو ادب میں ایسے ہیں جنہوں نے عہد کیا تھا ایک اکبر الٰہ آبادی اور ایک حالؔی کوئی مذہب کی بات نہیں کرنا ہے، سب بھائی بھائی ہیں، سب کے لئے بین الاقوامی شاعری لیکن ایک دن ایسا آ گیا حالؔی کی زندگی میں بھی پھر اکبر الٰہ آبادی کی زندگی میں کہ شیفتہ کے بارے میں لکھنا پڑا اور حالؔی نے لکھا اور خود حالؔی کے لئے بھی یہ بات لکھی گئی کہ عاشور کے دن گھر میں اکیلے تھے، ٹہل رہے تھے حالی اور روتے جا رہے تھے اور یہ کہتے جا رہے تھے ''آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے'' کیا مرثیہ انیس نے لکھ دیا کہ مصرع ثانی کی ضرورت نہیں، ایک مصرعے میں مرثیہ آ گیا۔ ادب وہ ہے کہ عہد کرے مدح نہیں کریں گے، انیسؔ نے دل کو پگھلا دیا، یہ ہے زبانِ اُردو اور یہی کہتا ہوں کہ اگر زبان درست نہیں تو خطابت کیسے صحیح ہوگی، اصغرؑ کو اگر آپ نے اسگر کہہ دیا سب کچھ بے کار ہوگیا، ہر علم کا

دارومدار زبان پر ہے، بارہا کہا ہے دنیا کا کوئی علم بغیر زبان کے نہیں پڑھا جا سکتا، وہ کوئی بھی زبان ہو، پہلے زبان پر عبور حاصل کریں گے پھر علم حاصل کریں گے، خطابت بھی ایک علم ہے اور برصغیر کی خطابت کا مقدر ہے کہ اُردو میں ہو، برصغیر میں خطابت کی زبان نہیں بدلے گی اور عزاداری دنیا میں جہاں جہاں ہو رہی ہے وہ امریکہ کے اسٹیٹس (States) ہوں یا یورپ اور ایشیا کے ممالک تقریر اُردو میں ہوتی ہے، اگر کبھی کسی نے اور زبان میں کی ہو تو بتایئے، نیپال میں کیا نیپالی ہوگی، برما میں برمی اور فرانس میں کیا فرنچ میں ہوتی ہے۔ کریں گے کیا جب اُردو پہ آپ کو عبور نہیں تو فرانس جا کر فرنچ میں کیا کریں گے اور لندن جا کر انگریزی میں کیا کریں گے، اپنی مادری زبان تو آج تک سمجھ نہ سکے۔ جس کی وجہ سے فضائل ومصائب سب گڈمڈ ہو کے رہ جاتے ہیں، جب تک زبان درست نہ ہوگی خطابت کا آنواں ٹیڑھا رہے گا اور یہ اونٹ کسی کل بیٹھ نہیں پائے گا، اس لئے ہر خطیب سے گزارش ہے جس نے ابھی زبان نہیں سیکھی کہ پہلے زبان پر عبور حاصل کرے پھر پانچ دس برس کے بعد مجلس پڑھنا شروع کرے تو ہم آپ کے مخلص ہیں ایک نئے ذاکر تھے، دیو بندی تھے، حافظِ قرآن تھے، بڑی اچھی اچھی مجلسیں پڑھتے تھے، ایک مجلس راجہ صاحب محمودآباد نے ان کی اپنے گھر پر رکھی، اس لئے کہ وہ چاہتے تھے اُنہوں نے بڑی دھوم مچا رکھی ہے ایک مجلس ہم نصیر الملت صاحب اور سعید الملت صاحب کو سنوائیں، علماء نے ابھی اُن کو نہیں سنا تھا، اور راجہ صاحب کے گھر علماء کہنے لگے مجلس سے پہلے میں پورا سورہ سنا دوں، اس لئے کہ جتنے حضرات یہاں بیٹھے ہیں کسی کو پورا سورۂ یوسف یاد نہیں ہوگا، جیسے ہی انہوں نے کہا کہ پورے مجمع میں سورۂ یوسف کسی کو یاد نہیں ہوگا تو سرکار نصیر ملت اُٹھے اور مجلس سے چلے گئے، اُن کے پیچھے سارے علماء چلے گئے، اب

یہ بتا دو عربی کالج لکھنؤ کے پرنسپل تھے نصیر الملت اور قرآن حفظ تھا، اُٹھ کر چلے گئے، جاتے جاتے کہہ گئے مولانا کو لے کر میرے گھر آنا، ہم انتظار کریں گے۔ اب جو یہ سارے جملے میں نے سنے تو تجسّس ہوا، مولانا چلے ہم بھی اُن کے پیچھے شریعت کدہ ناصری چلے کہ دیکھیں منظر کیا ہوتا ہے تو اب درمیان میں ڈرائنگ روم (Drawing room) کے نصیر الملّت بیٹھے ہیں اور دونوں طرف علماء بیٹھے ہیں، مولانا پورے مجمعے کے ساتھ داخل ہوئے میں بھی اندر آیا نصیر الملت کھڑے ہو گئے سب علماء بھی کھڑے ہو گئے، نصیر الملت نے مولانا کی پیشانی چومی اور کہا میں آپ کو ایک مشورہ دیتا ہوں کہ کم از کم دس سال اور تعلیم حاصل کیجئے پھر خطابت شروع کیجئے۔ عالم وہ ہے جو ایک جملہ سن کر سمجھ جائے کہ اس کی خطابت کہاں تک جائے گی، دس سال کی کمی ہے ابھی کورس میں، ایسا کہا مانا کہ شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ بڑے غیرت دار اور سمجھ دار تھے اور پھر کبھی اُن کا نام بھی کہیں نظر نہ آیا۔ ایک جملہ کام کر گیا، اس لئے کہ جب آدمی بولتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ ہم سے زیادہ جاننے والا تو کوئی مجمعے میں نہیں بیٹھا ہوا، پھر جو شروع ہوئے کہ بہت سوچ کر، سمجھ کر، دیکھ کر اس لئے کہ اتنا لٹریچر (Literature) چھپ چکا ہے کہ ساری دنیا کا لٹریچر ایک طرف اور نول کشور کا چھپا لٹریچر ایک طرف، لاکھوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، کتنی کتابیں نول کشور کی آپ کی نظر سے گزری ہوں گی یہ تو میں نہیں جانتا اس لئے کہ کتاب کا تو ذوق ہی نہیں ہے، بس مجلسوں پہ گزارہ ہو رہا ہے۔ ذوق کہاں سے ہو، ایک ذاکر نے مرکزی عشرہ پڑھا میں وہاں نہیں تھا، بعد میں میں نے پوچھا قبلہ کس عنوان سے پڑھا، کہنے لگے وہی عروۃ الوثقیٰ تو میں نے کہا پھر آپ نے آیت اللہ محسن حکیم کے حاشئے بھی عروۃ الوثقیٰ پر پڑھے ہوں گے، کہنے لگے کوئی کتاب بھی اس موضوع پہ ہے تو بھئی تو پہلے

شوق کی تشکیل کرو پھر تکمیل کرو، ورنہ حق و باطل کا فیصلہ ناممکن ہے۔ ایک معیار بناؤ اپنا با خدا کہہ رہا ہوں، ایک لاکھ کا مجمع ہو یا دس بیٹھے ہوں، میرے لئے سب برابر ہیں۔ میں نے کبھی مجمعوں پہ ناز نہیں کیا، مجھے ناز اس بات پر ہوتا ہے جب کوئی آ کر مجھ سے کہتا ہے کہ تین سال پہلے آپ نے اس بات پر یہ دلیل دی تھی تو ہمارا دل چاہتا ہے کہ اُس کا ذہن آسمان پر پرواز کرے اور اس کی عمر اللہ دراز کرے کہ اُس نے مجلس سنی اور مجلس کے مقصد کو سمجھا، جہاں یہ عالم کہ مجلس سن کر نکلے اور یہ بھی یاد نہیں کہ کیا پڑھا اور کیا نہیں پڑھا اس لئے یہ موضوع رکھ دیا ہے کہ کم سے کم اپنا تعارف تو تمہیں یاد ہو جائے اور یہ ریکارڈ (Record) محفوظ ہو جائے آنے والی نسلوں کے لئے، نہ مقالہ نہ کتاب کہہ چکا یہ ریکارڈ اس لئے کہ جب پوچھا جائے کہاں سے ہو تم، کب شروع ہوئے تم، کدھر سے آ گئے تم، فقہ کب بنی، حدیث کب بنی، پہلی کتاب کب لکھی گئی تمہاری، کہاں کہاں تھے تم، ہندوستان میں کیسے آئے تم، عرب سے چلے تو کہاں پہنچے، ترکی میں کیسے آئے، لبنان میں کیسے پہنچے، عراق سے کیسے نکلے، ایران کیسے آئے، انڈونیشیا اور ملائشیا تک کیسے گئے، کہاں کہاں کی خاک چھانتے ہوئے، تکلیفیں اور مصیبتیں اُٹھاتے ہوئے، زمانے کو راہِ حق دکھاتے ہوئے، آگے کیسے بڑھے، آج سے پانچ سو سال پہلے یعنی قاضی نور اللہ شوستری سے ایک سو سال پہلے احمد نگر دکن میں شیعیت کا آغاز ہوا، طاہر شاہ ایک سیّد نے ہندوستان میں قدم رکھا، امام حسن کی اولاد ہیں، بادشاہ بُرہان نظام شاہ کا بیٹا عبدالقادر بیمار ہے اُس کا آخری وقت ہے حکیم آ چکے، طبیب آ چکے، مایوسی ہو چکی، باپ کہہ رہا ہے چادر ڈال دو اور دُور ہٹ جاؤ، ایسے میں اطلاع ملتی ہے کہ طاہر شاہ آئے ہیں وہ سیّد ہیں ملنا چاہتے ہیں، کہا بلا لو وہ قریب آئے پوچھا کیا بات ہے، میرا کہا مان لو شاید بیٹا صحیح ہو جائے،

کہا آپ کون سی دوا لائے ہیں، کہا دوا نہیں لائے دعا لائے ہیں، کہا تو پھر سنا دیجیے، بہت سے صوفی آ چکے، کہا بس اتنا مان لو کہ بیٹا صحیح ہو جائے گا تو بارہ ائمہ کی نذر دلاؤ گے، کہا یہ کون ہیں، کہا نام سن لو، کہا اچھا یہ بھی اچھا کر کے دیکھ لیتے ہیں، نیت کی بیٹے کے قریب گیا، اُس نے لات مار کر لحاف گرا دیا تھا، ہاتھ اور پیر پٹک رہا تھا، یہ تاریخِ فرشتہ کے الفاظ ہیں دو جلدوں میں کئی بار چھپ چکی ہے برنس روڈ کراچی سے دستیاب ہے صرف یہ واحد واقعہ ہے جو ہندوستان میں آپ کا تعارف کراتا ہے، احمد نگر دکن حیدر آباد کے پاس بیجاپور گولکنڈہ یہ ریاستیں تھیں، احمد آباد اُس وقت کی سب سے بڑی راجدھانی اور ریاست تھی، بادشاہ نے سب کو ہٹا دیا اور خود بیٹے کی مسہری کی پٹی پر سر رکھ کر بیٹھ گیا، آنکھ لگی اور ایک بزرگ کو دیکھا، کہا برہان نظام شاہ ہم آ گئے ہمارے بارہ فرزند بھی آ گئے، یہ ہیں بارہ امام، یہ علیؑ یہ حسنؑ، یہ حسینؑ رسولؐ نے ایک ایک کا تعارف کروایا، اور کہا بیٹا تمہارا ٹھیک ہو چکا، آنکھ کھلی، پیشانی پہ ہاتھ رکھا، بخار اُتر چکا تھا، بیٹا اُٹھ کر بیٹھ گیا، کہا بابا کچھ نورانی شکلیں میں نے دیکھیں ہیں وہ لوگ کہاں گئے، کہا بیٹا میں بھی دیکھ رہا تھا لیکن وہ نگاہوں سے غائب ہو گئے، وہ آئے تھے ہمیں بشارت دے گئے، محدث دہلوی نے بھی یہ واقعہ لکھا اور انہوں نے یہ لکھا کہ رسولؐ نے کہا برہان نظام شاہ مان لو طاہر شاہ کی بات اگر تمہارا بیٹا ٹھیک ہو جائے تو اسی مذہب کی تبلیغ کرنا اسی دین کی ترویج کرنا اور سنو یہ طے کر لو کہ بعد نمازِ جمعہ خطبے میں ہمارے فرزندوں کے نام پکارے جائیں، ایک سیّد کا آنا دین پھیل گیا، خواب دِکھانا اور سیّد کو اتنا ناز کہ وہ کہہ دے بیٹا صحیح ہو جائے گا تو رسولؐ خود آ جائیں، بارہ امام خود آ جائیں، سیّد اُسے کہتے ہیں، تاریخ میں لکھا جائے، حقیقت سامنے آ جائے، علم پھر بولتا ہے، یہ تھا آغاز احمد نگر میں لو تقریر تمام ہو گئی۔ آغاز رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی ہوا تھا

اور شیعیت مستحکم وہیں سے ہونا شروع ہوئی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ شیعیت تقیے میں چلی گئی تھی، لیکن اللہ وہ عالمِ قربانی کا، سب سے پہلی قربانی کون سی دی گئی، ملتِ جعفریہ نے سب سے پہلی قربانی تاریخِ شیعیت میں کون سی دی، ابھی شام کی مجلس میں عرض کر رہا تھا اور پھر انہی الفاظ کو دوہرا رہا ہوں آپ کے لئے دعا اور شب بیداری کا آغاز، وہ لمحہ تھا، سُلیم بن قیس، شیعیت کی پہلی کتاب ہے، سُلیم بن قیس صحابی علیؑ ہیں، خود لکھتے ہیں جو سنا تھا، دیکھا تھا ابوذرؓ سے، سلمانؓ سے، مقداد سے، جا کر تصدیق کرواتا تھا، پھر جمع کی اور یہ کتاب ترتیب دی۔ خاص بات اس کتاب کی یہ ہے کہ بعدِ وفاتِ رسولؐ جو کچھ مدینے میں ہوا اُس کا گواہ کوئی نہ تھا، اگر سُلیم بن قیس نہ ہوتے، اس لئے کہ اُمت نے جو تاریخ لکھوائی اُس تاریخ سے اُس چیپٹر (Chapter) کو نکال دیا، اس لئے سُلیم بن قیس کی کتاب بڑی قیمتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ وفاتِ رسولؐ کو صرف دس روز ہوئے تھے اور اُن دس دنوں میں دو عظیم واقعے ہوئے۔ پہلا واقعہ یہ ہوا کہ نبیؐ کی بیٹی دربار میں کھڑی تھی اور دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ زہراؑ کا گھر جل رہا تھا، ایک عشرے میں یہ دونوں باتیں ہوگئیں، اور یہ بات اس لئے ہوئی کہ اقتدار چھین لو، ان سے دولت چھین لو ان سے، دولت رہے گی تو مجمع ان کے پاس رہے گا، دولت چلی جائے گی تو مجمع ہٹ جائے گا، اب سمجھے اکثریت دولت سے قریب آتی ہے جو رہ گئے وہی حق پر تھے، اقلیت تھے، زہراؑ نے جنہیں آس پاس دیکھا، جنہیں چوکھٹ اور ڈیوڑھی پہ دیکھا، وہ تھوڑے سے مٹھی بھر تھے ورنہ اکثریت کہیں اور تھی اور بیٹی نبیؐ کی جب باہر نکلی اور دربار میں آ گئی، خطبہ دے چکی، واپس آئی اور سُلیم بن قیس کے مطابق واپس آ کر اپنے آپ کو قبرِ نبیؐ پر گرا دیا اور تاریخِ شیعیت کا پہلا مرثیہ اور اس کے مصرعے جو بلند ہوئے تو تاریخ کا طرۂ امتیاز بن گیا۔

نوحہ جو نبیؐ کی بیٹی نے لکھا،

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَا۔لِیَا

بابا آپ کے بعد فاطمہؑ پر اتنی مصیبتیں پڑیں کہ اگر دِنوں پر پڑتیں تو دِن مثل رات کے سیاہ ہو جاتے، یہ عظمت شاعری کی کہ ایسی مثال ایسی تشبیہ زہراؑ نے دی، یہی وجہ تھی کہ سلمانؓ کہتے ہیں اور سُلیم بن قیس لکھتے ہیں کہ جب ہم ڈیوڑھی پر حاضر ہوئے، فاطمہؑ سر پر ایک زرد پٹی باندھے ہوئے بیٹھی ہیں، ہم نے عرض کیا بی بیؑ! کیا حال ہے، فرمایا سلمانؓ سر میں بڑا درد ہے، کیوں نہ درد ہوتا بیٹی رات کو بھی روتی تھی، بیٹی دن کو بھی روتی تھی، رونے سے بیٹی کو فرصت نہیں تھی اور جب علیؑ آ جائیں کل امام حسنؑ کی شہادت پڑھ چکا آج رسولؐ کی شہادت کا دن ہے، تقریر کو ختم کر رہا ہوں، یہ ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم آج رسولؐ کی شہادت پڑھ کر مجلس کو تمام کر دیں، جب سب کی شہادت پڑھتے ہیں تو رسولِؐ اسلام کی شہادت کیوں نہ پڑھیں تو اسی حوالے سے عرض کر رہے ہیں تو اگر علیؑ آ جائیں تو بار بار یہی کہنا اے ابوالحسنؑ! ذرا بابا کا صندوق تو کھولو بابا کا عمامہ تو لاؤ، بابا کا کرتا لاؤ، بابا کی عبا لاؤ اور جب کپڑے نکلتے تو چہرے پہ ڈالتیں اور روتے روتے بے ہوش ہو جاتیں، بابا کتنے دن ہو گئے ہیں بچے رو رہے ہیں، حسنؑ کو آ کر گود میں لیجئے گا، بابا! آپ کو تو حسینؑ کا رونا اچھا نہیں لگتا تھا، بابا! حسینؑ تڑپ رہا ہے، زینبؑ تڑپ رہی ہے، بچے نانا کو پکار رہے ہیں اور اگر کبھی بلالؓ آ جاتے تو کہتیں کیسے بابا کو خاک میں لٹا کر قبر بنائی، میں کہوں گا، اے بی بیؑ! بابا کی قبر بنی اور سکینہؑ کے بابا کا لاشہ بے گور و کفن کربلا کے میدان میں، بیٹی دیکھ رہی تھی۔ ماتمِ حسینؑ۔

تیسری مجلس
تاریخِ شیعیت

......: شیعیت عہد بہ عہد :......

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

تمام تعریفیں اللہ کے لئے اور درود و سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لئے

تاریخِ شیعیت ہمارا عنوان ہے اور الوداعی عشرے کی تیسری مجلس آپ سماعت فرمارہے ہیں۔شیعیت جو پروان چڑھی بظاہر پابندیوں اور قید و بند میں دنیا کی کسی بھی تاریخ میں کوئی ملت کوئی دین اس طرح مصیبت اٹھا کر زندہ نہیں رہا اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ بار بار رسولؐ کا یہ کہنا یا علیؑ تم اور تمہارے شیعہ کامیاب ہیں جب رسولِ اسلام یہ کہہ دیں تو پختگی کیسے نہ آئے صداقت کی جب دلیل مل جائے اور پھر یہ کہہ دینا کہ اپنی مجلسوں کو زینت دو ذکرِ علیؑ سے تو اُس عہد میں مشغلہ ہی یہ تھا کہ جب چار مل کر بیٹھ گئے تو فضائلِ علیؑ شروع ہو گئے سلمانؓ و ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، حذیفہؓ و جابر بن عبداللہؓ انصاری، سعد بن عبادہؓ، یہ سب آپس میں جب ملتے تھے ملاقات کرتے تھے تو سوائے ذکرِ علیؑ کے کوئی اور موضوع نہیں ہوتا تھا اس لیے کہ رسولؐ نے یہ کہا تھا کہ عبادت ہے تو عبادت کے بعد جو عبادت ہو حکم رسولؐ سے وہ پہچان بن گئی اور کہنا یہ تھا اُن کا کہ جب ہم یہ پہچاننا چاہتے تھے کہ ہم میں سے ہے یا غیر ہے تو ہم ذکرِ علیؑ شروع کر دیتے چہرے پہ بحالی آجاتی تھی تو ہم سمجھتے تھے یہ ہمارا ہے چہرے پہ مردنی چھا جاتی تو ہم سمجھتے تھے کہ

غیر ہے یہ پہلی صدی ہے شیعیت کی چودہ صدیاں سنانی ہیں آپ کو تو کوشش کروں گا کہ آج کی تقریر میں شیعیت کی چودہ صدیاں سناؤں، نہ پہنچ سکا چودھویں تک تو کہیں پر تو ٹھہروں گا، موضوع بڑا وسیع ہے اور وقت چاہتا ہے۔ پہلی صدی اور پہلی صدی میں ظاہر ہے کہ کتنے تھے پہچانے ہوئے لوگ، جانے ہوئے لوگ اور پھر مشکلیں اتنی کہ جہاں امام سامنے ہے اور اُس کے حکم پر چلنا ہے، یہ نہیں کہ جائیں امام کے پاس فتویٰ لیں عمل کریں یا نہ کریں صرف اُس کے اشارے اُس کے چہرے پر نظر کہ کہاں پر آنکھ کا اشارہ کدھر ہو جائے یہ ہیں پہلی صدی کے لوگ اور اس طرح مزاجِ امامت کو سمجھنے والے سلمانؑ فارسی تھے جو اُس منزل پر اس بات کو سمجھ گئے کہ علیؑ کے گلے میں رسّی کا پھندا ہے اور زمینِ مدینہ ہل رہی ہے۔ سلمانؑ کے علاوہ علیؑ کے اشارے کو کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا، علیؑ کے اشارے کو سلمانؑ نے سمجھا اور دوڑے مولاؑ کو چھوڑا اور دروازۂ بتولؑ پر آ گئے، کہا مولاؑ نے یہ کہا ہے کہ بالوں کے پاس سے ہاتھوں کو ہٹالیں، اُمت کے لیئے بددعا نہ کریں، غور کریں کہ وہ شیعیت معرفت کی کس معراج پر ہے۔ پہلی صدی جو جہاں گیا ابوذرؓ کو دو مقامات پر جانے کا اتفاق ہوا شام اور لبنان آج دونوں ملک شیعیت سے جو لبریز ہیں تو وہ ابوذرؓ کے قدموں کی برکت ہے۔ آغاز وہ ہے ارتقاء یہ ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں جسے میں بعد کی تقریروں میں عرض کروں گا، سلمانؑ مدائن گئے، پورا شہر تاریخ کا حصہ بن گیا اور حذیفہ یمانی اور جابر بن عبداللہ انصاریؓ جدھر نکل گئے تو پیغام جو تھا وہ آہستہ آہستہ چلتا رہا لیکن جیسے جیسے توحید پر بحث ہوئی، نظریات بدلنے لگے، فرقے بننے لگے، فرقے بنے، اِس لئے کہ عقائد میں نظریات جیسے جیسے ابھرتے گئے فرقے بنتے گئے، کچھ فرقے نظریۂ توحید پر بنے، کچھ فرقے مسئلہ قرآن پر بنے، کچھ تاویل قرآن پر فرقے بنے، کچھ فرقے عصمتِ انبیاءؑ پر بنے، کچھ فرقے وہ تھے جو عدلِ الٰہی

پر بنے، کچھ وہ تھے جو امامت پر بنے، اس لیئے بنے کہ شیعیت کہہ رہی تھی نص ضروری ہے امامت کے لیئے، دنیا کہہ رہی تھی ہم جسے بھی بنالیں، فرقے بنتے چلے گئے اور سب سے بڑا اختلاف جو ملتِ اسلامیہ میں ہوا وہ خلافت تھی اس لیئے کہ پوری ملت یہ چاہتی تھی کہ ہم بنائیں، شیعیت کہہ رہی تھی اللہ بناتا ہے اور غدیر سے شیعیت چلی تھی جو پیغام لے کر گئی تھی عرب کے صوبوں میں شہروں میں اُن کو نہیں معلوم تھا کہ مدینہ میں کیا ہوا، بہت دیر میں معلوم ہوا، وہ یہ سمجھتے رہے کہ غدیر میں جس کا اعلان ہوا ہے حکمِ الٰہی سے بس وہی ہے اور ہر وہ فکر اور نظریہ جو آج رائج ہے آپ کے سامنے وہ رسولؐ کی حیات میں شروع ہوگیا تھا، علمِ کلام میں مناظرہ حیاتِ رسولؐ ہی میں شروع ہوگیا تھا اور پہلا مناظرہ جو ہوا مع مباہلے کے وہ رسولؐ سے ہوا اور وہ حارث بن نعمان فہری ہے کہ بعدِ غدیر ختمی مرتبت مسجد میں تشریف فرما ہیں، اُس نے اپنے ناقے کو درخت سے باندھا جوتوں سمیت صحنِ مسجد میں آیا اور آکر رسولؐ سے کہا آپ نے ہم کو حکم دیا نماز پڑھنے کا ہم نے نماز پڑھی، آپ نے حکم دیا روزے کا ہم نے روزے رکھے، آپ نے حکم دیا حج کا ہم نے حج کیا، اب آپ یہ سب کچھ دے کر ہم کو جاتے جاتے یہ چاہتے ہیں کہ اپنے چچازاد بھائی کو ہمارے سروں پر مسلّط کر جائیں تو یہ بتائیں کہ یہ اعلان آپ نے اپنی طرف سے کیا ہے یا حکمِ الٰہی سے! نبیؐ نے کوئی جواب نہیں دیا اس لیئے کہ نبیؐ سے مناظرہ خدا سے مناظرہ ہے نبی یہ چاہتا ہے کہ اس مناظرے کا جواب آج وہ دے تو حارث کہتا ہے کہہ دیں اپنے معبود سے کہ اگر میں حق پر نہیں ہوں، باطل پر ہوں تو آپ کا خدا مجھ پر پتھر کی شکل میں عذاب نازل کرے اور میں فنا ہو جاؤں یہ کہہ کر صحنِ مسجد سے آگے بڑھا تھا، ابھی دروازے سے نکلا تھا کہ آسمان سے پتھر آیا سر پر پڑا اور زمین میں دھنس گیا، پتہ نہ چلا کہ کہاں تھا آیت اُتری "سَاَلَ سَآئِلٌ م بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ" (سورہ

المعارج)، یہ ہے آخری کلامِ الٰہی، اس کے بعد پھر کوئی سورہ نہیں آیا، اُس نے، سائل نے ہم سے سوال کیا عذاب مانگا ہم نے عذاب بھیج دیا کلام پاک نے اس مناظرے کو بیان کر کے بتایا مناظرے کا آغاز ہو گیا، پہلا مناظرہ، موضوع مناظرہ خلافت علیؑ، لڑنے والا اُمت کا ایسا بد بخت انسان جو خدا سے مناظرہ کر رہا تھا، آغاز ہو گیا۔

اب جو آغاز ہوا تو وہ سلمانؓ ہوں یا ابوذرؓ ہوں یا مقدادؓ ہوں یا عمارؓ ہوں یا ابن عباس ہوں ہزاروں مناظرے تاریخ میں محفوظ ہیں وقت نہیں نہ یہ سب کچھ بیان کرنا ہے ورنہ بہت دلچسپ چیزیں ہیں، کچھ آنے والی تقریروں میں عرض کروں گا، ساری چیزیں نہیں سنانا آپ کو، وقت نہیں ہے، آغاز میں اب موضوعِ بحث یہ ہے کہ علیؑ حکمِ الٰہی سے غدیر میں امت کے امام بنائے گئے لیکن وہ فکر کہ جہاں یہ کوشش کہ ہم علیؑ تک اس منصب کو جانے نہ دیں گے تو وہ دنیا جو یہ کہہ رہی تھی کہ اجماع ہو گیا، اب کیا کریں تو تاریخ نے پکار کر کہا کہ اجماع کہاں ہوا تھا اس لیے کہ انصار ناراض تھے اور سعد ابن عبادہ کہہ رہے تھے اگر نہیں مان رہے ہو وہ حکم جو غدیر میں نبیؐ نے دیا اور اپنی کرنا چاہتے ہو تو پھر ہماری آبادی کو دیکھو ایک تم اپنے میں سے مقرر کرو ایک مہاجر کا اور ایک انصار کا ہو تو اُن کے لیئے کہا گیا مار دو اس کو پیروں سے کچل کر مار دو دھکے دے کر سقیفائی کلب سے باہر نکال دو اور پھر بعد میں اُن کو تیر سے مار بھی دیا گیا اور قاتل کا نام بھی ہے، ملکِ شام میں مارے گئے اور یہ کہہ دیا گیا کہ جن آیا تھا سعد کو قتل کر کے چلا گیا یہ تاریخ کے عجیب و غریب واقعات ہیں، عجیب رُخ ہیں، حیران کن چیزیں ہیں، سعد مار ڈالے گئے انصار مخالف بنی ہاشم کا کوئی آدمی وہاں ہے نہیں بنی اُمیہ کا جو سردار ہے غور کیجئے گا اجماع ہوا یا نہیں یعنی اجماع کے کیا معنی کہ ایک بات پر سب متفق ہو جائیں یعنی کوئی ایک بھی خلاف نہ ہو اِس کو کہتے ہیں اجماع انصار نکل گئے بنی ہاشم وہاں تھے ہی نہیں بنی

اُمیہ کا سب سے بڑا قبیلہ اور ابوسفیان، علیؑ کے گھر کے سامنے آیا تھا اور کہہ رہا تھا علیؑ تمہارے ہوتے ہوئے چھوٹے موٹے قبیلے کے لوگوں میں منصب چلا گیا۔ ہم موجود ہیں تم موجود ہو، کہو تو سواروں اور پیادوں سے مدینے کی گلیوں کو بھر دیں تو بنی اُمیّہ نے بھی اختلاف کیا، یہ بھی فیور (favour) میں نہیں تھے تو اجماع کہاں رہا ختم ہو گیا اجماع، علیؑ نے کہا جا اے ابوسفیان تو کب سے اسلام کا ہمدرد ہو گیا، تجھے کب سے اسلام سے ہمدردی ہو گئی، میں مسئلہ خلافت نہیں پڑھ رہا ہوں میں پڑھ رہا ہوں تاریخ شیعیت میں بتانا یہ ہے کہ واحد ملت جس نے رواداری برتی اچھا رواداری کے معنی نہیں معلوم آپ کو جس نے اتحاد کا مظاہرہ کیا یہ پہلا قدم تھا کہ علیؑ نے مسلمانوں کو یہ بتایا کہ ہم شر نہیں چاہتے اگر کسی بات پر اتحاد ہو رہا ہے تو ہمارے ساتھ چلو تم کوئی غیر نہیں ہو ہماری بنائی ہوئی امت ہو ہمارے لائے ہوئے لوگ ہو ہمارے احسانات کے نیچے دبے ہوئے ہو بس فرق یہ ہے کہ ہمارا کہا نہیں ماننا چاہتے ہم سے سرکشی کرنا چاہتے ہو، ہم سے سرتابی کرنا چاہتے ہو، اُس کے بعد بھی ہم گلے لگانا چاہتے ہیں تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ علیؑ کے لیئے آسان تھا کہ ابوسفیان سے کہتے جا لشکر لا، لے آ لشکر ان کو تباہ کر دیں، کیا ہیں یہ قبیلے، علیؑ کی تلوار چلتی ابوسفیان مددگار ہوتا تو پھر علیؑ کے سامنے کون ٹھہرتا لیکن جان رہے تھے کہ اس کے دل میں کیا ہے آج اس کو اگر مددگار بنالیا تو تاریخ میں لکھا جائے گا کہ حق بھی کبھی کبھی باطل سے مدد لیتا ہے، حق خالص ہوتا ہے وہ باطل کی مدد نہیں لیا کرتا یہ دوسری بات ہے کہ ہم اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہیں ٹھیک ہے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اپنے گھر پر اب ایک ہی کام ہے قرآن کو ترتیب دینا ہے یہ کام جب تک نہ کریں گے اپنے دوش پر چادر نہ ڈالیں گے ترتیب پا گیا قرآن، علیؑ نے خلیفہ وقت سے کہا لو یہ ہے کہا نہیں چاہئے ٹھیک ہے، نہ لو فرق کچھ نہیں تھا، جو قرآن آج ہے

وہی قرآن تھا، وہی قرآن اتنے ہی سورے اتنی ہی آیتیں نہ کم نہ زیادہ، بات اتنی تھی کہ علیؑ نے حاشیہ پر نشان دہی کردی تھی کہ کون سا سورہ کہاں اُترا، کون سی آیت میدان میں آئی، کون سی آیت سفر میں آئی، کون سی آیت حضر میں آئی، کون سی آیت حجرے میں آئی، کون سی آیت مکّے میں آئی، کون سی آیت مدینے میں آئی، کون سی آیت طائف میں آئی، ایک ایک چیز لکھ دی تھی، وہ تفسیر نصیب نہ ہوئی اُمت کو چونکہ نصیب نہ ہوئی، اس لیے اُسی مسئلہ پر فرقے بن گئے، علیؑ نے قرآن اس لیئے دیا تھا کہ اُمّت کا اتحاد پارہ پارہ نہ ہونے پائے، علیؑ یہ چاہ رہے تھے فرقے نہ بنیں، اُمت چاہتی تھی بنیں، یہ اختلاف اُمت نے علیؑ سے کیا، علیؑ نے کسی سے اختلاف نہیں کیا اور علیؑ نے یہ بتایا کہ دیکھو تم ہمارا کہا مانو یا نہ مانو ہم تمہیں دعوتِ فکر، دعوتِ عمل دیتے رہیں گے لیکن یہ ہمارے مٹھی بھر ساتھی اس فکر کو زندہ رکھیں گے یہ ایسے ساتھی ہیں کہ ہم انہیں جو حکم دے دیں وہ یہ کر گزریں گے یہی تو کہا تھا نہ کہ یہ سلمانؓ ایمان کے دس درجے پر ہیں ابوذرؓ ایمان کے نویں درجے پر ہیں مقدادؓ ایمان کے آٹھویں درجے پر ہیں، تو کیا کہا علیؑ نے کہ تم تینوں یہاں کھڑے ہو جاؤ میں جو حکم دوں فوراً اُس پر عمل کرنا کہا ٹھیک ہے کہا اپنی تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ لو جب قبضوں پر ہاتھ پہنچ گئے کہا اب مجھے قتل کر دو تو تین حالتیں تھیں، سلمانؓ کی تلوار علیؑ کے سر تک پہنچ چکی تھی، ابوذرؓ کی تلوار آدھی نکلی تھی، مقداد کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر رہ گیا تھا، صرف علیؑ یہ بتانا چاہتے تھے کہ ہمارا حکم ماننے میں ان لوگوں کے درجے کیا ہیں، درجے بتائے تو ان سے یہ کام نہیں لینا ہے کہ یہ زمانے کو اُلٹ دیں بلکہ خاموشی سے ان کو شہروں شہروں جانا ہے اور تاریخِ شیعیت کو مستحکم کرنا ہے، اس لئے کہ جو تاریخِ شیعیت ہے وہی نبیؐ کا سچا دین ہے، وہی دینِ الٰہی ہے، وہی ہمارا دین ہے، وہی سچا مذہب ہے، آگے بڑھی شیعیت پہلی صدی اور اس پہلی

صدی میں ہم نے دیکھا کہ بعدِ علیؑ حسنؑ کا دَور آیا، پہلی تقریر میں عرض کر چکا، بڑی مشکلوں میں تاریخ گھری ہوئی تھی کہ اُس زمانے میں حسنؑ کو یہ لکھوانا پڑا کہ جہاں کہیں ہمارے شیعہ ہیں انہیں قتل نہیں کیا جائے گا انہیں اذیتیں نہیں دی جائیں گی، لیکن صلح نامے کی کسی شرط کو پورا نہیں کیا گیا اور وہ مظالم کیئے گئے کہ تاریخ حیران ہے امام وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ دس سال گزرے حسینؑ ابن علیؑ کا دَور آیا، حسینؑ نے چاہا کہ اب ہم بتادیں کہ وہ بابا کے چاہنے والے وہ بھائی کے ساتھی وہ سچے دین کے سچے پیرو اب کتنے ہیں اور ان کی قوت کیا ہے پہچانو اور جانو چلے ایک لمبے سفر پر مکّے سے مدینے تک کا چھ مہینے کا راستہ نہیں ہے لیکن چھ مہینے میں اس لیئے طے ہو کہ پورے عرب میں شور ہو جائے کہ نواسہ رسولؐ کہاں جا رہا ہے اور کیا چاہتا ہے ملنے والے آئیں اور قافلے میں شامل ہوتے جائیں اور جب شام ہو تو ہم تقریر کریں ہم پیغام سنائیں ہم بتائیں کہ دین کا مقصد کیا ہے یہ ہے مقصد ٹھہرنا ہے تو ٹھہرو ورنہ واپس جاؤ نکھرتی چلی شیعیت اور جب اس منزل پر پہنچ گئی لوگوں کو ہٹاتے ہوئے کاٹتے ہوئے چھانٹتے ہوئے جب رہ گئے تھوڑے سے تو کہا دیکھو ہزاروں کو واپس کیا ہے لیکن حبیبؓ کو کوفہ سے بلاتے ہیں ہزاروں کو حج کے موقع پر واپس کیا ہے لیکن زہیرؓ ابن قین کو سامنے سے بلاتے ہیں بتانا یہ ہے جہاں کہیں بھی شیعیت ہوتی ہے حکم امام پر اس طرح آتی ہے جیسے حبیبؓ آئے جیسے زہیر ابن قین آئے اور جہاں شیعیت نہیں ہوتی تو قافلے اُلٹے قدم واپس جاتے ہیں کربلا نے بتایا کہ اس تاریخ کو پہچانو سب کٹ گئے کچھ نہ رہا، سب ختم ہو گئے کچھ نہ رہا، کسی تاریخ میں ایسا بھی ہوا ہے جہاں ایک منزل پر سمٹ کر پورا دین جمع ہو گیا ہو اور سب کٹ گیا ہو تو باقی کیا بچا کیا رہ گیا لیکن اُس نے زندہ رہ کر بتایا کہ کتنا سچا دین تھا ایک بچا چوبیس سال کا جوان تو وہ یزید کی غلطی تھی وہ شاہی کی غلطی تھی، وہ ملوکیت کی

خامی تھی، یہی یزید کی شکست ہے، یہی یزید کی ناکامی ہے کہ بعدِ کربلا بعدِ جنگ خاموشی سے اہلِ حرم کو مدینے پہنچا دیتا، یہاں غلطی کر گیا حکم دیا ابن زیاد کو کہ شام بھیج دو، قیدی چلے تو دورانِ سفر راہوں میں اظہار کرتے چلے، فکروں کو تازہ کرتے ہوئے چلے، پیغام سناتے ہوئے چلے، زمانے کو بتاتے ہوئے چلے، وہ شیعیت جو کربلا میں قتل ہوگئی تھی وہ پھر زندہ ہوگئی۔ انداز بدل گیا، ابھی تک مسئلہ یہ تھا کہ جو پارٹیاں بن رہی ہیں انہیں راہِ راست پر لا کر شیعیت کی طرف لایا جائے، اب انداز بدل گیا بعد کربلا اب مسلمانوں کو دیکھ لیا تو شیعہ نہیں بنانا، اب یہودیوں سے بات کرنا ہے، اب عیسایوں سے بات کرنی ہے مسلمانوں کو دیکھ لیا تو اب جہاں درخت میں سر لٹک جائے، راہب کے دیر میں سر چلا جائے، بعلبک کے قلعے سے گزر جائے، شیریں کے قلعے سے گزر جائے، یہودی آئے نصرانی آئے کلمہ پڑھا آئے، شیعیت کو سمجھا آئے، اب کربلا کے بعد شیعیت پھر مستحکم ہوئی وہ قید میں تھا تبلیغ کرنے والا بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا تھا زمانے کو بتایا اُس نے کہ جب دین سچا ہوتا ہے، امام قید میں بھی ہوتا ہے تو تبلیغ رکتی نہیں کوئی دنیا کا مذہب یہ بتائے کہ اُس کے لیڈر (leader) قید میں چلے گئے ہوں اور تحریک پھر بھی پروان چڑھ رہی ہو، ناممکن ہے ممکن ان معنوں میں ہے کہ قید میں تھے زمانے کو بیدار کیا تھا تو آسان تھا لیکن بتایا کہ زمانے کو بیدار کرنا اور ہے۔ گھر کو گھر کے چراغ سے آگ لگوا دینا اور ہے۔ یزید کا بیٹا خود پکارا کہ میں شیعہ ہوں اور یہ بنی اُمیّہ کا جاہ وجلال، یہ تخت، وہ ابوسفیان کی ملکیت اور معاویہ کا جگمگاتا ہوا تاج، وہ زریں کمر غلام حکم پر حاضر ہونے والے، وہ سجا ہوا قصر، مخمل و دیبا کے پردوں کے ساتھ برسوں کی بنائی ہوئی دولت کے انبار اور اس میں چودہ سال کا یزید کا بیٹا تخت کے پاس بیٹھا ہوا تھا، مروان کہہ رہا تھا یہ تخت آپ کا ہے، یہ تاج آپ کا ہے اور یہ بنی اُمیّہ کا جاہ وجلال اور یہ

اُمت آپ کی ہے ملک کی وسعتیں کہاں تک پھیل گئیں قسطنطنیہ تک ملک وسیع ہے، یہ سب آپ کا ہے یہ فوج یہ لشکر آپ کا ہے ہم نے آپ کے دشمنوں کو ختم کر دیا، اب مخالف نہ رہے، اب خروج کرنے والے نہ رہے، اب آپ کے لئے سکون ہے، تخت پر بیٹھیے، تاج سر پر رکھیے، کہا ٹھہرو بات کرنے دو، پہلے اس اُمت سے یزید کا، چودہ سال کا بیٹا جس کا نام اپنے دادا کے نام پر معاویہ رکھا گیا تھا، قید خانۂ شام سے آخر وہ کون سی کرن پھوٹی تھی جو خانۂ زہراؑ سے شیعیت کی کرن آرہی تھی کہ اُس کرن کا کون سا پرتو صحن معاویہ بن یزید پر پڑا تھا کہ اُس کا دماغ جگمگا کر آفتاب بن گیا تھا اور وہ پکار رہا تھا میرا باپ میرا دادا جس نے رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے ساتھ ظلم کیا وہ اُس کی سزا جہنم میں بھگت رہا ہے اور جو کچھ میرے باپ نے حسینؑ کے ساتھ کیا اس کی سزا ضرور پائے گا تم کیا چاہتے ہو جس تخت کے پائے خونِ حسینؑ میں ڈوبے ہیں اُس پر میں بیٹھوں یزید کا بیٹا یزید سے بیزار ہو گیا شیعیت اِس کا نام ہے کہ جب دل میں وہ نور مودّت جاگے تو ظالم باپ اور دادا سے نفرت ہو جائے، یزید کا بیٹا تخت کو ٹھکرا کر چلا گیا یہ ہے شیعیت، تاج کو ٹھکرا کر، ہم کو نہیں چاہئے یہ تخت، ہم کو نہیں چاہئے یہ تاج بس اس جملے پر غور کیجئے گا قیدی تو ابھی قیدی ہیں آزاد ہوں گے تو کیا ہوگا اور یہی ہوا کہ آزاد ہوئے تو گھبرا گیا عبدالملک بن مروان خط پہ خط گورنر کو لکھنے پڑے کہ مدینے میں تو انقلاب آ گیا ہے اس لئے کہ زینبؑ بنتِ علیؑ کا گھر تقریروں کا مرکز بن گیا ہے، پورا مدینہ اُمنڈ کر صبح سے اُس گھر پر پہنچ جاتا ہے، عورتیں علیؑ کی بیٹی کی تقریریں سنتی ہیں، مرد زین العابدینؑ کی تقریریں سنتے ہیں مدینے کے گھروں میں چولہے نہیں جلتے، کھانا نہیں پکتا، دن اور رات حسینؑ کا ماتم ہوتا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے بعدِ کربلا پورا مدینہ شیعہ ہو گیا، دو کا کارنامہ ایک زینبؑ کا اور ایک سید الساجدینؑ کا کربلا کا واقعہ لکھوا دیا زبور آلِ محمدؐ

جیسی کتاب صحیفۂ کاملہ اُمت کے حوالے کر دی دعاؤں میں رازِ الٰہی بتا دیئے، دعاؤں میں تاریخ شیعیت کے نکات لکھوا دیئے یہاں تک کہ وہ دَور آیا حجاج بن یوسف کے مظالم سامنے آئے اک بار شیعیت پھر منجدھار میں نظر آئی، سیلابوں اور طوفانوں میں نظر آئی اور آ کر لوگوں نے کہا کہ مولا ہم کیا کریں، کیا آپ اپنے معبود سے عذاب کی دعا نہیں مانگ سکتے، بڑا عجیب سوال کیا تھا اس لئے کہ ہر نبیؑ ایک منزل پر پہنچا کہ جہاں چاہتا تھا کہ راہِ راست پر اُمت آجائے لیکن جب نہ آئی تو ہاتھ اُٹھائے بددعا کی، عذاب آیا۔ ہر نبیؑ کی داستان اسی طرح ہے نوسو سال ہزار سال جب بالکل اُس منزل پر پہنچ گئے کہ اب اُمت مانتی نہیں تو پھر عذاب آیا، تو اُسی منصب کو لئے کبھی نوحؑ کی قوم طوفان میں گھری کبھی لوطؑ کی قوم پر پتھر برسے، کبھی ادریسؑ کی قوم پر پتھر برسے، کبھی الیاسؑ کی قوم پر پتھر برسے، کبھی کسی نبی کے لیئے، کبھی کسی نبی کے لیئے، ناقہ صالحؑ کو قتل کیا گیا تو عذاب آ گیا، تفصیلی تقریریں کر چکا اشارے دیتا گزر رہا ہوں، ہر نبی نے عذاب مانگا اور عذاب آیا تو اُسی منصب کے لئے چوتھے امام نے ایک ڈورا اپنے فرزند امام محمد باقرؑ کو دیا اور کہا اس ڈورے کو درخت کے سرے سے باندھ دینا اپنے بیٹے محمد باقرؑ کو دیا اور اصحاب سے کہنا کہ وہ کھڑے ہو کر دیکھیں کسی کو نہیں معلوم کیا ہو رہا ہے ایک بار اُس ڈورے کو امام باقرؑ نے ہلایا آپ کے پانچویں امام نے، اُس ڈورے کا ہلنا تھا کہ مدینے کی زمین ہلنے لگی زلزلہ آیا اور ایسا لگا کہ نیچے کا حصہ دھنسنے لگا اور ایک طرف سے زمین بلند ہونے لگی، گھبرا کے لوگ گھروں سے نکل آئے، یہ کیا ہو گیا، راستوں پر مجمع ہو گیا، گھروں کے دروازے کھلے، سب پریشان تھے کہ یہ کیا ہوا، زمین تھم گئی دوسری جنبش دی زمین دھنسنے لگی، لوگوں کے کلیجے منہ کو آ گئے، تین بار ایسا ہوا، جب واپس آئے، اصحاب تو کہا تم سمجھتے ہو کہ ہمارے اختیار میں یہ نہیں ہے ہمارے اختیار

میں ہے لیکن ہم فخرِ نوحؑ ہیں سیلاب نہیں آئے گا طوفان نہیں آئے گا، ہم فخرِ ابراہیم ہیں، اُمت پر پتھر نہیں برسیں گے، عذاب نہیں آئے گا اب راستہ دوسرا ہے پیغام کو زندہ رہنا ہے اور زندگی کے آثار لے کر چلنا ہے، یہ ایسا پیغام ہے کہ مٹایا جاتا رہے گا لیکن زندہ رہے گا ہر نبی کو خطرہ یہ تھا کہ حق اب باقی نہ رہے گا ایک نبی آیا دوسرا نبی آیا ایک کا مذہب منسوخ ہوا دوسرے کا مذہب آ گیا، اب قیامت تک اسی دین کو جانا ہے اس ہمارے دین کو جانا ہے لیکن مٹ نہیں سکے گا گھبرانا نہیں، یہ زمانہ بھی گزر جائے گا ایک لاکھ قیدی تھے حجاج بن یوسف کے قید خانے میں جو کہ شیعہ تھے اور ادھر ابن زیاد نے جو قیدی بنائے تھے وہ دارالامارہ کے قلعہ کے تہہ خانے میں دولاکھ قیدی تھے یہی زمانے کی بحث ہے یہیں سے ہم اپنی تقریر کو اُس رخ کی طرف موڑ رہے ہیں یہ ہمارا دوسرا موضوع آئے گا کل سے اس موضوع کو ہم تفصیل کے ساتھ عرض کریں گے یعنی امیر مختار کا موضوع، بحث یہ ہے تاریخ میں کہ حسینؑ کو کوفے والوں نے قتل کر دیا اور کوفے کے سارے لوگ شیعہ تھے شیعوں نے حسینؑ کو قتل کر دیا اور جب شیعوں نے حسینؑ کو قتل کر دیا کربلا میں تو بات ختم ہوگئی اب میں تاریخ سے پوچھتا ہوں کہ شیعوں نے حسینؑ کو کربلا میں قتل کر دیا ابھی جولائی کے مہینے میں طویل ترین مقالہ امیر مختار پر چھپ کر آیا کل اُس کے کچھ حصے ہم آپ کو پڑھ کر سنائیں گے اور جماعت اسلامی کے ایک مصنف نے اس کو تحقیقی انداز سے لکھا ہے بڑا عجیب مقالہ ہے پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے تو اُس میں انہوں نے تفصیل سے لکھا ہے پرانی کتابوں کے نام لے کر ظاہر ہے کہ بھری پڑی ہیں مختار کے حالات پر کتابیں اب جنہوں نے دیکھا ہوگا انہوں نے پڑھا ہوگا کہ مختار نے قاتلانِ حسینؑ کو قتل کیا تو جب قاتلانِ حسینؑ شیعہ تھے اور مختار نے قاتلانِ حسینؑ کو قتل کیا تو خود مختار کا مذہب کیا تھا اس لیے کہ ایک طرف آپ یہ بھی کہہ رہے کہ مختار بھی شیعیانِ

علیؑ میں سے تھا تو پھر یہ ہم کیسے مانیں، چھوڑیں اس بحث کو یہ تو طے ہو گیا کہ ساٹھ ہجری میں شیعیت تھی آپ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ حیدرآباد دکن سے شروع ہوئی شیعیت ایران سے شروع ہوئی شیعیت تو کم سے کم آپ نے یہ تو لکھ دیا کہ عرب میں ساٹھ ہجری میں شیعیت تھی تو ساٹھ ہجری میں یہ تو طے ہوا کہ مسلمانوں میں پوری دنیا میں آج جتنے بھی فرقے ہیں کوئی فرقہ نہیں تھا شیعہ تھے یعنی شیعہ اوّل قرار پائے اس لئے کہ تاریخ میں کسی اور کا نام نہیں ملتا سب کے نام بعد میں آئے اس لیئے کہ بعدِ کربلا جب دن گزریں گے اور جب پانچویں امام کا دَور آئے گا تو پہلے امام سے لیکر چوتھے امام تک آئیں گے پھر چھٹے امام کے شاگرد فقہ بنائیں گے تب فرقہ شروع ہوگا یعنی رسولؐ کی وفات کے بعد پچھتّر سال گزر جائیں پھر کہیں فقہ بنے گی، فرقہ منظم ہوگا پھر اُس کا نام رکھا جائے گا پھر فقہ رائج ہوگی۔ فقہ حنفی رائج ہوئی، عباسی عہد کے بعد جب ہلاکو خاں کے فرزند خدا بندہ کا دَور آیا تو اُس بادشاہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی بہت خوبصورت تھی بیوی اُس کی طلاق تو غصے میں دے دی پھر خیال آیا کہ یہ کیا کیا میں نے تو اس نے چاہا کہ میں پھر رجوع کرلوں تو مجتہد کو بلایا اُس نے کہا کہ اب کیا کریں تو مجتہد نے کہا کہ اب تو نہیں ہوسکتا چونکہ ہماری حنفی فقہ میں یہ ہے کہ آپ جب طلاق دے دیں تو وہ کسی اور سے عقد کرے پھر طلاق دے پھر آپ رجوع کریں اب جب تک چاہے وہ رکھے اب وہ اُس کی مرضی پر ہے جب وہ اپنی مرضی سے طلاق دے پھر آپ رجوع کریں کہا نہیں یہ تو نہیں ہوسکتا کہا کسی اور فقہ والے کو بلائیں کہا مالکی کو بلائیں انہیں بلایا اسی طرح سب کو بلایا ہر فقہ کا ماننے والا مجتہد آیا وہی جواب ملا تو بادشاہ نے کہا ہمیں یہ نہیں چاہیئے ہم تو براہِ راست رجوع کرنا چاہتے ہیں بھئی کوئی اور فقہ بھی ہے، کہا ہاں ایک ہے اس کے ماننے والے نجف میں رہتے ہیں کیا نام ہے کہا ایک ہیں

علامہ حلی بلواؤ اُن کو شاید وہ آپ کے لئے سہارا بن جائیں، آئے بڑا اہتمام ہوا اب ساری فقہیں جا چکیں، دربار میں قالین بچھے ہوئے تھے دُور دُور تک، تو علامہ حلی نے جو تیاں اُتار کر بغل میں دبالیں تمام فقہوں کے ماننے والے فیصلے کے انتظار میں بڑے بڑے علماء شرفاء نے علامہ حلی کی بغل میں جوتیوں کو دیکھا تو کہنے لگے ہائے یہ کون سا عالم ہے کسی نے کہا جوتیاں یہیں اُتار دیجئے، کہا نہیں جوتیاں چوری ہو جائیں گی، کہا یہاں اس دربار میں آپ کی جوتیاں کون چرائے گا، کہنے لگے آپ کو کیا پتہ یہ تو آپ کا دربار ہے بلکہ بزم رسولؐ میں جوتیاں چوری ہوتی تھیں، نبیؐ کے دربار میں جوتیاں چوری ہوتی تھیں، کہا یہ تو نئی بات سن رہے ہیں، وہاں کون چراتا تھا، کہنے لگے رسول اللہ ہی کی جوتیاں ایک بار چوری ہو گئیں، کہا وہ کس نے چرائی تھیں، کہا امام ابوحنیفہ نے، کہنے لگے یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ، نبیؐ کی وفات کے ایک سو برس کے بعد تو ابوحنیفہ کا دور آیا کہنے لگے تو میں پھر بھول گیا ہوں گا، امام مالک نے چرائی ہوں گی، کہنے لگے وہ تو نوے سال کے بعد پیدا ہوئے، کہنے لگے ہوسکتا ہے پھر احمد بن حنبل نے چرائی ہوں گی، کہنے لگے وہ تو حضور اکرمؐ کے ایک سو چونسٹھ سال کے بعد پیدا ہوئے، کہنے لگے تو پھر امام شافعی نے چرائی ہوں گی، کہنے لگے وہ تو ایک سو پچاس سال کے بعد پیدا ہوئے، تو میں یہی تو کہہ رہا ہوں کوئی ایک سو پچاس برس کے بعد پیدا ہوا، کوئی ایک سو چونسٹھ برس کے بعد پیدا ہوا، کوئی نوے برس کے بعد پیدا ہوا، کوئی ایک سو برس کے بعد پیدا ہوا، تو کہنے لگے یہی تو کہہ رہا ہوں، وہ کیسے فقہ نبی کی چلائے گا، نبی کی فقہ تو وہ چلائے گا جس نے نبیؐ کی زبان چوسی ہو، وہی فقہ لیکر آیا ہوں جس نے گود میں فقہ کو پایا، جو اُس کے سینے پہ سویا، جو اس کے بستر پہ سویا، جس نے علم کو نبیؐ سے براہِ راست لیا ہے جس کا نام علیؑ ہے وہ فقہ لایا ہوں تو بادشاہ نے کہا مسئلہ حل ہو گیا اب جب

فاطمینِ مصر کا دور آیا ابھی تو جب یہ صدیاں تمام ہوں گی تو پوری دنیا میں جو حکومتیں قائم ہوئیں فاطمینِ مصر کی ایران کی ہندوستان کی ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہوگا یہ دور اس طرح گزرتے رہے اب جب چھٹے امام کا دور آیا تو شیعیت مستحکم و منظم ہوئی اور وہ اس طرح کہ تدوین فقہ ہوئی سارے علوم آج جتنے بھی رائج ہیں اس وقت علوم کے جتنے طریقے رائج ہیں اور جتنے علم پوری دنیا میں پڑھائے جا رہے ہیں سب کا مرکز و منبع امام جعفر صادقؑ کا وہ مدرسہ تھا جو مدینے کی مسجد میں تھا، یعنی تعلیم کے جتنے طریقے بھی ہیں اس وقت وہ امام جعفرِ صادقؑ کے دیئے ہوئے ہیں، یہ ہم نہیں کہہ رہے ہیں نہ ہم اپنی کسی کتاب سے کہہ رہے ہیں یہ جرمنی میں تیئس ملک جس میں کنیڈا، فرانس، لندن، بلجیم، رومانیہ، بلغاریہ، ہر ملک کا سب سے بڑا دانشور یونیورسٹی سے لیا گیا اور تیئس دانشوروں کی کانفرنس ہوئی جن میں دو خواتین بھی تھیں اور اُن میں ڈسکس (discus) یہ ہوا کہ دنیا میں ہم صحیح تعلیمات رائج نہیں کر سکتے جب تک جعفر صادقؑ کے علوم کو نہ سمجھیں اس لیے ہم تیئس دانشوروں کا کام یہ ہے کہ پہلے امام جعفر صادقؑ کی سوانح حیات تیار کریں۔ سب نے مل کر مقالے لکھ کر ایک ضخیم کتاب لکھی جس کے بتیس ایڈیشن جرمن زبان میں چھپے اس سے فارسی میں ترجمہ ہوا اور اس سے اُردو میں صرف دو چیپٹر کا ترجمہ کراچی میں اُردو میں ہو سکا کتاب کو آپ پڑھیں تو حیران ہو جائیں گے کہ وہ اسکالر (scholar) کس کس راہ سے اُن علوم کو لینے کے لئے جعفر صادقؑ کی سوانح حیات تک پہنچے۔ کتاب کیا ہے کہ انسان علوم کی دنیا میں کھو جائے جب امریکہ اور یورپ یہ لکھے کہ زمین گردش کرتی ہے آفتاب کے گرد تو پہلی بار جعفر صادقؑ نے یہ بتایا جب انگریز سائنسدان یہ لکھے کہ ہائیڈروجن اور آکسیجن کی دریافت سب سے پہلے جعفر صادقؑ نے کی، اُس سائنسی تجربہ گاہ میں جو مسجد نبویؐ کے حجرے میں بنا ہوا تھا اور

اس طرح لکھنا کہ مصر والوں کو اس پر ناز تھا کہ ہم نظام شمسی کو پہچانتے ہیں تو وہ لکڑی کے برادے سے نظام شمسی بناتے تھے زمین کا کرہ بناتے تھے، آفتاب بناتے تھے، چاند، زہرہ، مشتری، زحل بنا کر ستارے سجا دیتے تھے، آسمان کا نقشہ اور وہ پہلا گلوب تھا جو مصر میں بنا، اُس عہد میں ایک چاہنے والا مصر سے چلا تو وہ خرید کر چلا کہ امام کا ایک بچہ بھی ہے، گیارہ سال کا نام اس کا جعفرؑ ہے اُس نے سوچا جب یہ میں تحفہ امام کے بچے کو دوں گا تو وہ خوش ہوں گے تو پہنچا امام محمد باقرؑ نے بچے کو آواز دی دیکھو بیٹا یہ تمہارے لیئے کیا تحفہ لایا ہے، تمہارا دوست دار تو سامنے آ کر کھڑے ہو گئے، غور سے دیکھا، کچھ دیر کے بعد اُس کُرے کو گھما کر کہا آفتاب کو یہاں ہونا چاہئے تھا، اس سیارے کو یہاں ہونا چاہئے تھا، اس سیارے کو یہاں ہونا چاہئے تھا، اس کی گردش یہاں سے یہاں تک ہوتی ہے اس کا سفر یہاں سے یہاں تک ہوتا ہے، پورا نظام شمسی چند سیکنڈوں میں سمجھا دیا وہ حیران تھا کہ جیسے ہم آسمانوں کی سیر کر رہے ہیں اور جن سیاروں کے نام نہیں تھے وہ تک بتا دیئے گیارہ سال کی عمر میں جس کا آسمانی علم ایسا ہو تو زمینی علم کیسا ہوگا کیوں نہ ہوتا اس کے جد نے کہا تھا کہ جس طرح ہم زمین کے راستوں سے واقف ہیں اُسی طرح ہم آسمان کے راستوں سے واقف ہیں پوچھو جو پوچھنا ہے ہم سے پوچھو اس کا پوتا ہے جو آسمان کے راستوں کو جانتا ہے، یہ علم اس طرح پروان چڑھا تو یہ کلاس فزکس (physics) کی ہے، یہ کیمسٹری (chemistry) کی ہے، یہ طب کی ہے یہ فلسفے کی ہے، یہ ادب کی ہے، یہ منطق کی ہے اور دورہ ہے ادھر یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ طبیب دوائیں کون سی بنا رہا ہے یہ طبیب ہندی ہے، وہاں جا کر بیٹھ گئے ابھی ہندو ہے کلمہ نہیں پڑھا یہاں جبراً اسلام قبول نہیں کروایا جاتا یہاں زبردستی نہیں ہے یہاں جبر نہیں ہوگا کہ مسلمان بنو اور ہماری یونیورسٹی میں آؤ، رواداری یعنی جعفرؑ صادق نے فقہ کا

درس جاری کر کے یہ نہیں کہا کہ صرف ہمیں مولوی بنانے ہیں، انسان بنانے ہیں یہاں سے انسان نکلیں گے مولوی نہیں نکلیں گے، اگر ایسا ہوتا تو اس یونیورسٹی میں صرف فقہ پڑھائی جارہی ہوتی، فقہ بھی ایک شعبہ ہے اب اسی شعبہ کو تم جنونی بنالو اور قوم پر مسلط کردو چند بنے ہیں تو کیا ہورہا ہے اگر پوری قوم مولوی بن گئی تو کیا ہوگا، اتنے فرقے بن گئے ہیں شیعوں میں کہ کیا بتاؤں، اس لیئے جعفر صادقؑ نے بتایا کہ یہاں مذہب کی تعلیم میں دنیا کا ہر علم سیکھو نہ معلوم زندگی کے کس موڑ پر کون سا علم تمہارے کام آجائے اس لیے کہ فقہ جہاز کے پرزے نہیں بناتی، فقہ ستاروں تک نہیں پہنچاتی، آسمانوں تک نہیں پہنچاتی، وہ اخلاقیات سکھاتی ہے اور وہ ابتدائی سبق ہوتا ہے اور وہ سبق صرف ماں اور باپ سکھایا کرتے ہیں، کالجوں، اسکولوں کا علم نہیں ہے، بچوں کو ماں باپ بچپن میں یہ سب چیزیں سکھاتے ہیں، تیس برس کے ہوگئے غسل کرنا نہیں آیا اب بتائیں، تیس برس تک کیا کرتے رہے، وضو کرنا نہیں آتا، اب پچاس برس کی عمر میں وضو کرنا سیکھیں گے تو بچپن میں کیا کررہے تھے نہیں بھائی یہ نہیں ہوتا یہ چیزیں بچپنے میں سکھائی جاتی ہیں، جو مدرسہ جعفر صادقؑ نے بنایا تھا جس کو پی۔ایچ۔ڈی (Ph.D) کی کلاسز کہتے ہیں مجلس اس کا نام ہے یہاں بی اے (B.A) ایم اے (M.A) کی تعلیم ہوتی ہے یہاں پرائمری کلاسز (primary clases) کی تعلیم نہیں ہوتی جابر ابن حیان جیسا شاگرد نکلے جو سائنس کا امام یورپ میں کہلاتا ہے، صرف ایک شاگرد ایسا بنا کہ یورپ والوں کا سائنس کا امام بنا ہوا ہے تو کیسے کیسے شاگرد ہوں گے طبیب ہندی کے پاس جائیں ایک طرف دوائیں بھی بنیں، تھیسس (theses) پر ریسرچ (research) اور مقالے بھی لکھوائے جائیں اور انعامات بھی مقرر ہوں موضوع دیا گیا ہے مقالہ لکھ کر لاؤ اس پر انعام دیں گے اکیڈمی (academy) بنائی صرف

دینی مدرسہ ہی نہیں کھولا تھا ہمارے پاس ہر علم موجود ہے، طبیب ہندی کے قریب پہنچے، کہا طبیب ہندی کیا کوٹ رہے ہو کہا ہلیلے کا بیج کہا یہ بتاؤ یہ بیج کہاں سے آیا کہا درخت سے آیا درخت کہاں سے آیا تھا کہا وہ بیج سے نکلا تھا کہا وہ بیج کہاں سے آیا ہفتوں سے بحث چل رہی ہے کہ کلمہ نہیں پڑھتا جبر نہیں ہوتا دعوت فکر دی جاتی ہے اپنا کام کرتا رہ اس میں خلل نہیں ہوگا، یہ نہیں ہوگا، یہ کام چھوڑ کر قرآن پڑھ کر توحید سمجھائی جائے گی، کہاں سے آیا درخت کہا بیج سے کہیں تو رُکے گا وہ تو کوٹنے میں مست تھا وہ تو کہتا جارہا تھا درخت بیج سے، بیج درخت سے، امام بھی مسکراتے جارہے تھے کہا یہ بتا کہ درخت پہلے کہ بیج پہلے کہا میرا ذہن کہتا ہے کہ بیج پہلے تو یہ بتا کہ وہ بیج کہاں سے آیا اب چکرا گیا، کہنے لگا میرا خیال یہ ہے کہ زمین میں جو قدرتی مادے تھے وہ بکھرے ہوئے تھے کسی طاقت نے اُس کو اکٹھا کیا تب وہ ملے تو بیج بنا، امام نے کہا کہ انہیں کس نے اکٹھا کیا مادوں کو، کہا کوئی طاقت تھی جس نے اکٹھا کیا، کہا اُسی طاقت کا نام ہی تو خدا ہے، اُسی طاقت کو خدا کہتے ہیں۔

آج کلمہ پڑھا آج توحید کو سمجھا جو علوم کو پلک جھپکنے میں یوں سمجھائے کہ ہلیلے کے بیج سے توحید کا سبق پڑھائے ایسا مدرسہ بنایا تھا، ایسا کالج بنایا تھا، امام نے تاریخ بڑھتی ہوئی یہاں تک پہنچی بڑا ناز ہے آپ کو کہ ہم بڑے پیسے والے ہیں ہمارے یہاں بڑے دولت مند ہیں ۴۰ سال کی تاریخ میں پاکستان میں اگر کوئی کالج تاریخِ شیعیت میں بنا ہو تو اُس کا نام بتاؤ، مسجدیں بنائیں امام باڑے بنائے ایک آغا خان کہتے ہیں امام کا بڑا بیٹا اسمٰعیل مر گیا تو فرقہ بن گیا اسماعیلیہ اُن لوگوں کے یہ امام اور زندہ ہیں حالانکہ اقلیت میں فرقہ چلا لیکن آپ کے پاکستان میں آغا خان جیسا ہسپتال بن جائے اتنے کالج بن جائیں یونیورسٹی بن جائے کتنے اسکول بن جائیں آپ کو بڑا ناز ہے اپنے

اوپر کیا بنایا آپ نے تو یہی کہتا ہوں کہ اگر ان تقریروں کا یہ فائدہ نہیں ہے تو یہ سب بے کار ہے ہم یہی سوال کرنے بیٹھے ہوئے ہیں یہاں ہمارا مقصد مجلسیں پڑھنے کا یہی ہے ہم پوری قوم سے یہ سوال کرتے ہیں بار بار کہ کیا کیا تم نے اب تک ائمہؑ کی حیات سن سن کر نکتوں پر جھومنے والے یہ بتاؤ کیا کیا تم نے قوم کے لیئے، کوئی شفا خانہ، کوئی ہسپتال، کوئی اسکول، کوئی کالج کچھ بھی نہیں ہے اور اگر یہی ناز ہے کہ ہم بڑے دولت مند ہیں اتنے امام باڑے بنا دیئے اتنی مسجدیں بنا دیں جاؤ جا کر پوچھو کہ کسی پیش امام کو آٹھ سو روپے سے زیادہ ملتے ہیں، کہاں ہے پیسے والی قوم وہ جو نماز پڑھاتا ہے پانچ وقت وہ آٹھ سو روپے سے زیادہ نہیں پاتا، جا کر گلشن کی مسجد سے پوچھ لیجئے کہ ایک کمرے میں کس طرح پوری فیملی (family) رہ رہی ہے اور ہر مسجد کا یہی عالم ہے اور ہر پیش امام فاقے کر رہا ہے جس قوم کے نماز پڑھانے والے مجلس پڑھنے والے فاقے کر رہے ہوں وہ قوم کیسے خوشحال کہی جائے گی میرے سمجھ میں نہیں آتا مان لو نا کہ پہلے بھی قوم غریب تھی اور آج بھی قوم غریب ہے، اس سے کیوں انکار ہے، غربت کو کیوں نہیں مانتے کہ ہم غریب ہیں اور جو دولت مند ہیں اور جنہوں نے اپنی دولت کے انبار چھپا کر رکھے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں، وہ تاریخِ شیعیت کا حصہ نہیں ہیں، کبھی بھی نہیں تھے، امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں نوکر آیا اُس نے کہا بازار میں گیہوں مہنگا ہو گیا ہے، کہا پھر کیا ہوا، کہا بازار سے سارا اناج غائب ہو گیا ہے، کہا حجرے کھولو، توشہ خانے کھولو، ہمارے گھر کے سارے کمرے کھولو، جو گیہوں ہماری زراعت کے رکھے ہیں ہمارے کمروں میں اُس وقت امام جعفر صادقؑ کھڑے ہو گئے دروازے کھول دو کہا گنو کتنی بوریاں ہیں، کہا یہ سال بھر کا ہے، کہا اِسی وقت اٹھاؤ غریبوں میں تقسیم کر دو لوگ بھوکوں نہ مریں جس حساب میں اناج بک رہا ہے اُسی حساب میں تول کر بیچ دو

غریبوں میں ذخیرہ نہیں رکھا جائے گا جب بازار سے گندم غائب ہو جائے، رزق چوری کرنے والا، سمگلنگ کے لئے لے جائے تو امام بتاتے ہیں یہ گندم غریبوں کے لیے رکھا ہے تا کہ اکثریت فاقے سے نہ مرے، وہ کیسے ہیں آپ کی قوم کے سرمایہ دار جن کی ملوں پر ملیں لگتی چلی جا رہی ہیں، انڈسٹریز بھی لگ رہی ہیں، اس طریقے سے کہ بھائی کے نام پر، بھتیجے کے نام پر، سالی کے نام پر، سالے کے نام پر، اور لگتی چلی جا رہی ہیں، ملیں لگتی چلی جا رہی ہیں، اگر قوم کٹ بھی رہی ہے تو اس کی پرواہ نہیں کہ جا کر رکوا دیں، کیونکہ اگر یہ کہہ دیا تو انڈسٹریز لگنی بند ہو جائیں گی، کاش قوم کو یہ معلوم ہوتا کہ کتنے زر خرید غلام وہ ہیں جو منبروں پر ان کے غلام ہیں کاش تمہیں معلوم ہوتا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ ہمارے ہیرو ہیں وہ تمہارے ہیرو ان غلاموں کے غلام ہیں تمہاری ہمدردی کسی کو نہیں ہے یہ یاد رکھنا تمہارے بیٹے اگر نوکریوں کے لیے پریشان ہیں تو کوئی نہیں دلائے گا تمہارے بیٹے کی اگر تعلیم کامل نہیں ہو رہی ہے تو کوئی آ کر نہیں پوچھے گا تم ہمدردیاں کرتے رہو اس لیے کرتے رہو کہ تاریخِ شیعیت یہی رہی ہے کہ جس نے جس کو کاندھے پر چڑھایا ہے پہلے وہ ڈوبا ہے، اٹھائیس سال کی عمر میں امام حسن عسکریؑ دنیا سے گئے، کم سن امام پردے میں گیا نائب کا دور آیا آخری نائب حسینؒ ابن روح پیغام و سلام چلتے رہے فتوے پوچھے جاتے رہے یہاں تک وہ آخری خلیفہ وقت جو ٹکرا گیا نصیر الدین طوسی سے تم نے کتاب لکھی ہے بس یہ تقریر کے آخری جملے تم نے کتاب لکھی ہے آلِ محمدؐ کے لیے کہا ہاں دکھاؤ چمڑے پر لکھنے کا دستور تھا، دکھاؤ چمڑے کے وہ ٹکڑے جن پر کتاب لکھی ہے یہ ہے کتاب، دجلہ کے کنارے، قصر کے بام پر موجود ہے، زینہ پر نصیر الدین طوسی کھڑے ہیں، خلیفہ کہتا ہے یہ بتاؤ تم طوس کے رہنے والے ہو کہا ہاں میں طوس کا رہنے والا ہوں گاوانِ طوس میں سے ہو یا خرانِ طوس میں سے،

طوس کے گدھوں میں سے ہو یا طوس کی گایوں میں سے کہا طوس کی گایوں میں سے دیکھا چہرہ کہا یہ کتاب اگر ہم تمہاری دجلہ کی لہروں کے حوالے کر دیں کہا ہاں تیرا اختیار ہے اچھا تو کہا پھر دیکھو کتاب پھینک دی کہا تمہاری محنت ہم نے ضائع کر دی تم نے دیکھا جب یہ تمہاری کتاب دجلہ کی لہروں پر گری آواز کتنی اچھی آئی کانوں کو بھلی لگی، کہا اس آواز کو بھولنا مت، شاہی اور ملوکیت جب بھی ٹکرائی ہے یہی بتایا ہے کہ خاموشی سے کام کرتے رہنا اور ہے لیکن جب ہم کو مجبور کیا جائے تو پھر ہم اس رنگ میں بھی آتے ہیں ہم انقلاب بن جاتے ہیں یاد رکھنا اُس آواز کو وہ آواز خون کے دریا میں لاش گرنے کی آواز، وہ آواز اب وہ سنے گا جب تک اس آواز کو یاد رکھنا یہ کہہ کر چلے۔ علم نجوم کے ماہر تھے گھر آئے، علم رمل سے واقف، علم جفر پر عبور آ کر زائچہ بنایا، زائچہ بنا کر پوچھا عباسی خلیفہ اپنی موت مرے گا یا کوئی مارے گا، زائچے نے کہا اپنی موت نہیں مرے گا، قتل کیا جائے گا، پھر زائچہ بنایا قاتل پیدا ہو چکا یا پیدا ہوگا، قاتل پیدا ہو چکا، پھر زائچہ بنایا کس ملک میں ہے، زائچے نے بتایا کہ منگول میں ہے اب زائچہ بناتے چلے سفر کرتے چلے زائچہ تیر بنا بنا کے اشارے کرتا چلا اُسی طرف چلے، اُس صحرا کی طرف جاؤ، اس راستے کی طرف جاؤ، اُس منزل کی طرف جاؤ، منزل تک پہنچے زائچے نے سامنے جھونپڑی کی طرف اشارہ کیا، رُک گئے صحرا تھا اور فقط وہ جھونپڑی، رُکے پھر زائچہ بنایا کیا اس کا قاتل یہاں مل جائے گا، زائچے نے کہا ہاں، پہنچے جھونپڑی میں، دیکھا ایک بوڑھی عورت بیٹھی ہے، بہت ضعیف سی اور ایک بکری بندھی ہے، بڑھیا کو دیکھا اور اُس سے کہنے لگے، بڑی بی تم یہاں اکیلی رہتی ہو اس صحرا میں، اس جنگل میں کہا ہاں میں اکیلی رہتی ہوں اور کون ہے تمہارے ساتھ کہتی ہے میرا پوتا میرے ساتھ رہتا ہے، کہاں ہے وہ شکار کھیلنے گیا ہے میرا گیارہ سال کا پوتا ہے کیا نام ہے تمہارے پوتے کا، میرا پوتا

ہلاکو خان، کہاں ہے، کہا ابھی آتا ہوگا۔ نصیر الدین طوسی بیٹھ گئے دیکھا گیارہ برس کا لڑکا ایک شیر کو مارے اپنے کاندھے پر لادے ہوئے چلا آ رہا ہے۔ اُٹھ کے کھڑے ہو گئے، کہا خوب ہے قاتل زائچہ نے خوب بتایا ہے۔ بڑا بہادر قاتل ہے علم رَمل علم اعداد جانتے ہیں خوب باتیں کیں سمجھایا علوم سکھائے اور کہا سردار بنو سردار کیا تم لٹیرے بنے ہوئے ہو آس پاس کے قبیلوں کو فتح کر لو اور سردار بنو اور اپنی دھاک بٹھاؤ سارے قبیلوں کو نصیر الدین طوسی نے ہلاکو خان کے زیرنگیں کر دیا اور کہا منگول کو فتح کر لو، آگے بڑھو تر کی فتح کرو۔ ایران فتح کرو آگے بڑھتے جاؤ، یہاں تک کہ افغانستان سے ہوتا ہوا ہلاکو بغداد کی سرحد تک پہنچ گیا جب بغداد کی سرحد آ گئی تو کہا سنو کچھ پتہ ہے تم پر اتنی محنت کیوں کی تھی کہا کیوں استاد کہا ایک کام دینا ہے کام یہ ہے کہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دو کہا استاد تم بھی چلو گے کہا میں یہاں ٹھہرا ہوا ہوں جب تک کہ بغداد کی سڑکوں پر تیرے گھوڑے کے گھٹنے لہو میں نہ ڈوب جائیں، میں تب تک نہیں آؤں گا کہا ایسا ہی ہوگا۔ بغداد میں عباسیوں کے لشکر کو تہہ تیغ کرتا ہوا آگے بڑھا، مارا عباسیوں کو مارا ہلاکو نے اب بتاؤ ابتر تاریخ میں کیسے بنتے جاتے ہیں ہلاکو نے تہہ تیغ کر دیا اور جب کوئی کہتا استاد کو بلائیں کہتا جھک کے ابھی تو لہو یہیں تک ہے لہو کا دریا گھوڑے کے گھٹنے تک آنے دو پھر بلانا یہاں تک کہ بغداد کی سڑکیں لہو سے لبریز ہو گئیں کہا لاؤ استاد کو خلیفہ وقت کو پکڑ کر بلایا گیا۔ کہا تھا، نصیر الدین طوسی نے جب تک میں نہ آ جاؤں قتل نہیں کرنا پہنچ گئے نصیر الدین طوسی نے کہا دجلہ میں وہ کتاب جو میں نے آل محمدؐ کے لئے لکھی تھی تو نے پھینک دی اس کی آواز تجھے پسند آئے گی ابھی جب تیرے ٹکڑے کر کے دریا میں پھینکا جائے گا تو وہ آواز میں سنوں گا۔ تم نے دیکھا کیسے بغداد تاراج ہوا کیسے عباسیوں کا خاتمہ ہوا؟ اگر آلِ محمدؐ کے دیوانوں سے کوئی ٹکرا جائے تو اِس کا انجام

ایسا ہو جاتا ہے، نصیر الدین طوسی نے قتل کروادیا ہلا کو تخت نشین ہوا دادی بھی ساتھ آئی تھی ہلاکو کی دادی بھی ساتھ آئی تھی۔ چند مہینوں کے بعد دادی مر گئی، اب وہ علماء جو بچے کُھچے باقیات تھے عباسیوں کے، وہ اِس فکر میں تھے کہ نصیر الدین طوسی کو قتل کروایا جائے تا کہ ہم سرکاری مُلّا بن سکیں دَرباری ملاّ بن سکیں۔ یہی ہے جو ہر وقت پہلو میں بیٹھا رہتا ہے کہا اچھا ٹھیک ہے مر گیا چنگیز اب اُس کی بیوی بھی مر گئی۔ علماء آئے اور کہا ہلاکو خاں بڑا افسوس ہوا کہ تمہاری دادی مر گئی، افسوس کی بات ہے لیکن تمہیں پتہ ہے کہ جب کوئی مسلمان مر کر قبر میں جاتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں اور وہ مردے کو اُٹھا کر بٹھا دیتے ہیں سوال جواب کرتے ہیں اور جو سوال اور جواب ہوتا ہے وہ عربی میں ہوتا ہے اور تمہاری دادی کو عربی نہیں آتی تھی اگر وہ جواب نہیں دے سکیں تو جہنم میں جائیں گی، ہلاکو خان نے کہا پھر کیا کیا جائے، عباسی علماء نے کہا جس کو عربی نہیں آتی اسلام میں قاعدہ یہ ہے کہ کسی عربی داں کو بھیجا جاتا ہے قبر میں کہا تو تم میں سے کوئی چلا جائے قبر میں دفن ہو جائے کہا ہم لوگوں کو ایسی عربی کہاں آتی ہے، بہتر یہ ہے کہ خواجہ نصیر الدین طوسی کو اپنی دادی کے ساتھ قبر میں بھجوا دیجئے۔ کہا یہ بہت اچھا بتایا تم نے بلوایا کہا استاد بڑی خدمت کی اور آپ نے بڑا ساتھ دیا اب ایک آخری خدمت ہے کہا کیا ہوا کہا میری دادی کے ساتھ دفن ہو جایئے۔ کہا میں چلا تو جاؤں مگر ہلاکو بات یہ ہے کہ ایک دن تجھ کو بھی تو مرنا ہے کہا ہاں پھر کہا جب تو جائے گا تو تیرے ساتھ کون جائے گا استاد تو تیرا میں ہوں کہا پھر کیا کروں کہا جنہوں نے میرے بارے میں کہا اِن سب کو دادی کے ساتھ بھیج میں تیرے ساتھ چلوں گا، زندہ گڑوادیا دادی کے ساتھ۔

ہلاکو خان ایک جابر اور سفاک بادشاہ تھا۔ ہوس ملک گیری اور کثرتِ فتوحات کے لئے اس نے کئی ملک برباد کئے اور خون کی ندیاں بہائیں۔ لیکن اس کے ماتحت جتنے

ملک تھے مذہبی حیثیت سے آزاد تھے۔اس نے کسی مذہب پر تشدد نہیں کیا۔اسے اپنی سلطنت کی وسعت اور غلبہ اور جبر وقہر کی خواہش تھی۔وہ شہر امان میں رہا جس نے اس کی یلغار کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور بغیر چوں چرا اس کی حکومت تسلیم کر کے جان ومال کی امان مانگی،جس شہر نے مقابلہ کیا،جنگ کی آگ نے اسے خاکستر میں تبدیل کر دیا،تاتاریوں کے منگول قبیلہ کی لڑائیاں مذہبی اساس پر نہ تھیں بلکہ ہوسِ فتوحات کے تحت تھیں۔اس واسطے عراق کے مقدس مقامات اس کے تباہ کن حملوں سے محفوظ رہے جب کہ وہاں کے لوگوں نے حکمت عملی سے کام لے کر مقابلہ سے گریز کیا۔

خود ہلاکو خان نے کسی مذہب سے تعرض نہیں کیا۔اس کے بیٹے اباقا کے عہد میں عطاء الملک جوینی نے فرات سے ایک نہر کھدوائی نجف اشرف کی سیرابی کے لئے چونکہ نجف کی زمین عام سطح سے بلند تھی اس پائپ لائن کے ذریعہ نہر کا پانی نجف میں رجب ۶۷۲ھ میں پہنچایا گیا۔منگولی بادشاہوں میں سے چار حکمرانوں نے اسلام قبول کیا ہے۔

(۱) تکودار بن ہلاکو المعروف احمد (۲) غازان بن ارغون بن بغا بن ہلاکو،غازان محمود کے نام سے بھی مشہور ہے (۳) نیغولادس غازان کا بھائی جو محمد خدا بندہ کے نام سے مشہور ہے (۴) قاآن بہادر خان ابوسعید بن محمد خدا بندہ۔

احمد کی مدتِ سلطنت قلیل ہے۔جب غازان محمود سریر حکومت پر متمکن ہوا تو اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ اس کا لشکر بھی ایک لاکھ سے زائد تعداد میں مسلمان ہو گیا۔کیا وہ شیعہ بھی تھا؟اس کا کوئی یقینی ثبوت نہیں البتہ اس کی کارگزاریاں اس کے محبِ اہلِ بیتؑ ہونے کا ثبوت دیتی ہیں۔مثلاً ۶۹۶ھ میں غازان جب عراق آیا تو نجف اشرف گیا اور ضریح مبارک جناب امیر المومنین کی زیارت کی اور اولادِ علیؑ کو بہت سا مال تقسیم کیا۔پھر کربلا معلیٰ گیا اور ضریح پاک جناب سید الشہداءؑ کی زیارت سے

مشرف ہوا اور سادات کرام کو کربلا میں تحفے دیئے اور ۶۹۸ ھ میں جب عراق آیا تو اسی طریقہ پر کار بند رہا۔

نیز ۶۹۶ ھ میں بغداد میں آلِ رسولؐ کے واسطے مہمان خانے تعمیر کرائے جن کا نام ''دُوَرُ السّیادۃ'' رکھا اور ان کے ساتھ جاگیریں وقف کیں اور اولادِ رسولؐ کی مالی امداد بھی کرتا رہا۔ اس کے علاوہ اس نے تین نہریں کھدوائیں جن میں سے ایک نہر کربلا کی سیرابی کے لئے تھی۔ یہ امور اس کی شیعیت اور ولائے اہلِ بیتؑ پر دلالت کرتے ہیں۔

نیفولادس المعروف محمد خدا بندہ یہ اسلام کے بعد ملت ابوحنیفہ پر قائم ہو گیا جب نظام الدین عبدالملک شافعی اس کے پاس پہنچا اور یہ اہلِ سنت میں عالم دوراں تھا تو اس کو اپنے تمام ممالک میں قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ سلطان کی موجودگی میں یہ شخص علماء حنفیہ کے ساتھ مناظرے کرتا اور ان کو مغلوب کر دیتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان محمد خدا بندہ حنفی مذہب سے عدول کر کے شافی مسلک کا پابند ہو گیا۔ لیکن حنفی اور شافعی علماء کے مناظروں سے ایک چیز اسے کھٹکی اور اچھی نہ لگی وہ ان کی رائے اور قیاس پر فتاویٰ کی بنیاد تھی۔ گو اس نے شافعی مذہب اختیار کر لیا تھا مگر اس پر مطمئن نہ تھا۔ اس کے دل میں خلش رہتی اور مذہب کے بارے میں بے چینی اور مایوسی اس پر مسلط رہتی۔ اس کے مقربین امراء میں سے ایک امیر طرمطار بن نجو بخشی شیعہ تھا وہ اس کو مذہبِ اہلِ بیتؑ کی خوبیوں سے مطلع کرتا رہتا تھا اور مذہب آلِ رسولؐ مذہب امامیہ قبول کرنے کی دعوت دیتا رہتا۔

اتفاق سے ایک دن سید تاج الآوی امامی ایک شیعہ جماعت کے ساتھ بادشاہ کے پاس وارد ہوا۔ بادشاہ نے قاضی نظام الدین کو بلوایا اور بادشاہ کے سامنے قاضی اور سید تاج کے مابین مناظرے ہوتے رہے کچھ دنوں بعد بادشاہ عراق گیا اور روضہ پاک امیر المومنین کی زیارت کی۔ حرم کی رونق، علمائے کرام کے درس و تدریس اور تبلیغ

مذہب کی خدمات دیکھیں اور مذہب امامیہ کی شان وشوکت ملاحظہ کی تو کسی قدر متاثر ہوا۔ واپس آیا تو اپنے امراء اور ہم نشینوں سے اپنے مشاہدات کا ذکر کیا۔ بعض امیروں نے اسے شیعہ مذہب قبول کرنے کی رائے دی۔ اس نے شیعہ علماء کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ پس جناب علامہ حلّی بلائے گئے۔

پھر بادشاہ مذکور نے قاضی القضاۃ نظام الدین کو علامہ حلی سے مناظرہ کرنے کے لئے کہا، ایک مجلس تیار کی گئی جو علماء وفضلاء سے بھری ہوئی تھی۔ خلافت کے موضوع پر فریقین میں مناظرہ ہوا اور بادشاہ خود مناظرہ کو سنتا رہا۔ تاریخ شاہد ہے کہ علامہ حلّی کے دلائل کا جواب قاضی نظام الدین نہ دے سکا۔ میدانِ مناظرہ علامہ حلّی کے ہاتھ رہا اور قاضی مذکور شکست کھا گیا۔ اسی وقت بادشاہ شیعہ ہو گیا۔ اس کی تقلید میں لشکر اور اہلِ مملکت نے اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کر دیا بادشاہ محمد خدا بندہ نے مذہب شیعہ کے مراسم اور احکامات مملکت میں جاری کر دیئے اور جنابِ سیّد تاج الآوی امامی کو نقیب الممالک بنا دیا، یہ مناظرہ ایران میں شیعہ مذہب کے ارتقاء کا باعث ہوا۔

محمد خدا بندہ کا بیٹا ابو سعید بہادر خان مملکت کی باگ ڈور سنبھالتے وقت ہی مذہب شیعہ پر کاربند تھا۔ اس دور میں شیعہ علماء وفضلا بکثرت پیدا ہوئے آلِ سید جناب ابوالقاسم صاحب شرائع الاسلام، علامہ حلّی مرحوم ان کے فرزند فاضل اجل مجد الدین شریف رضی الدین، غیاث الدین یہ سب منگولوں کے دور میں علماء عصر گزرے ہیں۔ خود ہلاکو کے زمانہ میں نصیر الدین طوسی وزارت کے منصب پر فائز رہے۔ منگول خاندان کے اسلامی حکمرانوں کے زمانہ میں شیعہ ایران میں برابر ترقی کرتے رہے۔ آخری مسلم حکمران ابوسعید بہادر خان کی موت کے ساتھ منگولی حکمرانوں کا خاتمہ ہو گیا۔

ایران کے شیعہ مختلف بادشاہوں کے عہد میں ہندوستان آتے رہے اور بڑے

بڑے منصب اور عہدوں پر فائض ہوے اودھ کے حکمراں بھی نیشا پوری موسوی سادات تھے جو ایران سے آئے تھے۔

اودھ کے حکمرانوں نے عزاداری کو فروغ دیا، عزاداری کے فروغ کے ساتھ ساتھ اردو مرثیہ نگاری کی قدر و قیمت بڑھ گئی۔ اردو کو عظیم شاعر مرثیہ نگاروں کی صورت میں ملے اس طرح اردو کو ارتقاء نصیب ہوا۔ میر ضاحکؒ اور میر حسنؒ، میر خلیقؒ اپنے اپنے عہد کے عظیم شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس خاندان سے میر انیسؒ جیسا عظیم شاعر اردو کو نصیب ہوا۔

میر انیسؒ کا کلام اردو زبان کی معراج ہے، ہم آج بھی اُن کے کلام کو اُسی طرح پڑھتے ہیں جیسے یہ آج ہی کی زبان ہو، میر انیسؒ کے شاہکار مرثیوں میں ایک مرثیہ حضرت علی اکبرؑ کے حال میں لاجواب مرثیہ ہے:-

"دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر"

اِس مرثیے میں میر انیسؒ نے حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کا بیان نہایت پُر درد انداز میں کیا ہے:-

لڑتے تھے پیشانئ انور پہ لگا تیر سب خوں سے بھری احمدؐ مختار کی تصویر
لکھا ہے کمیں میں تھا کوئی ظالم بے پیر برچھی جو لگی سینے میں حالت ہوئی تغیر

اللہ ری شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا
پھل اس نے جو کھینچا تو کلیجہ نکل آیا

ٹکڑے جو بہے خوں کے دریڑوں میں جگر کے غش ہو گئے سر گردن رہوار پہ دھر کے
نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں ٹکڑے ہوے سر کے

تلواریں تھیں یا آپ تھے یا سر پہ خدا تھا
جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

جس وقت ہوا دینے لگا زخم جگر کا سینے میں رُکا آ کے دم اس رشک قمر کا
گرتے ہوئے گھوڑے پہ خیال آیا پدر کا چلاّئے کہ اب کُوچ ہے دنیا سے پسر کا
بے کس کی مسافر کی مدد کیجئے بابا
اپنے علی اکبرؑ کی مدد کیجئے بابا

بیٹے کی صدا سُن کے ہوا صدمہ جانکاہ اک ہوک کلیجے میں اُٹھی بیٹھ گئے شاہ
معلوم ہوا جان چلی آہ کے ہمراہ دل تھام کے ہاتھوں سے کہا یا اسداللہ
ماں باپ کے جینے کا مزا لے گئے بیٹا
عہدہ جو تمہارا تھا ہمیں دے گئے بیٹا

چلاّئے بتاؤ علی اکبرؑ کدھر آئیں ڈھونڈیں تمہیں اس بحر میں یا سُوئے بر آئیں
بیتاب ہے دل قلب میں لشکر کے در آئیں تم آ نہیں سکتے تو ہمیں لاش پر لائیں
رنگ اُڑ گیا تھا گیسوؤں پر گرد جمی تھی
تیورا کے جو سنبھلے تو بصارت میں کمی تھی

بیٹا ہمیں پھر یا ابتا کہہ کے پکارو مظلوم غریب الغربا کہہ کے پکارو
ناشاد گرفتارِ بلا کہہ کے پکارو لب تشنہ و مجروح جفا کہہ کے پکارو
جو وقت معین ہے وہ ہرگز نہ ٹلے گا
خنجر مری گردن پہ اسی طرح چلے گا

مہرو علی اکبرؑ علی اکبرؑ علی اکبرؑ دل جُو علی اکبرؑ علی اکبرؑ علی اکبرؑ
گل رُو علی اکبرؑ علی اکبرؑ علی اکبرؑ خوش خُو علی اکبرؑ علی اکبرؑ علی اکبرؑ
اس عمر کا پودا کوئی بے برگ نہ ہووے
تجھ سا کوئی دنیا میں جوانمرگ نہ ہووے

اٹھارواں یہ سال یہ غربت یہ جوانی   یہ شان یہ اقبال یہ شوکت یہ جوانی
دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت یہ جوانی   یوں خاک ہوئی ہائے یہ صورت یہ جوانی

کس درجہ مشابہ تھے رسولؐ عربی سے
گویا کہ حسینؑ آج بچھڑتا ہے نبیؐ سے

لے آئی جو بیتابیٔ دل لاشِ پسر پر   جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخم جگر پر
اک تیر لگا قلبِ شہِ جن و بشر پر   سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر

اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

ہونٹوں پہ زباں رُخ پہ عرق خاک پہ گیسو   پتھرائی ہوئی آنکھ کٹے تیغوں سے ابرو
گردن تو کج اور حلق پہ اک تیر سہ پہلو   چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو

یہ زیرِ لب آواز کہ آقا نہیں آئے
نزدیک اجل آ گئی بابا نہیں آئے

اے دردِ جگر تھم کہ شہ بحر و بر آلیں   اے جان نہ گھبرا شہؑ جن و بشر آلیں
اے روح توقف شہ والا ادھر آلیں   اے موت ٹھہر جا پدر آلیں پدر آلیں

ارمانِ دلِ زار پسر ہوش میں نکلے
حسرت ہے کہ دم باپ کی آغوش میں نکلے

چلاّئے شہ دیں علی اکبرؑ پدر آیا   اُٹھو مرے پیارے مرے دلبر پدر آیا
تم ڈھونڈتے تھے اے مہِ انور پدر آیا   ناشاد پدر بے کس و بے پر پدر آیا

کچھ دل کی کہو بات کرو ہوش میں آؤ
صدقے پدر آؤ مرے آغوش میں آؤ

منھ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالوں   گر درد نہ ہو ہاتھوں کو بازو سے سنبھالوں
گرتا ہے پہاڑ اس کو میں کس طرح سے ٹالوں   مرتے اسے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں

بہہ بہہ کے لہو میں جگر آتا ہے تمہارا
سینے سے کلیجہ نظر آتا ہے تمہارا

کچھ منھ سے تو بولو علی اکبرؑ علی اکبرؑ   آنکھوں کو تو کھولو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
رخصت بھی تو ہو لو علی اکبرؑ علی اکبرؑ   لو باپ کو رو لو علی اکبرؑ علی اکبرؑ

دولھا بھی اس آرام سے سوتے نہیں بیٹا
ہم روتے ہیں اور تم ہمیں روتے نہیں بیٹا

ہم آئے ہیں لو پاس ہمارا کرو بیٹا   اک آن کی تکلیف گوارا کرو بیٹا
کچھ کچھ تو مرے درد کا چارہ کرو بیٹا   بولا نہیں جاتا تو اشارہ کرو بیٹا

حوریں تمھیں گھیرے ہیں کہ مہمان نئے ہو
باتیں ہیں یہ کس سے کہ ہمیں بھول گئے ہو

غش میں جو سنی باپ کی آواز پسر نے   بس ہاتھوں کو پھیلا دیا اس رشکِ قمر نے
لپٹا لیا چھاتی سے شہِ جن و بشر نے   منھ کھول کے دکھلائی زباں تشنہ جگر نے

فرمایا کہ قطرہ مرے جانی نہیں ملتا
مجبور ہوں اکبرؑ مجھے پانی نہیں ملتا

کی عرض علی آئے ہیں یا شاہِ خوش انجام   ہاتھوں میں ہیں کوثر کے چھلکتے ہوئے دو جام
اک جام مجھے دے کے بصد شفقت و انعام   فرماتے ہیں پی لے اسے اے اکبرؑ گلفام

میں کہتا ہوں مجروح ہوں آوارہ وطن ہوں
دونوں مجھے دیجیے کہ بہت تشنہ دہن ہوں

اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ فرماتے ہیں حیدرؑ شبیرؑ بھی پیاسا ہے بہت اے مرے دلبر
گھبرا نہ کہ نزدیک ہے اب چشمۂ کوثر حصہ یہ ترے باپ کا ہے اے علی اکبرؑ
دو دن سے اُٹھائے ہیں تعب تشنہ لبی کے
یہ تیسرا فاقہ ہے نواسے پہ نبیؐ کے

یہ کہتے ہی آنکھوں سے بس آنسو ہوئے جاری منھ پھیر کے دیکھا سوئے صحرا کئی باری
کی عرض حضور آتی ہے زہراؑ کی سواری پھر درد اُٹھا سینے میں پھر غش ہوا طاری
کھولے ہوئے آنکھوں کو مسافر ہوئے اکبرؑ
ہچکی کا بس آنا تھا کہ آخر ہوئے اکبرؑ

لکھا ہے کہ نکلا علی اکبرؑ کا اِدھر دم نکلی درِ خیمہ سے اُدھر زینبؑ پُر غم
سر ننگے تھیں پیچھے کئی سیدانیاں باہم منھ پیٹتی تھی کوئی، کوئی کرتی تھی ماتم
ہلتا تھا فلک نالہ و فریاد و بکا سے
ایک حشر تھا ہے ہے علی اکبرؑ کی صدا سے

خورشید چھپا گرد اُڑی زلزلہ آیا اک ابرِ سیہ دشت پُر آشوب میں چھایا
پھیلی تھی جہاں دھوپ وہاں ہو گیا سایا بجلی کو سیاہی میں چمکتا ہوا پایا
جو حشر کے آثار ہیں سارے نظر آئے
گرتے ہوئے مقتل میں ستارے نظر آئے

محبوبؐ الٰہی کی نواسی کا تھا یہ حال سر پر نہ رِدا تھی نہ قضابہ تھا نہ رومال
کچھ چہرے پہ کچھ دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال ہر گام تھی بسمل کی تڑپ زخمیوں کی چال
ٹوٹا تھا مصیبت کا فلک زار و حزیں پر
تھی نصف رِدا دوش پہ اور نصف زمیں پر

چلاتی تھی جنگل کی مجھے راہ بتا دو سیدانی ہوں رستہ مجھے لِلّٰہ بتا دو

کس ابر میں پنہاں ہے مرا ماہ بتا دو لاشے پہ کدھر ہیں شہِ ذی جاہ بتا دو

آنکھوں میں بصارت بھی نہیں جاؤں کدھر کو

میں پہلے پہل ڈھونڈھنے نکلی ہوں پسر کو

زینبؑ کی صدا سنتے ہی دوڑے شہِ والا داماں عبا فرق پہ ہمشیر کے ڈالا

فرمایا قدم خیمے سے کیوں تم نے نکالا اے بنتِ علیؑ مرگیا وہ گیسوؤں والا

ٹکڑے ہے بدن کشتۂ شمشیر ہیں اکبرؑ

دیکھو گی کسے خاک پہ اب ڈھیر ہیں اکبرؑ

❀❀❀❀

چوتھی مجلس

تاریخِ شیعیت

...... : شیعیت اور علمائے کرام : ......

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

سار ی تعریفیں اللہ کے لئے درود و سلام محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے

الوداعی عشرہ ہے اور ہم مسلسل شیعیت کے مختلف ادوار پر گفتگو کر رہے ہیں، ادوار آج یہ سلسلہ اپنے چوتھے مرحلے میں داخل ہو رہا ہے۔ عنوان جوں جوں کھلتا جا رہا ہے، اس کی وسعتیں پھیلتی جا رہی ہیں، ہم کوشش برابر کر رہے ہیں کہ عنوان کا کوئی بھی اہم گوشہ رہنے نہ پائے اور ہمارے پاس جتنا بھی وقت میسر ہے اس میں ہم زیادہ سے زیادہ میٹر (matter) اپنے سامعین کے ذہنوں میں محفوظ کر سکیں، چونکہ اس موضوع پر کبھی سوچا ہی نہیں گیا، اس لئے جہاں ہمارے لئے مشکلات ہیں وہاں سامعین بھی کچھ تذبذب میں ہیں، لیکن سامعین کی حیرانیاں آہستہ آہستہ دور ہو رہی ہیں اور ہو سکتا ہے کبھی آنے والے برسوں میں پھر اسی عنوان کے تحت کچھ مزید تفصیلی گفتگو ہو جائے، (ایک صلوٰۃ پڑھ دیجئے)

آج ہم بات وہیں سے شروع کر رہے ہیں کہ بغداد تاراج ہوا اور کس طرح نصیر الدین طوسی نے اپنے علم و دانش اور ذہانت کو بروئے کار لاتے ہوئے سادات کے دشمنوں کو چن چن کر قتل کروایا، بغداد کی گلیاں دشمنانِ اہل بیت اور بنی عباس کے

ہم نواؤں کے خون سے رنگین تھیں، دنیا نے ہمیشہ شیعیت اور اس کے پیروکاروں کو مجبور اور بیکس جانا مگر درحقیقت ایسا نہیں تھا، آپ کو تاریخِ شیعیت میں بہت سے نشیب و فراز ملیں گے، عباسیوں نے پوری کوشش کی سادات کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالیں، اور اُن کی اس کوشش میں غیر سادات اور غیر شیعہ بھی تہہ تیغ ہوتے رہے۔ کل ہم نے ذکر کیا تھا کہ غیبت کبریٰ کے بعد علماء نے کس طرح اس حق کی شمع کو روشن کیا۔ بعدِ غیبت جب بھی عباسی خلفاء کو یہ اطلاع ملتی تھی کہ امام حسن عسکریؑ کے گھر کے قرب وجوار کچھ لوگ جمع ہیں تو فوراً فوج بھیج کر قتل عام کرا دیا جاتا۔

غیبت کبریٰ سے قبل کی بات ہے کہ فوجی حسبِ معمول آئے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص گھر کے باہر بیٹھا ہے اُس سے پوچھا اندر کون ہے اُس نے جواب دیا جا کر دیکھ لو، فوجی اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ دریا ہے اور پانی پر ایک خوبصورت نوجوان مصلیٰ بچھائے عبادت میں مشغول ہے، جوں جوں فوجی آگے بڑھے مصلیٰ دور ہوتا گیا، آخر ناکام واپس لوٹے، امام کا ظاہری حالت میں نظر آنے کا یہ آخری واقعہ تھا۔ ہمارے وہ عالم جنہوں نے غیبت صغریٰ اور غیبت کبریٰ کا دور دیکھا اور جن کی تحریر کردہ کتب شیعیت کا سرمایہ ہیں وہ تھے جناب یعقوب کلینیؒ، ان کی پہلی کتاب اصول کافی جس میں سولہ ہزار ایک سو ننانوے (۱۶۱۹۹) احادیث کو جمع کیا گیا، دوسری کتاب ''من لا یحضرہ الفقیہ'' یہ کتاب شیخ صدوق کی ہے۔ تیسری کتاب التہذیب ہے، چوتھی کتاب ''الاستبصار'' ہے، یہ دونوں کتابیں شیخ ابوجعفر محمد طوسی کی ہیں۔ یہ کتابیں ہماری رُکن یعنی پلرز (Pillars) ہیں۔ شیخ یعقوب کلینیؒ بہت پائے کے عالم تھے اور چونکہ وہ نوابین اربعہ سے براہِ راست فیض یاب ہوئے، لہٰذا ان کی عظمت کا مقام بہت بلند ہے، اُن کے بعد وہ دور آتا ہے جب غیبت صغریٰ ختم اور

غیبتِ کبریٰ کا آغاز ہو چکا تھا۔ ''المحاسن'' اور ''الکافی'' جیسے شاہکار موجود تھے۔ یہ دور شیخ صدوق بابویہ قمی کا ہے، پھر شیخ مفید علیہ رحمہ کا دور آتا ہے جن کے لئے صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو آسمان سے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر ساری رات زمین پر گرتے رہے۔

شیخ مفید کی وفات کے بعد اُن کی قبر پر عربی میں ایک مرثیہ لکھا ہوا پایا گیا، علمائے کرام کہتے ہیں کہ یہ مرثیہ حضرت امامِ زمانہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔ شیخ مفید کی زندگی کا اہم واقعہ جو مختلف کتب میں ملتا ہے کہ شیخ مفید نے خواب میں دیکھا کہ بنتِ رسولؐ اپنے دونوں شہزادوں کی انگلیاں پکڑے مسجد میں داخل ہوئیں اور پکار کر کہا شیخ مفید! میرے بچوں کو تعلیم دو، ان کو علم سکھاؤ، آنکھ کھل گئی، بہت روئے اور سوچ رہے تھے یہ خواب کیسا ہے کہ اتنے میں صبح ہو گئی، اور تھوڑی دیر نہ گزاری تھی کہ ایک خاتون سیّد زادی دو بچوں کی اُنگلیاں پکڑے مسجد میں داخل ہوئیں اور کہا شیخ میرے ان دونوں بچوں کو تعلیم دو، شیخ مفید کو خواب کی تعبیر مل گئی اور سیّد رضی شریف اور مرتضیٰ علم الہدیٰ تاریخ شیعیت کے دو جید علماء بن کر اُبھرے، رضی شریف کا سب سے بڑا کارنامہ نہج البلاغہ کی تصنیف ہے جو تاریخ شیعیت اور علمِ اَئمہ کا گراں قدر سرمایا ہے جس کا ترجمہ اور شرح دُنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے، یہ کتاب مولا علیؑ کے خطبات کا مجموعہ ہے، جو ہر دور میں ذہنِ انسانی کو دعوتِ فکر دیتا رہے گا، یہ دونوں بھائی آسمانِ تاریخ شیعیت کے تابندہ آفتاب ہیں، ان دونوں بھائیوں کے لئے یہی اعزاز کافی ہے کہ معصومہ کونینؑ اور مولا علیؑ نے ان کو اپنا بیٹا کہا ہے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، قولِ معصوم کبھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا، دراصل دونوں بھائیوں نے ایسے علمی کام کیے کہ جن کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ یہ وہ علماء ہیں جن کے ناموں کے ساتھ

علامہ کا لفظ لکھا گیا، وقت کی کمی کے پیشِ نظر بیچ بیچ سے سنا رہا ہوں، آپ چاہیں تو کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں، اس کے بعد ہمارے بزرگ علماء میں جو نام آتا ہے وہ ہیں علامہ حلیؒ وہ عالم تھے یا عالَم تھے، یہ فیصلہ آپ خود ہی کر لیں، گیارہ برس کی عمر میں حافظِ قرآن ہو گئے تھے اور بارہویں سال نجف میں بیٹھ کر درس دینے لگے، یہاں تک کہ اُس زمانے کے علمائے دین کو پڑھانے لگے، بوڑھے بوڑھے لوگ ایک بچے سے علم حاصل کر رہے تھے، اور کہا یہ گیا ہے کہ اگر بچہ عالم بن جائے تو انقلابات زمانہ اُس کی فطرت نہیں بدل سکتے، بچپن میں ہی قرآن کے اور علومِ اسلامیہ کے عالم ہو گئے تھے، مگر بچپنا تو تھا ایک دفعہ درس دے رہے تھے کہ مسجد کی چھت سے دو چڑیاں لڑتی ہوئی گریں انہوں نے فوراً درس چھوڑا، عمامہ اُتارا اور چڑیوں کو پکڑ لیا۔

اُن کے شاگرد منہ پھیر کر ہنسنے لگے، علامہ حلی کے والد نے فرمایا کہ علم و اجتہاد اپنی جگہ اور کمسنی و بچپن کا تقاضہ اپنی جگہ ہے۔ ایک مرتبہ کوئی ایسی شرارت بچپنے والی کی کہ باپ نے چاہا کہ تنبیہ کریں، جب باپ کو اطلاع ہوئی باپ نے سرزنش کی اور چپت لگانا چاہی، علامہ حلی بھاگے جیسے ہی باپ پکڑنے کے لئے قریب ہوا، فوراً علامہ حلی نے سجدے والی آیت پڑھ دی، باپ سجدے میں گر گئے، یہ بھاگ لئے، یعنی شرارت میں بھی علم، یہ واقعات اُن کی سوانح حیات میں لکھے ہیں، میں مختصر کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہوں، شرارت میں بھی علم جاگ رہا تھا اور بتا رہے تھے کہ علم ہر جگہ بولتا ہے، بچہ ہو یا جوان تو اب آپ سوچ لیں کہ جب بچپن اس طرح علم لئے ہوئے ہے تو جوانی کیسی ہوگی، بس اس منزل تک لانا تھا آپ کو، تو جب بچپن ایسا تو جوانی کیسی ہوگی تو اب جوانی بھی سن لیجئے کہ خواب دیکھا کہ جنّت میں حضورؐ ختمی مرتبت تخت پر تشریف فرما ہیں، آواز دے کر بلا لیا اور پہلو میں بٹھا لیا، باتیں ہونے لگیں کہ کافی دیر گزر گئی کہ

اتنے میں حضرتِ موسیٰؑ آ گئے اور آ کر بیٹھ گئے، جنابِ ختمی مرتبت تخت پر تشریف فرما ہیں، آواز دے کر بلا لیا اور پہلو میں بٹھا لیا باتیں ہونے لگیں کافی دیر گزر گئی کہ اتنے میں حضرتِ موسیٰؑ آ گئے اور آ کر بیٹھ گئے جنابِ ختمی مرتبتؐ علامہ حلّی سے باتیں کرتے رہے، کچھ دیر کے بعد حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ یہ صاحب کون ہیں، حضورؐ نے فرمایا خود پوچھ لیجیے، حضرت موسیٰؑ نے پوچھا آپ کون ہیں تو علامہ حلّی نے اپنا پورا نام بمعہ ولدیت و تاریخ پیدائش تفصیل سے بتایا تو موسیٰؑ کہنے لگے حضورؐ سے کہ یہ عجب آدمی ہے میں نے نام پوچھا تھا اس نے تو پورا شجرہ پڑھنا شروع کر دیا، حضورؐ نے فرمایا یہ بھی انہی سے پوچھ لیجیے، موسیٰؑ نے پوچھا تو علامہ حلّی نے کہا آپ بنی اسرائیل کے اولوالعزم پیغمبر ہیں، جب آپ کوہِ طور پر گئے تھے تو اللہ نے آپ سے سوال کیا تھا موسیٰؑ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے تو آپ نے جواب میں کہا یہ عصا ہے اس سے بکری کے لئے پتیاں توڑتا ہوں، اس کا تکیہ بنا لیتا ہوں، اس کا سایہ کرتا ہوں، کبھی یہ اژدہا بن جایا کرتا ہے، کبھی اس سے یہ کام لیتا ہوں، کبھی یہ کام لیتا ہوں، آپ سے چھوٹی سی بات پوچھی گئی تھی اتنا طویل جواب خدا کو کیوں دیا تھا موسیٰؑ نے کہا میں خدا سے محوِ کلام تھا اس لئے طویل جواب دیا تا کہ سلسلۂ کلام نہ ٹوٹے، محوِ گفتگو رہوں آواز سنتا رہوں، باتیں کرتا رہوں تو علامہ حلّی نے فرمایا کہ یہی مسئلہ تو یہاں بھی ہے، اولوالعزم پیغمبر کہاں روز روز ملے گا۔ (صلوٰۃ پڑھئے)

میں نے بھی چاہا کہ سلسلۂ کلام جاری رہے تو یہ کہہ کر اُٹھے، حضرت موسیٰؑ کہ آج حضورؐ آپ کی حدیث سمجھ میں آئی کہ ہمارے علماء یعنی شیعہ علماء بنی اسرائیل کے اولوالعزم پیغمبروں سے شرف میں زیادہ ہوں گے۔ ایسے علماء ہوں کہ موسیٰؑ خود کہیں کہ ہم سے اشرف۔

یہ تھے علامہ حلی اور ایسے علامہ کہ کتاب لکھی علیؑ کی خلافتِ بلافصل پر اور دلیلیں دیں قرآن سے کہ علیؑ خلیفہ بلافصل ہیں، ہر دلیل قرآن سے دی، کتاب کامل تھی، سلسلہ ایسا تھا کہ اُدھر کتاب تمام ہوئی کہ کتاب کا جواب روز بہان کی طرف سے لکھا گیا، بعد میں احقاق الحق کے نام سے قاضی نور اللہ شوستری نے اُس کے جواب میں لکھا، قرآن سے ہر دلیل اور ہر دلیل پہ گیارہ آیتیں، ہر آیت سے یہ ثابت کیا کہ علیؑ خلیفۂ بلافصل ہیں، احقاق الحق یہ تسلسل ہے کتاب کا جو میں نے آپ کو سنایا تفصیل سے کبھی عرض کروں گا۔ علامہ حلی کے بعد جو ہمارے عالم ہیں وہ ہیں علامہ اردبیلی علیہ الرحمہ اور مقدس اردبیلی کے نام سے مشہور ہیں، ان کے لئے جو مشہور واقعہ اُن کی سوانح حیات میں درج ہے وہ یہ ہے کہ شاگرد کہتا ہے ہم نے رات کو دیکھا کہ وہ اپنے گھر سے نکلے اور جیسے ہی نجف میں مولاؑ کے روضے کے دروازے کے پاس پہنچے دیکھا دروازے کو قفل لگا ہوا ہے لیکن جیسے ہی یہ قفل کے نزدیک ہوئے قفل ٹوٹ کر گر گیا، اور دروازہ کھل گیا، یہ ضریح کے قریب گئے، کچھ بات ہوئی واپس آئے، مسجدِ کوفہ پہنچے اور محرابِ مسجد میں جا کر کسی سے باتیں کرنے لگے، واپس گھر کی طرف چلے، شاگرد پیچھے پیچھے اچانک شاگرد کو کھانسی آ گئی کہا تم کیسے، کہا یہ دیکھنے کے لئے کہ اتنی رات کو استاد کہاں جارہے ہیں، اب میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ کیا مسئلہ تھا، میری حیات میں کسی کو نہ بتانا، مر جاؤں تو بتا دینا، سنو بات صرف اتنی تھی کہ ایک مسئلہ درپیش تھا، لکھنا چاہتا تھا کہ خیال آیا مولاؑ سے جا کر پوچھ لوں، نجف میں گیا دروازہ میرے لئے وا ہو گیا، تم نے پہلی بار دیکھا ہے ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے مگر آج جب مسئلہ پوچھا تو جواب یہ ملا کہ آج میرا فرزند مسجد کوفہ میں نماز پڑھ رہا ہے تم جا کر میرے آخری فرزند سے پوچھ لو، تو میں وہاں گیا تھا، امام نے جواب دیا اب گھر جارہا ہوں، یہ ہے پوری

تاریخ، میں نے صرف جھلکیاں دکھائی ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو یہ علم کا شجرہ قائم نہ رہتا، اگر یہ ترتیب نہ ہوتی اگر یہ رابطہ نہ ہوتا، اس میں کتنی سچائیاں ہیں، یہ تاریخ خود بول رہی ہے، اس میں کتنی حقیقتیں ہیں، اس کا اظہار ہر ایک نے کیا اور اُس کے بعد جب ہم برصغیر کی طرف آتے ہیں، مقدس اردبیلی کی قبر بھی نجف میں مینار کے نیچے ہے اور علامہ حلی کی قبر بھی وہیں پر ہے، بڑی جگہ پائی، بڑی فکر دے گئے اور ایک واقعہ بڑا عجیب و غریب مشہور ہے اُسے بھی سنا دوں، مقدس اردبیلی کا تا کہ اُن کی عظمت کا اندازہ ہو جائے، عالم کسے کہتے ہیں، گھوڑے پر سوار جا رہے تھے اور ذہن میں یہ حدیث تھی کہ اُمت رسولؐ کے علماء انبیاء بنی اسرائیل سے کیسے بلند ہوں گے، اسی فکر میں چلے جا رہے تھے کہ رکاب سے پیر نکل گیا، نعلین گر گئی، چاہا کہ گھوڑے سے اتریں اور جوتی اُٹھا لیں لیکن جب اُترنا چاہا تو محسوس کیا کوئی پیروں میں نعلین پہنا رہا ہے، اب جو جھک کر دیکھا، کہا یہ کون ہے کہا سو چا اردبیلی ہمارے جد کی حدیث میں تمہیں شک کیوں ہو رہا ہے، امامِ زمانہ تمہیں نعلین پہنا رہا ہے۔ ایسے عالم گزرے ہیں جو ورثہ دے کر گئے ہیں۔ کاش! ہم اس ورثے کو برقرار رکھ سکتے، دعا یہی ہے کہ برقرار رہ جائے جو زوال ہے وہ آپ کے سامنے ہے، شہادتیں بھی دی ہیں، قربانیاں بھی دی ہیں، وہ رات بھی عجیب رات تھی جب جہانگیر کے سپاہی قاضی نور اللہ شوستری کے مکان کو گھیرے ہوئے تھے۔ رات کے دو بجے تھے، وزیر نے جگا کر کہا بادشاہ نے دربار میں طلب کیا ہے، یہ عرض کر چکا ہوں تفصیل میں نہیں جاتا کہ جب اکبر بادشاہ نے قاضی بنایا اور پوچھا تھا فیصلہ کس طرح دیں گے، اسے کہتے ہیں عالم تو منبر سے کہا تھا کہ حنفی آئے گا، تو فقہ حنفی سے فیصلہ کروں گا، مالکی آئے گا تو فقہ مالکی سے فیصلہ کروں گا، حنبلی آئے گا تو فقہ حنبلی سے فیصلہ دوں گا، شافعی آئے گا تو شافعی فقہ سے

فیصلہ کروں گا، فقہ جعفری کا فیصلہ فقہ جعفری سے کروں گا، لیکن چاروں فقہ کے فیصلوں کو فقہ جعفری سے ملالیں گے کہ ظلم تو نہیں آ رہا، یہ ہے کمال، جملہ وہ نہیں ہے مشکل کام بلکہ اُس فتوے کو لے کر یہ ملالینا کہ عدل تو نہیں جا رہا ہے، تب اکبر نے قاضی بنایا تھا اور اکبر کے دور میں مہلت ملی کہ مجالس المومنین جیسی کتاب لکھی، صواعق محرقہ کا جواب ''صوارم محرقہ'' کے نام سے لکھا۔ دوسو کتابیں علمِ ریاضی، منطق، فلسفہ، حدیث اور نا معلوم کتنے علوم پر لکھ دیں، مزار پر ان کے آگرے میں سارے نسخے محفوظ ہیں، علی گڑھ یونیورسٹی کی ٹیگور لائبریری میں خود میں دیکھ کر آیا ہوں، میرے دیکھے ہوئے نسخے موجود ہیں، کچھ کتب میرے پاس بھی ہیں، اتنا بڑا عالم کہ اب تک اُن کی کتاب احقاق الحق کہ اگر اُس کا چوتھائی حصہ پڑھ لیا جائے تو مجتہد بنتا ہے، علم الکلام میں اُس کتاب کا ترجمہ ہم آج تک نہ چھاپ سکے، برصغیر میں یہ کتاب تاریخِ شیعیت کا انسائیکلوپیڈیا ہے، ہم اُس کتاب کو اب تک منظرِ عام پر نہ لا سکے یہ ہماری کوتاہیاں ہیں اور ہماری تاریخ کے ایسے المیے ہیں کہ اگر بیان کیا جائے تو سوائے افسوس کے اور آنسو بہانے کے اور کچھ حاصل نہیں ہے۔

ملا مبارک کتاب کا مطالعہ روز کرتے تھے اور جب شاہی کا ذکر آئے گا تو ہم بتائیں گے کہ ملا مبارک کون ہیں ان کے دونوں بیٹے ابوالفضل اور فیضی کون ہیں، ملا مبارک یہ چاہتے تھے کہ جتنے صفحات قاضی نور اللہ شوستری لکھیں وہ رات کے رات مطالعہ کریں اور کتابت ساتھ ساتھ ہوتی جائے، ایک شاگرد نے چھپ کر اُس نسخے کے کچھ صفحات جہانگیر تک پہنچا دیئے، جب جہانگیر کو علم ہوا تو وہ تو شراب کے نشے میں مست تھا، اُسے مذہب کا کچھ پتہ نہیں تھا، کہ مذہب کیا ہے، ملت کیا ہے تو وہ علماء جو اُن کے عروج سے حسد رکھتے تھے ان کے لئے موقعہ آسان تھا کہ قتل کا فتویٰ دے

دیں اور کئی سو علماء نے قتل کے فتوے پر اپنی مہریں لگا دیں۔ دربار میں طلب کر لیا گیا۔ جانے سے پہلے ایک کاغذ پر کچھ لکھا اور جانب آسمان پھینک دیا، تھوڑی دیر کے بعد کاغذ واپس آیا اُس پر جواب لکھا تھا ہماری راہ میں آگے بڑھ جاؤ، اور جان دے دو، ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تمہاری قربانی اس وقت ضروری ہے، بحث ہے تاریخ میں کہ تقیہ کیوں نہیں کیا، لیکن اگر تقیہ کر لیتے تو آج آپ یہاں اتنے اطمینان سے نہ بیٹھے ہوتے، بس یہ جملہ کافی ہے یعنی ہندوستان میں آپ کی تاریخ کو مستحکم کرنے والا جس نے اپنے سر کا نذرانہ پیش کیا۔ پہنچے جہانگیر کے دربار میں، درّے لگائے گئے، کچھ کہنے کے لئے مجبور کیا گیا، مگر قاضی نور اللہ شوستری نے انکار کر دیا، کہا گیا کہ زبان گدی سے کھینچ لی جائے، قتل کر کے اُن کی لاش کو آگرے کے مشہور کوڑے گھر پر پھینک دیا، اس لئے پھینکا گیا تھا کہ یہ کوڑا خانہ شہر سے دور ہے، لیکن جہانگیر کو یہ نہیں معلوم تھا کہ آنے والی صدیوں میں یہ کوڑا خانہ مرکز انوار بنے گا اور جہانگیر کو آگرے میں قبر بھی نصیب نہ ہوگی۔ یہ ہے قدرت کا انتقام کہ جہانگیر اپنے گھر میں قبر کی ڈھائی گز جگہ نہ پا سکا اور دور آ کر لاہور میں مرا۔ قاضی نور اللہ شوستری نے اُس جگہ کو جہاں لوگ کوڑا پھینکتے تھے مرکز انوار بنا دیا گوالیار کا سوداگر سو رہا تھا، آگرے آیا ہوا تھا، خواب میں دیکھا کہ کوئی بی بی سیہ پوش کھڑی ہیں اور کہہ رہی ہیں تو کہاں کا قصد رکھتا ہے، جا یہیں پر تھوڑی دور جا، ایک لاشہ پڑا ہے، اُس کو دفن کر دے، پوچھا بی بی آپ کون ہیں، تو کہا مجھے نہیں پہچانتا میں فاطمہؑ بنت محمدؐ ہوں، میرا بیٹا آج کی رات شہید کر دیا گیا، وہ آیا اور اُس نے وہیں پر قاضی نور اللہ شوستری کی قبر بنائی، وہ قبر چھپی رہی، سرکار ناصر الملت کے والد سرکار حامد حسین صاحب قبلہ نے ایک صدی پہلے اُسے دریافت کیا اور اُس پر روضہ تعمیر ہوا اور گزشتہ تیس سال کے عرصے میں اس

روضے کو ایک طرف سے دیکھیں تو نجف کا نقشہ ہے دوسری طرف سے دیکھیں تو کربلا کا نقشہ ہے اور دنیا کے کونے کونے سے رجب کے مہینے میں جب ان کی برسی منائی جاتی ہے تو تین دن ذکرِ حسینؑ صبح چھ بجے سے لے کر رات بارہ بجے تک ہوتا ہے۔

ہندو، مسلمان نوحے پڑھتے ہیں، شیعہ سنی سب چادریں چڑھاتے ہیں، اُن کی مرادیں پوری ہوتی ہیں، اُسی شہر میں تاج محل بھی ہے، تاج محل تفریح گاہ بنا ہوا ہے، ایک مزار وہ بھی ہے ایک مزار یہ بھی ہے۔ وہ مزار ماڈّی محبت کا افسانہ بن کر رہ گیا، اور یہ مزار مودّت آلِ محمد کا مرکز بن گیا، اُسی شہر میں پُرنور روضہ موجود ہے، اگر آپ جا کر دیکھیں تو میلوں تک میدان میں خیمے اس طرح لگے رہتے ہیں جیسے عرفات میں حاجیوں کے خیمے لگتے ہیں، ہزاروں لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے، وہ ہمارے تیسرے شہید، شہیدِ ثالث ہیں، اُس کے بعد تین چار سو سال کا عرصہ جب ہم شاہی پر آئیں گے قلی قطب شاہ سے لے کر اکبر و جہانگیر، شاہجہاں، اورنگزیب، بہادر شاہ ظفر سے ہوتے ہوتے جب ہم ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) تک پہنچیں گے تو وہ تاریخ شیعیت کا دوسرا موضوع ہو جائے گا۔ اس لئے آج ہم اپنی ترتیب سے یہاں تک پہنچاتے ہیں کہ قاضی نور اللہ شوستری نے جو درخت اُس دن آگرے میں لگایا تھا وہ ثمر آور ہوا، جب نجف سے غفران مآب ہندوستان آئے، ستائیس رجب کو پہلی نماز جمعہ ہندوستان کی تاریخ میں ہوئی جو دلدار علی نے پڑھائی اور اُس نماز کو پڑھنے بادشاہ اودھ آصف الدولہ بھی موجود تھے۔

پھر ایسی تاریخ ترتیب پائی کہ اودھ کی تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ اگر پورے اودھ کی زمین کا تجزیہ کیا جائے تو کم زمین وہ نکلے گی جس پر مکانات ہیں، ہر چپے پر امام باڑہ ہے یا مسجد، اوقاف والے انتظام کرتے ہیں۔ ہر گھر عزا خانہ، ایک امام باڑہ بنایا تھا،

اُس کا نام ہے امام باڑۂ غفران مآب جہاں کی مجلس شامِ غریباں آج تک آل انڈیا ریڈیو دے رہا ہے۔ ستر برس گزر گئے شامِ غریباں کی مجلس کا مرکز نہیں بدلا، اودھ کے بارہ بادشاہ ہوتے ہوتے گزرے۔ کل تفصیل عرض کروں گا، واجد علی شاہ جو آخری بادشاہ ہیں، اُن کے عہد میں جو سب سے بڑے عالم ہوئے ہیں وہ مفتی میر محمد عباس ہیں اور جس طرح عربی بولتے تھے اُسی طرح فارسی بولتے تھے، اُسی طرح ہندی اور اُردو بولتے تھے۔ جتنی کتابیں عربی میں لکھیں، اُتنی فارسی میں اتنی ہی اُردو میں، جیسے عربی کے شاعر، اُسی طرح فارسی کے شاعر، اُسی طرح اُردو کے شاعر، کچھ اندازہ ہوا کتنے بڑے عالم اور اُنہی کی نسل میں مفتی احمد علی صاحب مرحوم بہت بڑے عالم تھے، مفتی تھے۔ انہیں میں نے لکھنؤ میں دیکھا تھا، اتنے بڑے عالم کہ ہندوستان میں غفرآن مآب کے بعد شیعیت کا سفینہ لے کر وہی چلے، جس نے شیعیت کے سفینے کو پار لگا دیا، اُس کا نام ہے میر انیسؔ اور دلیل دے رہا ہوں کہ جتنا بڑا عالم، جہاں علم آ کر مرکز پہ جمع ہو رہا ہے، عربی، اُردو اور فارسی کا وہ مفتی میر محمد عباس صاحب، میر انیس کے مرثیے میں آ کر بیٹھا کرتے تھے، ایک دن کا واقعہ ہے کہ میر انیسؔ مرثیہ پڑھ رہے تھے کہ میر محمد عباس بھی تشریف فرما تھے، لوگوں نے بڑی داد دی، میر انیسؔ منبر سے اُترے تو سیدھے مفتی صاحب کے پاس گئے اور کہا کیا مرثیہ آپ کو پسند نہیں آیا، کہا کیوں اس واقعے کو عزیزؔ لکھنوی نے مفتی میر محمد عباس کی سوانح حیات میں قلم بند کیا ہے، کہا آپ نے داد نہیں دی اب وہ جو کچھ بولیں تو ہمیں اُس میں کلام کی کیا تاب ہے۔ جملے کی قدر کریں اور اس سے پرسوں کی تقریر کا اندازہ لگائیں مفتی میر محمد عباس نے میر انیسؔ سے کہا کہ میں اس کلام کی کیا داد دے سکتا ہوں خدا کی قسم اگر قرآن اُردو میں اُترتا تو اسی زبان میں اُترتا۔ علم کا مرکز علم بول رہا ہے کہ اگر قرآن

اُردو میں اترتا تو اس زبان میں اُترتا، تو وہ زبان، اُس نے کیسے خدمت کی ہے اور آپ کی عزاداری کو اس منزل تک پہنچایا ہے، یہ آنے والی تقریروں میں عرض کروں گا۔تقریر میری ختم ہوگئی،کل عرض کر رہا تھا کہ ایک سو بتّیس معجزات سرِ حسینؑ کے اور چند عرض کیے تھے میر انیسؔ نے اکثر واقعات کو نظم کیا ہے مگر کل جہاں ہم نے مصائب کو ختم کیا تھا تو چار کتب کے حوالوں سے مصائب کو آگے بڑھا رہا ہوں، خولی سر کو لایا اور لا کر تنوّر میں رکھ دیا، اُس کی بیوی نمازِ شب پڑھنے کی عادی تھی، جب وہ اُٹھی تو اُس نے دیکھا کہ تنوّر سے ایک نور ساطع ہے، جو آسمان کی طرف جارہا ہے، وہ ابھی حیرت سے اُس نور کو دیکھ رہی تھی کہ دیکھا آسمان سے ایک عماری اُتری تنوّر کے پاس ٹھہری، پردہ ہٹا اور اُس میں سے تین بیبیاں نکلیں، ایک بی بی بے حال تھی، اُس کے بازوں کو دو بیبیوں نے تھاما ہوا تھا، وہ بھی بالوں کو بکھرائے ہوئے رو رہی تھیں، وہ حیران ہو رہی تھی کہ کان میں آواز آئی کیوں حیران ہے ارے یہ فاطمہؑ آئی ہیں، یہ ان کی ماں خدیجہؑ ہیں۔یہ عیسیٰؑ کی ماں مریمؑ ہیں جو سنبھالے ہوئے ہیں، اب اس کی حیرانی اور بڑھی اُس نے دیکھا کہ اُس بی بی نے تنور سے سر کو اُٹھا کر گود میں رکھا اور منہ پر منہ رکھ کر آواز دی، ولدی الاالحسینؑ، ولدی الاالحسینؑ اے میرے لال، تجھ پر کیا گزر گئی، ماں تیرے پاس آئی ہے حسینؑ، کچھ دیر کے بعد اُس نے دیکھا کہ عماری واپس چلی گئی، جب صبح ہوئی تو اپنے شوہر سے کہا ارے یہ کس کا سر لایا ہے، یہ تو نبیؐ کے نواسے کا سر ہے، خولی تجھ پر وائے ہو، خولی نے اپنی زوجہ کو تازیانوں سے مارا، وہ بے ہوش ہوگئی، تاریخ میں عجب عجب واقعات ہیں کہ سرِ حسینؑ، معجز نمائیاں دکھاتا ہوا، کبھی کوفے کے بازار میں، کبھی شام کے بازار میں، صاحب ریاض المصائب لکھتے ہیں حضرت زینبؑ نے عماری پر سے ایک صدا سنی اور یہ دیکھا کہ اُس مجمعے میں ایک

عورت بے حال ہے اور بار بار پکارتی ہے، حسینؑ تم کہا ہو، حسینؑ تم کہا ہو، ایک بار زینبؑ نے پوچھا ضعیفہ کس کو پکار رہی ہے، کہا میرا بیٹا حسینؑ یہ تماشا دیکھنے نکلا تھا، کہیں کھو گیا ہے، میں اپنے گیارہ سال کے بچّے کو تلاش کر رہی ہوں اس مجمعے میں ملتا نہیں، ماں پریشان تھی، کچھ دور آگے بڑھی اُس کے کان میں آواز آئی ضعیفہ گھبرا نہیں تیرا بیٹا تیرے گھر میں موجود ہے، جا چلی جا وہ گھر پہنچی دیکھا اُس کا بیٹا حجرے میں بیٹھا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے۔ ماں قریب گئی کہا بیٹا تجھے تلاش کر رہی تھی، کہاں تھا تو، کہا اماں تم کو نہیں معلوم، یہ سر تو فاطمہؑ کے لال حسینؑ کا ہے، اماں خدا مجھے موت دے دے میں فاطمہؑ کے لال پر قربان ہو جاؤں، اتنا رویا کہ اُس بچے نے انتقال کیا، ماں اُس کی لاش کو لئے مجمعے کی طرف پکارتی چلی اے فاطمہؑ کے لال حسینؑ میرا بچہ تم پر قربان ہو گیا، بچے کی لاش کو لا کر سر کے نیچے رکھ دیا، سر سے آواز آئی، اے عورت گھبرا نہ تیرا بیٹا میں نے واپس کر دیا، کچھ دیر نہ گزری تھی وہ لڑکا اُٹھا اور یہ پوچھتا تھا اس قافلے میں زینبؑ کون ہیں، عماری سے آواز آئی میں زینبؑ ہوں، کہا میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ رسولؐ خدا مجھ سے کہہ رہے تھے جب دنیا میں جانا میری نواسی زینبؑ کو میرا اسلام کہہ دینا، اے زینبؑ اپنے نانا کا سلام قبول کیجئے۔ ماتم حسینؑ.........

❀❀❀❀

پانچویں مجلس
تاریخِ شیعیت

......: شیعیت اور حکومت :......

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

تمام تعریفیں اللہ کے لئے اور درود و سلام محمدؐ وآلِ محمدؐ کے لئے

انجمنِ رضائے حسینی کی جانب سے الوداعی عشرے کی پانچویں تقریر آپ حضرات سماعت فرمارہے ہیں۔عنوان یہاں کا آپ کے پیشِ نظر ہے تدریجی ارتقاء تاریخِ شیعیت کا کسی ایک شعبے سے بھی اگر ہم اُس تاریخ کو لینا چاہیں تو پوراعشرہ صرف ایک ہی سمت میں کامل ہوجاتا ہے لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہر شعبے کا تعارف کراتے ہوئے چلیں اُس سے یہ ضرور ہے کہ سماعت میں آپ کے بار بار موضوع بدلتے رہیں گے لیکن فائدہ یہ ہوگا سننے والوں کو کہ ہر شعبے پر اُن کی نظر رہے گی کہ شیعیت نے کس کس شعبے کی کس طرح مدد کی اور جیسا کہ کل میں نے کہا کہ یہ عنوان پوراعنوان اگر علمی انداز سے دیکھا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ خشک ہے اور اسی عنوان کو اگر ہم مناظرے کے رنگ میں پڑھیں تو انتہائی تر ہے دلچسپ ہے لیکن ہم اُس رنگ میں پڑھنا نہیں چاہتے اور کوشش یہی کرر ہے ہیں کہ انتہائی احتیاط کے ساتھ موضوع کو سب تک پہنچادیا جائے اسی لیے آپ دیکھتے ہوں گے کہ درمیان میں ہم بہت سی چیزیں چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے ہیں اور اُن کا ذکر کر دیتے ہیں اب یہ کہ خواتین کی شکایات ملتی رہتی ہیں کہ اولادِ

حسنؑ کا ذکر کیا آپ نے لیکن تفصیل نہیں بتائی مجبوری ہے ہماری کہ ہم ہر چیز تفصیل سے نہیں بیان کر سکتے اور جن چیزوں کو ہم سمجھ رہے ہیں کہ وہ ضروری عناصر ہیں تو انہیں کو ہم زیرِ بحث لا رہے ہیں سوالات جو لوگ غور سے مجلسیں سن رہے ہیں وہ برابر پہنچتے جا رہے ہیں اور بعض لوگ زبانی سوالات کرتے ہیں تو زبانی سوالات بالکل فضول ہوتے ہیں اُن کا کوئی فائدہ نہیں ہے سوال لکھ کر اپنا نام اور اپنا صحیح پتہ آپ دیں تو آپ کو جواب دیا جائے گا تاکہ اُس جواب سے یہ فائدہ ہو کہ سب سنیں، سوال بھی سب سنیں اور جواب بھی سب سنیں تاکہ سب کو فائدہ ہو ایک صاحب کا تفصیلی بہت اچھا خط آیا سید محمد حسین عباس رضوی صاحب کا ان کے جتنے بھی سوالات ہیں سب ہمارے موضوع میں ہیں آنے والے ہیں لیکن ہم اِن کے سوالات پڑھے دیتے ہیں تارِیخِ شیعیت کے عنوان پر آپ کی تقریریں سننے کے بعد مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوئے تو پہلا سوال اُن کا یہ ہے کہ تاریخ کا ایک ادنیٰ شیعہ طالبِ علم بھی یہ سوچنے پر ضرور مجبور ہوتا ہے کہ وہ کیا عوامل تھے کہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں آئمہ کی تمام تر کاوشوں کے باوجود اُس سر زمین سے شیعیت نے ہمیشہ ہاتھ دھوئے رکھے کیوں؟ دوسرا سوال ہے اُن کا خاندانِ آلِ سعود بحرینی لٹیرے تھے یہاں تک کہ وہ کربلائے معلّٰی پر حملہ آور ہوئے ہمت یہاں تک بڑھی کہ وہ کربلائے معلّٰی پر حملہ آور ہوئے اُس وقت ایران نے دفاع کی پالیسی اختیار کی بعد میں مرمتِ زیارات کرائیں تیسرا سوال ہے پہلی جنگِ عظیم کے بعد سے خاندانِ آلِ سعود کے برسرِ اقتدار آنے تک شیعہ موجودہ سعودیہ کے مشرقی حصے میں آباد ہوئے اور اِس وقت معاشی طور پر مستحکم ہیں۔ دمام کے سونے کے بازاروں میں مکمل کنٹرول ہے لیکن مجالس کے انعقاد میں مشکلات اور دشواریاں سعودی شیعوں کیلئے آج بھی بے حد ہیں ہندوستان اور ایران کی شیعہ اسٹیٹس (states) نے ان شیعوں کو کبھی

کوئی تحفظ فراہم نہیں کیا حتیٰ کہ برصغیر کے شیعہ مقرر بھی سعودی شیعوں کے عدم تحفظ کو کبھی تقریر کا موضوع نہیں بناتے ایسا کیوں ہے؟اور ایک چھوٹا سا سوال ہے یہ سارے سوالات ہماری تقریر کے درمیان میں زیر بحث آئیں گے جیسے جیسے موضوع آئے گا ہم ہر سوال کا جواب دیتے جائیں گے یہ عرض کر دوں کہ انوارِ امامت اردو کی کتاب ہےاور وہ کوئی ایسی تصنیف نہیں ہے کہ جسے مستند سمجھا جائے بچوں کیلئے وہ کتاب ہےاور وہ کتابیں جن کے حوالے لوگ لیتے ہیں تو اُردو کی کتابیں لکھنے والوں کا حال یہ ہے کہ زبانی اور سنی سنائی چیزیں بھی وہ کتابوں میں لکھ دیتے ہیں اور بغیر تحقیق کے مضامین آجاتے ہیں اور جہاں مکمل حوالہ نہیں ہوتا بعد میں اُنہیں پریشانی اٹھانا پڑتی ہے تحقیق ایک ایسی چیز ہے کہ جس میں کافی وقت صرف ہوتا ہےاور محققین کا نظریہ یہ ہے کہ جب تک تحقیق کامل نہ ہو جائے وہ اپنا شاہکار پیش نہیں کرتے اور اسی میں برسوں گزر جاتے ہیں کتابیں لکھتے لکھتے تو تحقیق ایک الگ چیز ہے کتاب لکھ دینا ایک الگ چیز ہے ہر کتاب تحقیقی نہیں ہوتی اور ہر لکھنے والا محقق نہیں ہوتا یہ واقعہ یا اس طرح کے بہت سے واقعات مثالیں دے رہا ہوں چونکہ سوال بہت اچھا تھا تو میں چاہتا ہوں کہ یہ جواب جو ہے اس کو آپ لوگ ذہن نشین کر لیں ایسی چیزیں ظاہر ہے کہ بار بار تبصرے اور تنقید میں نہیں آتیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑی اور مشہور شخصیات کیلئے ایک ہی واقعہ ہر شخصیت سے منسوب ہو جاتا ہے ایسا نہیں کہ کسی اور کا واقعہ ہے اور کسی دوسرے سے منسوب ہو جائے بلکہ جہاں تک تحقیق بتاتی ہے کہ ایک ہی طرح کا واقعہ کئی شخصیات کے ساتھ ہوا اب مثال دے رہا ہوں میں آپ کو معصومین کی خاص طور سے ہمارے یہ دو شہزادے امام حسنؑ اور امام حسینؑ ہیں۔رسولؐ جب سجدے میں تھے تو دونوں کیلئے واقعہ ہے کہ یہ بھی پشت پر آئے وہ بھی پشت پر آئے جو حدیث ان کیلئے ملتی

ہے وہ حدیث ان کیلئے بھی ملتی ہے اگر کہا کہ یہ ہم سے ہیں ہم ان سے ہیں تو دونوں
کیلئے کہا مشترکہ فضائل ہیں بالکل اسی طرح آپ نے ایک واقعہ سنا ہوگا کہ بادشاہ کے
دربار میں قالین کا شیر جو تھا وہ مجسم ہوگیا معصوم کے اشارے سے تصویر جو ہے وہ
شیر میں بدل گئی یہ واقعہ ساتویں امام کیلئے بھی ہے آٹھویں امام کیلئے بھی ہے نویں امام
کے کیلئے بھی ہے دسویں امام کیلئے بھی ہے گیارہویں امام کیلئے بھی اور تینوں کی سوانح
حیات میں یہ واقعہ درج ہے تو ایسا نہیں کہ کسی ایک کا ہے واقعہ سب کے ساتھ ہوا ہوگا
اور ظاہر ہے کہ کردار بدلے ہیں اس طرح کے بہت سے واقعات مثال کے طور
پر درندوں کے کٹہرے میں معصوم کا ڈالا جانا یہ واقعہ دسویں امام کیلئے بھی ہے اور
گیارھویں امام کیلئے بھی ہے اسی طرح کے بہت سے واقعات ہیں جو مشترکہ ہیں
معصومینؑ کیلئے تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے جس طرح فضائل میں سب ایک ہیں تو
حالات بھی زمانے کے معصومینؑ کیلئے ایک طرح کے پیدا ہورہے تھے اور اسی سے پتہ
چلتا ہے کہ اوّل انا محمدؐ و آخرانا محمدؐ واوسط انا محمد وکل انامحمد
سب کے فضائل ایک ہیں تو اسی طرح ہمارے علماء بھی ہمارے علماء کے بھی بعض
واقعات ایسے ہیں کہ جو ہر عالم کے لیے مشہور ہوگئے ہیں ایسا نہیں کہ ایک کا واقعہ ہے
دوسرے سے منسوب ہوگیا ہے نہیں بلکہ سب کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا ہوگا کردار بدلے
ہوئے ہوں گے اور ویسے یہ واقعہ کل چونکہ روانی میں صرف واقعہ بیان کرنا تھا آج اس
کا آخری حصہ بتادوں کہ جب علامہ حلی نے یہ خواب دیکھا تو اب یہ کیسے پتہ چلے کہ حلّی
نے جو خواب دیکھا ہے وہ سچ تھا کیسے پتہ چلے کیا تصدیق ہے کہ یہ خواب سچا تھا کہ
انہوں نے موسیٰؑ کو اور ختمی مرتبتؐ کو جنّت میں دیکھا تو خواب میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ
میں اس سن میں پیدا ہوا اور اس سن میں مر جاؤں گا۔ اس خواب کے واقعہ کو علامہ حلی نے

اپنی ایک کتاب کے حاشیہ پر لکھا واقعہ لکھنے کے بعد اپنا سن وفات لکھ دیا۔انتقال کر گئے جب واقعہ پڑھا گیا تو جو سن وفات لکھا تھا اُسی سن میں وفات ہوئی۔ سن وفات صحیح درج تھا اس لیئے خواب کی صداقت سامنے آ گئی یعنی خود جو بتا دے کہ میں اس سن میں مر جاؤں گا تو وہ کتنا سچا ہے اور اُس کا خواب کتنا سچا ہے تو کل ہم تاریخِ شیعیت کو تلاش کر رہے تھے اپنے بڑے بڑے علماء کی زندگی کے حالات پہ نامعلوم میں نے کتنا درمیان میں چھوڑ دیا اس لیئے کہ سارے علماء کے اگر صرف نام ہی لے لیں پانچ ہزار تو وہ ہیں جو صرف شہید کیے گئے، لبنان، عراق، شام و ہند میں صرف اُن کی فہرست پڑھیں تو ایک گھنٹہ گزر جائے گا ہم نے صرف خاص خاص لوگوں کے خاص خاص حالات سنائے کہ انہوں نے کس طرح اس تاریخ کی تدوین کی اور ابھی بہت باقی ہے شاید بیچ بیچ میں کہیں آ جائے برصغیر کے علماء ہیں پھر ایران کے علماء کی ایک فہرست ہے اور لبنان کے علماء کی ایک فہرست ہے عراق کے علماء ہیں نجف، حلہ، کوفہ، سامرہ، ہندوستان مختلف شہروں کے علماء ہیں ایران میں قم، مشہد، اصفہان، کرمان، مختلف شہروں کے علماء ہیں ظاہر ہے کہ اگر سب کا ذکر کریں گے تو ایک عشرہ ہو جائے گا ہم آگے بڑھتے جا رہے ہیں بہت تیزی کے ساتھ کل ہم علماء کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتا رہے تھے کہ کس طرح اُنہوں نے کتابیں لکھیں کیا اُن کا انداز تھا اور اکثر میں نے تقریروں میں کہا ہے کہ وہ دور جب یہ کتابیں لکھیں گئیں مختلف علوم پر تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، علم کلام، صرف ونحو و مناظرہ تو جس زمانے میں تدوین ہو رہی تھی جمع کیا جا رہا تھا یہ زمانے معصومینؑ کے زمانوں سے قریب تھے وہ لوگ حیات تھے جو سینہ بہ سینہ معصومینؑ سے سن کر آئے تھے اور وہ دَور تھا تدوین کا جمع کرنے کا دَور تھا صرف کاغذ پر منتقل کرنا تھا قلم سے اُس سارے خزانے کو جو دل و دماغ میں اور سینوں میں محفوظ تھا وہ دور تحقیق کا دور

نہیں تھا اس لیئے ہر لکھنے والے نے یہ لکھا کہ ہم کو اتنا موقعہ نہیں ملا کہ ہم ان حدیثوں کو پرکھ کر لکھتے کہ اس میں کون سی حدیث سچ ہے، کون سی جھوٹ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ پرکھنا اس لئے ضروری تھا کہ جس دین کے علماء یہ دعویٰ کر رہے ہوں کہ یہ دین حق ہے تو حق میں رجس کی ملاوٹ اگر ہو جائے تو دین کی صداقت پہ حرف آجائے اس لیئے لازمی تھا کہ تحقیق کی جائے لیکن وقت نہیں تھا تحقیق کا اس لیئے کہ جنگلوں میں صحراؤں میں چھپ چھپ کر دشمنوں سے چھپ کر بادشاہوں سے چھپ کر اس مقام پر جا جا کر کہ جہاں نہ قلم دستیاب ہے نہ کاغذ دستیاب ہے تو عباؤں کے دامن پھاڑ کر انگلیوں کا خون جاری کر کے انگلیوں کو قلم بنا کر عباؤں کے دامن پر کتابیں لکھی گئیں وہ دور ہے اس لیئے تو کہا کہ عالم کے قلم کی روشنائی کا ایک قطرہ شہداء کے خون کے قطروں پر بھاری ہے کس کے لئے کہا گیا جنہوں نے اپنی انگلیوں کو قلم بنایا اپنے لہو کو روشنائی بنایا ہر ایک کیلئے نہیں تو جو اس دور میں اس طرح لکھ رہا ہو وہ تحقیق کیسے کرے اسے جو ملتا جا رہا ہے درج کرتا جا رہا ہے لیکن یہ کیسے ہو کہ لکھ جائیں سب کچھ اور یہ پتہ نہ ہو کہ کیا سچ ہے کیا جھوٹ ہے تو آج یورپ کے سارے علماء حیران ہیں کہ تاریخِ شیعیت نے ایک ایسا علم ایجاد کیا جو دنیا میں کسی کے پاس نہیں تھا۔ دنیا کی تحقیق میں جرمن اسکالر سے بڑھ کر کوئی آگے نہیں نکل سکا تحقیق میں اور انہوں نے دنیا کے ہر مذہب پر ایسی تحقیق کر دی کہ اُس مذہب والا اُن سے آگے نہ بڑھ سکا، حد ہے کہ اس دائرے میں اسلام بھی شامل ہے قرآن پر جو تحقیق جرمن میں ہوگئی یا حدیث پر وہ اسلام والے نہیں کر سکے یعنی قرآن کا ایک ایک حرف گن لیا گیا ''الف'' کتنے ''ب'' کتنے ''ت'' کتنے ''ث'' کتنے اور ''ی'' کتنے ''زیر'' کتنے ''زبر'' کتنے ''پیش'' کتنے ''تشدیدیں'' کتنی ہیں۔ یہ سب جرمنوں نے کیا اور کون سا لفظ کتنی بار استعمال ہوا یہ کام قرآن پہ اسی ملک نے کیا اور وہی

ملک ہالینڈ اور جرمنی جس نے اسلام کا پہلا چھاپہ خانہ اور پہلی اشاعت کی وہیں سے اسلامی کتابیں بخاری اور مسلم وغیرہ پہلے ایڈیشن (edition) وہیں سے نکلے یہ پوری الگ تاریخ ہے کتب خانوں کی تاریخ ہے پریس (press) کی تاریخ ہے شیعیت کی اگر ذکر آیا تو اس میں تفصیل عرض کروں گا تو یہ ایسے محققین حیران ہو گئے اُس علم پر جس علم کی بنیاد تاریخِ شیعیت نے رکھی اُس علم کا نام ہے رجال کیا ہے علم رجال یعنی وقت نہیں تھا کہ تحقیق کر سکیں کیا سچ ہے کیا جھوٹ ہے یہ روایت سچی ہے یا جھوٹی ہے تو علم رجال کی بنیاد رکھ دی کہ جمع ہم نے کیا ہے ایک پیمانہ دے کر جا رہے ہیں، پرکھتے رہنا۔ دیکھئے علمِ رجال کیا ہے، جس کی بنیاد شیعہ علماء نے رکھی اور کائنات اس علم پر حیران ہو گئی وہ علم یہ ہے کہ اسلام میں جتنے راوی گزرے اُن سب کے نام لکھ دیئے آسان نہیں ہے کتنے راوی ہیں بعدِ رسولؐ مدینے کا ہر آدمی راوی بنا ہوا تھا بزمِ رسولؐ میں بیٹھنے والا ہر آدمی راوی بنا ہوا ہے۔ آسان نہیں ہے سب کے نام جمع کر دینا نام لکھے جس سے جو حدیث سنی اُس کا نام لکھا نام لکھ کر سلسلۂ روایت لکھا اس نے کس سے سنا اُس سے سنا اُس نے کس سے سنا اُس سے سنا، اُس سے سنا آخری سلسلے پر روک کر بتایا کہ یہ پورا سلسلہ جو آ رہا ہے اگر پچاس نام ہیں یا سو نام ہیں تو ہر ایک کے آگے لکھتے گئے یہ سچا راوی ہے یہ جھوٹا راوی ہے یہ سچا یہ جھوٹا یہ ہے علمِ رجال، اب آپ کو روایت ملی آپ نے دیکھا یہ روایت کس سے ہے ''الف'' سے ''ے'' تک نام دیکھے ''الف'' میں آپ نے تلاش کیا ابو ہریرہ آپ نے کہا ابو میں دیکھو ابو ہریرہ ابو ہریرہ کے آگے لکھا ہے کس سے روایت کرتے ہیں سچے ہیں یا جھوٹے بریکٹ (bracket) میں لکھا ہو گا دیکھ لیا پتہ چل گیا روایت سچی ہے یا جھوٹی کتنا آسان پیمانہ دے دیا جس کے پاس ایسا عظیم پیمانہ ہو روایتوں کے پرکھنے کا تو اس جدید دَور میں بغیر پرکھے وہ روایت کیسے پڑھے یعنی

آپ دو سو سال پیچھے ہیں آپ پچھلے زمانے میں پہنچ گئے ہیں ڈارون کی تھیوری (theory) میں پہنچ گئے ہیں جب انسان بندر تھا جب اُسے پہچان نہیں تھی ثقافت کی تہذیب کی کیا اُس دور میں پہنچ گئے جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھے گا تحقیق آگے بڑھتی جائے گی اور جیسے جیسے تحقیق آگے بڑھتی جارہی ہے تحقیق بتاتی جارہی ہے کہ وہ روایات دیکھئے روایات کے سورسز (sources) بہت تھے۔توریت سے روایات آئیں، انجیل سے روایات آئیں، زبور سے روایات آئیں، اصحاب سے روایات آئیں، ازواج سے روایات آئیں، غلاموں سے روایات آئیں، کنیزوں سے روایات آئیں، کدھر کدھر سے روایتیں آرہی تھیں پرکھنا بڑا مشکل تھا اب اِدھر یہ پرکھنا یہ یہودی روایت ہے یہ عیسائی روایت ہے یہ کمزور روایت ہے کون سی کنیز سے ہے، کس غلام سے ہے، کس صحابی سے ہے، ہر چیز کا معیار بتادیا کہ پرکھ لو پتہ لگالو، یہ تھا علم رجال جو علماء نے دیا اگر ایک ایک علم پر بولوں کہ کس عالم نے کس طرح کون سے علم پر، کون سی کتاب کس طرح لکھی اور اُس میں کیا ہے۔یقین کیجئے اگر صرف علامہ مجلسی کی بحارالانوار پر پڑھنا شروع کروں تو عشرہ کامل ہوجائے چھبیس (۲۶) جلدوں میں آئی ہے ایران سے، بھئی اُس وقت وہ (۲۶) جلدیں جو ہیں ناجہازی سائز اور یہ ضخامت اور ایسا لگتا ہے کہ سوئی سے لکھی ہیں، کتابت اب جب اس کو پھیلایا گیا تو وہ ایک سوتیس (۱۳۰) جلدوں میں لکھی گئی ہے، بس یہ تصور کیجئے کہ اُس آدمی نے ایک سوتیس (۱۳۰) جلدیں اپنے ہاتھ سے لکھیں کیسے، پہلی جلد توحید سے شروع کی توحید پر عدل پر، نبوت پر امامت پر قیامت پر، عصمت پر شہروں پر علماء پر شاعروں پر کچھ نہیں چھوڑا قرآن کا ایک ایک لفظ لے کر اُس کی تفصیل لکھ دی یعنی ''الف'' سے ''ی'' تک جتنے لفظ ''الف'' سے ہیں وہ لکھ دیئے ''ک'' لیا تو اب ''ک'' سے جتنی چیزیں بھی ہوں

کوفہ ہو کربلا ہو یا کوئی پھل ہو کوئی چیز ہو کوئی راوی ہو کوئی نام ہو کوئی شخصیت ہو کوئی جانور ہو سب کے بارے میں لکھا ہے، گویا شیعہ انسائیکلوپیڈیا (encyclopedia) تیار کیا، یہ تو ایک کتاب کی تاریخ بتا رہا ہوں، ایک کتاب کا یہ عالم ہے کہ سو جلدوں میں، پھر حیات القلوب ہے، جلاالعیون ہے، حق الیقین ہے، عین الیقین ہے، بے شمار علوم پر کتابیں ہیں اور اُس کے بعد حیات میں یہ لکھا گیا کہ پورا دن درس میں گزر جائے شاگردوں کو درس دیتے ہوئے شام کو روضے میں مجلسیں پڑھیں شہر میں کوئی مومن مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھائیں ہر ایک بیمار کی عیادت کو جائیں ہر جگہ نظر آئیں زیارات میں نظر آئیں روضوں پر نظر آئیں پڑھاتے نظر آئیں پھر کتابیں لکھیں یہ علماء کی زندگیاں ہیں تو اب یہ سارا سب کچھ یہاں تک پہنچایا ہے آج کا عالم کہتا ہے ہمیں تو فرصت ہی نہیں ہے۔ فرصت ہی نہیں ہے کتاب پڑھنے کی تو کتاب پڑھ کے مجلس کیسے پڑھیں تو کیسے فرصت ہوگی آج پھر منسٹر (minister) سے ملنا ہے کل وزیر اعلیٰ سے ملنا ہے آج یہ کرنا ہے اُس محلے کی سیاست کو سنبھالنا ہے اس محلے کی سیاست کو سنبھالنا ہے وہاں کی انجمن بازی یہاں کی انجمن بازی بھئی کتنی بیماریاں لے لی ہیں عالم نے عالم کا کام تھا لکھنا اور درس دینا اب ظاہر ہے کہ اگر عالم مذہبی رہنما بن جائے سیاسی رہنما بھی بن جائے اور معاشرے کے ہر پہلو کا رہنما بن جائے تو وہ کیا اور کیسے کام کرے گا تو اسی لیے شعبے بانٹ دیئے تھے یہ واعظ ہے وعظ کرے یہ مجتہد ہے اجتہاد کرے یہ ذاکرِ حسینؑ ہے ذکرِ حسینؑ کرے، یہ خطیب ہے خطابت کرے، یہ مصنف ہے کتاب لکھے شعبے بٹے تھے ایسی ہوس بڑھی کہ ہر شعبہ ہمارے پاس آجائے بھئی برا نہیں مانیں کسی ایک کو تھوڑی کہہ رہا ہوں بین الاقوامی تبصرہ ہے میرے بھائی گڑھے ہیں پانی نہیں مرنا چاہیے آپ اپنے اپنے پسندیدہ کی طرف

جار ہے ہوں گے تو میں آپ کے دماغوں کا ذمہ دار نہیں ہوں میں بین الاقوامی بات کہہ رہا ہوں اس میں سب شامل ہیں میں بھی شامل ہوں ادھر بھی پانی آرہا ہے کیوں پریشان ہیں آپ صلوٰۃ تو پڑھیں۔لیکن کیسے قدردان تھے وہ کہ بڑے بڑے بادشاہ ترستے تھے کہ ایک جھلک دیکھ لیں کتاب سینے پہ رکھ کے پڑھ رہے ہیں سیاہ ہو گیا سینہ گٹھے پڑ گئے کسی نے شکل نہیں دیکھی عرصہ گزر گیا بادشاہ پیغام بھیجتا رہا بغیر نام لیئے پڑھ رہا ہوں واقعہ ذکر آیا تو نام لے دوں گا کہ ایک جھلک دکھا دیں جواب نہیں دیا ملاقات نہیں بات چیت نہیں جھلک دکھا دیں جب بڑا اصرار بڑھا وزراء وہاں تک پہنچ نہیں پا رہے ہیں صرف پرچے جا رہے ہیں تو بس اتنا کہا کہ اچھا بس یہ جواب آیا اچھا بادشاہ کی سواری آئی پردہ ہٹایا حجرے سے چہرہ باہر نکلا کہا دیکھ لیا یہ کہہ کر پردہ ڈال دیا پوری زندگی میں بادشاہ نے عالم ایک بار دیکھا ایک بار ایک جھلک چہرہ دیکھا تھا بس دیکھ لیا پردہ پڑ گیا اس طرح رہے ہیں تنہائیوں میں تب اتنے عظیم عالم نہ ہوتے درباروں میں ہی پڑے رہتے حالانکہ یہ جتنے بھی علماء ہیں جن کا کل نام لیا سب کا دور شاہیوں کا دور ہے اور پہلی شیعہ حکومت جو ایران میں قائم ہوئی وہ آلِ بویہ کی حکومت ہے ایک سو سینتالیس سال یہ حکومت برقرار رہی اور یہ حکومت پورے ایران، ترکی، قسطنطنیہ اور بغداد تک پھیلی ہوئی تھی اور اتنی عظیم حکومت تھی اتنی دولت مند حکومت تھی کہ عضد الدولہ، معز الدولہ، سیف الدولہ، صمصام الدولہ یہ بڑے بڑے بادشاہ ہیں اس عہد کے یہی دور ہے شیخ صدوق کا اور ہر بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ کتابیں لکھ جائیں، ہر محلے میں ایک کتب خانہ ہر کتب خانے میں آٹھ لاکھ کتابیں عوام کا عالم یہ تھا کہ سوائے علم کے عوام کچھ بولتے ہی نہیں تھے۔ایران کی پہلی حکومت ہے آلِ بویہ اور حکومت کے مشغلے یہ ہیں کہ پورے ملک میں بغداد سے لیکر ترکی کی سرحد تک اور روس کی سرحد تک جو جشن

منایا جاتا ہے حکومت کی طرف سے اُس جشن کا نام ہے جشن عید غدیر، تفصیل دے رہا ہوں میں آپ کو جشن عید غدیر اور یہ جشن اس طرح منایا جاتا تھا کہ بادشاہ اپنے قصر سے نکل کر شاہی لباس میں آتا تھا اور زریں کمر غلام بہترین لباسوں میں شاہی لباس میں اور پورے فوجی دستے سجے ہوئے آتے تھے شہر میں مرکزی جلسہ گاہ میں، بارگاہ میں اور پورا شہر جمع ہوتا تھا بادشاہ بیٹھتا تھا عالم منبر پر جاتا تھا پہلے وہ خطبۂ غدیر جو رسولؐ نے پالانِ شتر پر پڑھا تھا پورا خطبہ پڑھا جاتا تھا اُس کے بعد غدیر کے فضائل علیؑ بیان کیے جاتے تھے جب عالم منبر سے اُترتا تھا پورا مجمع غدیر کے شکرانے میں دو رکعت نماز پڑھتا تھا نماز تمام ہوتی تھی سب گلے ملتے تھے عید ملتے تھے اور اس کے بعد پورے شہر کو لباس عید بٹنے لگتا تھا یہ پورے ملک کی عید تھی اور جو انداز عید کا تھا وہی عاشورے کا تھا بادشاہ خود جلوس میں سر برہنہ پیروں میں نعلین نہیں، سر پہ خاک پڑی ہوئی جلوس میں ساتھ ساتھ چلتا تھا، پورے ملک میں سیاہ پرچم پہلی محرم سے لہرا دیئے جاتے تھے اور پورے ملک میں گوشت کی دکانیں بند ہو جاتیں تھی کوئی بھی گوشت نہیں کھاتا تھا یہ ہے شیعیت کی تاریخ، گوشت کی دکانیں بند ہو جاتی تھیں، راگ اور رنگ کی محفلیں برخواست کر دی جاتی تھیں یہ حکم تھا کہ عورتیں پردوں میں نکلیں چہرے پر نقابیں ڈال کر یہ ہے شیخ صدوق کا زمانہ ایک سو سینتالیس برس اس طرح گزرے یہاں یہ تاریخ ایران سے بغداد تک پروان چڑھ رہی تھی کہ ایک بار حضرت امام جعفر صادقؑ کل بھی عرض کیا تھا اور اس سے پہلے بھی کہ اُن کے سب سے بڑے بیٹے کا نام اسماعیل تھا اور جب ان کی وفات ہوگئی تو ایک فرقہ الگ ہوگیا جو ان کو امامِ آخر مانتا تھا اور کہتا تھا وہ زندہ ہیں مرے نہیں، انہیں اسماعیل کے پروتے عبداللہ جب بغداد میں فساد شروع ہوا تو ساداتِ جعفری نکل نکل کر مصر چلے گئے جب بنی عباسیوں نے بنی اُمیہ کو قتل کیا تو کل

بتایا تھا کہ صرف بغداد میں عباسی سولہ لاکھ قتل ہوئے اس سے کہیں زیادہ عباسیوں نے بنی اُمیہ کو قتل کیا تھا اور صرف قتل نہیں کیا تھا جو مر چکے تھے اُن کی قبروں کو کھدوا کر لاشے نکال کر، ہڈیوں کو نکال کر، اُن کو جلا کر راکھ بنا کر ہوا میں اُڑا دیا تھا یہ عباسیوں نے کیا بنی اُمیہ کے ساتھ جو بھاگ سکے وہ بھاگ کر دو ملکوں میں نکل گئے ایک اسپین میں اور ایک ترکی میں اور وہاں جا کر بنی اُمیّہ کے بچے کھچے لوگوں نے اپنی حکومت کی کوششیں شروع کیں اسپین جو اُندلس کہلاتا تھا اُس وقت اسپین اور ترکی میں جسے آپ ٹرکی کہتے ہیں دو جگہوں پر وہ اپنی حکومتوں کو مستحکم کرنے کی کوششیں کر رہے تھے اور بعد میں آلِ بویہ سے ایران سے ترکی کے بنی اُمیّہ نے ہی جنگیں کیں اور ادھر اسپین میں مصر کی حکومت سے جس کا ذکر کرنے جا رہا ہوں بے شمار لڑائیاں ہوئیں اور اُس کے بعد صلاح الدین ایوبی کی صلیبی لڑائیاں شروع ہو گئیں جن کا ابھی ذکر آئے گا اور اس طرح مسلمان کمزور ہونے لگے یہ ہے پوری تاریخ جو مختصر سی عرض کر دی۔ امام کے پروتے مصر آئے اور یہاں آنے کے بعد اُنہوں نے ایک حکومت کی بنیاد رکھی اس حکومت کا نام ہے حکومتِ فاطمینِ مصر یہ سب اپنے آپ کو فاطمی کہلاتے تھے کہ ہم جنابِ فاطمہؑ کی اولاد ہیں اور تھے جنابِ فاطمہؑ کی اولاد تھے، عقیدے میں درست اس لیئے نہیں تھے کہ صرف چھ اماموں کو مانتے تھے، لیکن اُن چھ اماموں تک جو عقیدہ تھا وہ وہی عقیدہ تھا جو تاریخ شیعیت کا عقیدہ تھا، یہ حکومت اتنی مستحکم ہوئی کہ چار سو سال یہ حکومت رہی، چودہ بادشاہ اس حکومت میں گزرے اس حکومت کی حدود جو تھیں وہ سن لیجئے، قاہرہ دارالحکومت تھا مصر ملک ہے قاہرہ شہر ہے، دارالحکومت ہے مرکزی ملک مصر ہے قاہرہ دارالحکومت ہے پورا افریقہ پورا لیبیا پورا لبنان پورا شام اور اُردن تک اور اُدھر بغداد تک اور اُدھر اٹلی تک یہ پورا ایریا (area) فاطمینِ مصر کے پاس تھا، یعنی

اُس وقت کرۂ ارض پر فاطمینِ مصر سے بڑی حکومت کسی کی نہیں تھی، جو حکومت اولادِ فاطمہؑ نے بنائی پانچ سو سال تک اُس سے بڑی حکومت کرۂ ارض پر نہیں آئی اور اتنی ترقی دی علوم کو کہ ایک ایک کتب خانے میں بتیس لاکھ کتابیں تھیں ہر علم پر اور اب سنیئے کہ قاہرہ میں جو قصر بنا تھا دو قصر ایک ہی منظر کے بنے ایک قصر الغربی تھا دوسرا قصر البحر تھا دونوں ایک ہی انداز کے تھے اور ہر قصر میں چودہ چودہ گنبد تھے اور ہر گنبد کے نیچے جو عمارت تھی اُس میں چودہ چودہ دروازے تھے داخلے کیلئے اور ہر دروازے پر پانچ سو پیادے اور پانچ سو سوار پہرہ دیتے تھے، ایک ہزار زرّیں کمر غلام خدمت کیلئے کھڑے رہتے تھے، اب حساب آپ لگایئے ارتھمیٹک (arithmetic) کا چودہ گنبد ہر گنبد کے نیچے چودہ دروازے ہر دروازے پر پانچ سو پیادے، پانچ سو سوار، بادشاہ جس قصر میں رہتا تھا وہ دونوں قصر باغات سے گھرے ہوئے تھے، جب انگریز سیاح آتے تھے تو وہ حیران ہو کر کہتے تھے کہ جنّت ہم نے پہلی بار زمین پر دیکھی ہے اس وقت رومی حکومت ہالینڈ فرانس کچھ بھی نہیں تھا صرف اِٹلی کی حکومت تھی شاہِ روم تھا عیسائی بادشاہ تھا لیکن محدود حکومت تھی چودہ بادشاہ ہوئے اور یہی عہد ہے کہ جب پہلی بار مسجدوں میں اب آپ خود سوچئے کہ افریقہ سے لیکر بغداد تک لیبیا، لبنان، شام سارے ملک اس میں شامل تھے اور ہر ملک اور ہر شہر میں کتنی مسجدیں ہوں گی اور ہر مسجد میں ایک ہی وقت میں ''علیؑ ولی اللہ'' کی صدا ایک ساتھ آتی تھی۔ یہ نہیں ہے کہ آپ کہہ دیں کہ حیدرآباد دکن میں چار سو سال پہلے اذان میں آیا، اودھ میں آیا، نہیں تاریخ بول رہی ہے کہ فاطمینِ مصر کے عہد میں افریقہ سے لے کر بغداد تک ہر مسجد سے ہر اذان میں ''علیاً ولی اللہ'' پکارا جاتا تھا تو وہ بچے جو گمراہ ہو گئے ہیں ''علیاً ولی اللہ'' کے مسئلے پر وہ اپنی تاریخ تو پڑھیں اگر اپنے ماں باپ کا کہا نہیں مانتے تقلیدی مذہب پر نہیں چلنا چاہتے تو

تحقیقی مذہب پر چلیں تو تاریخ تو پڑھیں یعنی جو بارہ کو مان رہے ہیں وہ "علمیاؤلی اللہ" کو غلط سمجھ رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ علماء آپ کے بادشاہ ہیں جو آپ کے علماء کریں گے وہ آپ کریں گے اگر آپ کے علماء درس دیں سر پہ ٹوپی نہیں رکھیں گے تو آپ بھی نہیں رکھیں گے جب آپ کے علماء عاشور کے دن ننگے پیر آئیں گے تب آپ بھی آئیں گے جو وہ کریں گے وہ آپ کریں گے یا پھر آپ انہیں بتائیں کہ نہیں ہم ایسا کرتے ہیں تو آپ بھی ایسا کریں جس طرح امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے بوڑھوں کو وضو کرنے کا طریقہ سکھایا تھا تو آپ سیرت حسنینؑ پر چل کر بتایئے بھئی کچھ آپ بڑھیے یا آپ بڑھیے اصلاح کیسے ہوگی یہ ہے پورا ملک فاطمینِ مصر کا اور اسی عہد میں امام سیّد الساجدین کے ایک بیٹے زید ہیں جو زید شہیدؒ کے نام سے ہیں زید کے بیٹے یحییٰ بن زیدؒ ہیں وہ بھی شہید ہوئے اور انہوں نے بھی جہاد کیا تھا بادشاہِ وقت کے خلاف وہ بھی شہید ہوئے اُن کی بیٹی کا نام تھا زینبؒ، زینب بنتِ یحییٰؒ بن زید بن علیؑ ابن الحسینؑ بن علیؑ یہ ہے پورا شجرہ اُسی عہد میں فاطمینِ مصر کے عہد میں مدینے سے مصر آئیں اور ان کی شادی امام صادق کے تیسرے بیٹے اسحٰق ابن جعفر صادق سے ہوئی جس وقت مصر میں یہ آئیں غور سے سنئے گا امام کی پروتی ہیں فاطمین مصر کے عہد میں مصر میں قاہرہ میں آئیں جس وقت یہ آئیں بادشاہ خود پابرہنہ سواری کے استقبال کو گیا اور عورتوں کا اتنا مجمع تھا کہ تاریخ میں نہیں دیکھا گیا ان کے استقبال کیلئے اور خود بالنفس نفیس امام شافعی فتوے پوچھنے ان سے آئے ایک امت کا امام اہل بیتؑ کے گھرانے کی عورت سے فتویٰ پوچھتا ہے پھر امام کیسا ہوگا امام کیسا ہوگا جس کی فقہ کے پرتو میں فقہیں بنیں اور جب تک قاہرہ میں رہیں بہت احترام رہا بی بی کا احترام رہا اور اسی بی بی نے جب وفات پائی تو مصر میں آپ کا روضہ بنا آج

مصر والے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ زینب علیؑ کی بیٹی ہیں لیکن اُن کا سمجھنا کوئی حرج نہیں ہے اس لیئے کہ یہ بھی علیؑ کی بیٹی ہیں اور وہ بھی علیؑ کی بیٹی ہیں۔ حضرت علیؑ کی بیٹی جنابِ زینبؑ کا مصر میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ جنابِ زیدؑ شہید کی پوتی، یہ سیّد سجادؑ کی پروتی ہیں اور یہ علیؑ کی پروتی ہیں اسی علیؑ کی نسل میں جس علیؑ کی نسل میں یہ زینبؑ تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے اور اُس روضے کا احترام اُسی طرح ہوتا ہے جیسے اس بی بی کے روضے کا احترام ہوتا ہے، قابلِ مبارک باد ہیں مصر والے جو ہر سال منوں سونے کی ضریح چڑھا دیتے ہیں قدر کرتے ہیں جانتے ہیں کہ آلِ محمدؐ کے گھرانے کی بی بی کا مرتبہ کیا ہے اور یہی عہد ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ منصور کے خزانے سے سرِ حسینؑ کو نکالا گیا اور فاطمینِ مصر قاہرہ لے گئے اس کو میں مصائب میں عرض کروں گا کہ اس کی حقیقت کیا ہے اس لیئے کہ نا معلوم کتنے سر تھے کہ یزید کے مرنے کے بعد اُن سروں کو لوگ یہ سمجھتے رہے کہ یہ حسینؑ کا سر ہے حسینؑ کا سر اُن کے بیچ میں نہیں رہا لیکن جن شہداء اور جن اصحاب نے قربانی دی کہ ہم حسینؑ کا سر بن کر یہاں رہ جائیں تاکہ حسینؑ کے سر کی تلاش نہ ہو، اُن میں سے ایک سر تھا جو قاہرہ گیا تو جو منسوب ہو گیا، آج اُس جگہ کا یہ عالم ہے کہ لاکھوں انسان روز شام کو وہاں سجدہ کرتے ہیں ایک مینار ہے بلند کہا جاتا ہے اُس مینار کے اُوپر وہ سر رکھا ہوا ہے ایک شیشے کے صندوق میں اور وہ راس الحسینؑ مصر میں قاہرہ میں دیکھنے والی جگہ ہے اور یہی فاطمینِ مصر تھے جنہوں نے علوم کے دریا بہا دیئے اور دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی جامعۂ ازہر کی بنیاد رکھی، فقہ جعفری کی بنیاد پر بنیاد رکھی اور اُس کے ساتھ بادشاہ نے یہ کہا تھا ہر علم پڑھایا جائے گا فلسفہ بھی سائنس بھی کیمیا بھی ہر علوم پڑھایا جائے گا الگ الگ کلاسز ہیں اور اُس سے بڑی یونیورسٹی روئے زمین پر نہیں تھی مصر میں جامعۂ ازہر، ازہر کے معنی ہیں روشنی اس لفظ کو لیا لفظ

زہرائؑ سے آج تک لفظِ از ہر یادگار بنا ہوا ہے، زہرا کی یادگار زہرا کے فرزندوں نے تعلیم گاہ بنائی، یہ دوسری بات ہے کہ صلاح الدین ایوبی جو آخری خلیفہ کا وزیر تھا اُس کی سازش سے اسپین نے حملہ کیا اور وہاں فقہ مالکی پھیل گئی اور آج مصر میں مدرسہ جو فقہ جعفری کا مرکز تھا چاروں فقہوں کا مرکز بن گیا اب سے پچیس (۲۵) برس پہلے تک فقہ جعفری پر وہاں پابندی تھی لیکن بحث ہوئی مباحثہ ہوا خطوط گئے مناظرے ہوئے اور اُس کے بعد یونیورسٹی کو فقہ جعفری کو لازمی قرار دینا پڑا اور اب پڑھائی جارہی ہے اپنے مرکز پر علم پھر واپس آگیا ہے مصر میں اور یہ مصر کے ہی علماء ہیں کہ عقاید بدل گئے حکومت بدل گئی وہ انداز نہ رہا لیکن آج پلٹ کر قلم لکھنے پر مجبور ہوگیا تاریخ کی حقیقت یہ تھی طٰہٰ حسین کا قلم بولا تو تاریخ میں کیا کیا حقیقت تھی اسی کے پرتو نے مودودی نے لکھ کر بتایا کہ خلافت اور ملوکیت میں دیکھو کس کا دور کمزور تھا اور کس میں سازش ہوئی یہ مصر تھا جہاں سے اُس قلم نے لکھ کر یہ بتایا یہ مصر کی تحقیق ہے مذہب مالکی ہے مذہب شافعی ہے لیکن قلم مجبور ہوا لکھنے پر کہ ایک بار جب عبداللہ ابن عمر نے یزید کو خط لکھا بہت برا کیا تو نے حسینؑ کو قتل کر دیا تو اُس نے جواب میں لکھا اے عبداللہ ابن عمر جہاں بیٹھے ہو خاموش بیٹھے رہو اگر تم نے حسینؑ کے قتل کے خلاف آواز اٹھائی تو ہمارے خزانے میں تمہارے باپ کا خط ہے وہ شائع کر دیا جائے گا جو تمہارے باپ نے ہمارے باپ کو وصیت کی تھی کہ اہل بیتؑ کو قتل کرتے رہنا اور حسینؑ کو قتل کر دینا کیا خط شائع کر دیں، ہم نے کسی کی وصیت پر عمل کیا ہے، یہ مصر نے خط شائع کیا کس کا خط اگر لوگوں کے سمجھ میں نہیں آیا ہے نام میں نہیں لے سکتا تمہیں پھر سمجھا رہا ہوں امام صادقؑ سے پوچھا گیا حسینؑ کس دن قتل ہوئے کہا یومِ جمعہ کچھ دن کے بعد پھر راوی نے پوچھا کون سا دن تھا کہا یومِ پیر بحثیں ہونے لگیں لوگ آئے کہا ایک بار آپ نے کہا تھا یومِ جمعہ ایک دن

آپ نے کہا یومِ پیر، کہا پھر تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو، یومِ پیر ہی قتل ہوئے، عاشور جمعہ کو پڑا تھا، لیکن حسینؑ پیر کو قتل کر دیئے گئے پیر کو رسولؐ کی وفات ہوئی تھی، اُسی دن سقیفہ ہوا، حسینؑ سقیفہ میں قتل کر دیئے گئے، سقیفہ کے کردار کا خط وہ معصوم کی حدیث تھی، مصر نے خط شائع کر دیا قاتلِ حسینؑ کون ہے اب اسی لیئے تو کہتے ہیں کہ معصومین نے کیوں کہا کہ عملِ عاشورہ ضرور کیا کرو جب عملِ عاشورہ کرو گے تو پتہ چلے گا کہ اس میں کیا پڑھا جاتا ہے حسینؑ کے قاتلوں کا نام پتا چلتا ہے اعمالِ عاشورہ میں اس لئے کہ تاکید ہے کہ عاشورہ کے دن اعمالِ عاشورہ کیا کرو مصر نے شائع کیا خط یہاں تک کہ پانچ سو سال فاطمین مصر کی حکومت رہی اور اُس کے بعد جب اسپین نے حملہ کیا اور بنی اُمیّہ کا پھر غلبہ ہو گیا شاہِ روم کے ذریعہ سے وہ رومی بادشاہ عیسائی بادشاہ جو بنی اُمیّہ کی مدد کرتا ہے فاطمینِ مصر کی حکومت ختم کر کے بنی اُمیّہ سے فلسطین چھین لیتا ہے اور اسپین سے عیسائی بنی اُمیّہ کو بھگا دیتے ہیں۔ مسلمانوں نے حق کو ختم کرنے کیلئے شرک کی مدد کی تھی اُسی شرک نے پلٹ کر ایسا ختم کیا کہ آج مسجد قرطبہ گرجا بن گئی یعنی مسلمانوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بنیادوں کو کھوکھلا بنایا فلسطین بیت المقدس کو آزاد کرا لیا یہاں تک کہ فاطمین مصر کی حکومت ختم ہو گئی لیکن ایران کی وہ حکومت جو آلِ بویہہ نے جس کی بنیاد رکھی تھی ایک سو سینتالیس برس بعد صفوی بادشاہ نے اُسے پھر مستحکم کیا اور یہ علامہ مجلسی کا دَور ہے ان بادشاہوں نے صفوی بادشاہوں نے جن کا پہلا صفی الدین تھا جو امام موسیٰ کاظمؑ کا پوتا تھا اُس نے اس حکومت کی بنیاد رکھی اور یہ حکومت ڈھائی سو سال تک برقرار رہی یہ پہلی حکومت ہے جس نے ہر معصوم کے روضے پر گنبد بنوائے، مینار بنوائے، چار دیواری بنوائی، باغات وقف کیے شہروں کی تمام مالیات کو روضوں کے نام کر دیا بازار بنوا کر دکانوں کے کرائے منسوب کر دیئے اور ہر روضہ خود کفیل ہو گیا

چندے کا محتاج نہیں رہا کسی شاہی کا محتاج نہیں رہا بغداد و خراسان و کربلا و نجف اور یہی دور تھا کہ جب ہر روضے کا گنبد سونے کا بن گیا، اس سے اندازہ کیجئے کہ صفویوں کی دولت کا کیا عالم تھا اندازہ کیجئے یہ دور بھی گزرا اور اسی دور میں علامہ مجلسی نے علمی کارنامے دکھائے شاہی کی سر پرستی میں اور اس کے بعد قاچاری دَور آیا قاچاری دَور میں ناصر الدین قاچار آخری بادشاہ ہے، میں مختصر عرض کرتا جارہا ہوں کیونکہ مجھے آگے بڑھنا ہے، ناصر الدین قاچار آخری بادشاہ ہے اور ہمارا عالم آقائے میرزا بس یوں سمجھئے جیسے آج کل آیت اللہ خوئی سے پہلے آیت اللہ محسن حکیم ان سے پہلے آیت اللہ آقائے بروجردی ان سے پہلے آغا اصفہانی ان سے پہلے آیت اللہ شیرازی ان سے پہلے آقائے میرزا ترتیب سنادی میں نے۔ یہ ناصر الدین قاچار کا دَور ہے اور یہی دور ہے کہ جب ''روضۃ الشہداء'' کتاب لکھی گئی اور ذاکری کا یہ انداز منبر پر بیٹھ کر پڑھنے کا ایجاد ہوا لیکن ذاکر الگ تھا عالم الگ تھا مجتہد الگ تھا جب ناصر الدین قاچار نے چاہا کہ عالمِ وقت مجلس پڑھے اور کہا گیا بادشاہ کے وزیر نے جاکر کہا تو مجتہد نے کہا ہمارا منصب یہ نہیں ہے بھئی الفاظ پہ غور کریں ذکر حسینؑ کرنا بہت بڑا مرتبہ ہے یہ ہمارا منصب نہیں ہے ہم اُس منبر پر نہیں جاسکتے عالم نے کہا وزیر نے کہا کہ بادشاہ کا اصرار ہے کہا اچھا منبر نہ رکھنا لیکن بادشاہ سے کہنا میدان میں پورا لشکر لے کر آجائے عاشور کے دن صبح کو ہم مجلس پڑھ دیں گے بادشاہ آیا حکم تھا کہ سب ہتھیار لگا کر آئیں فوجی سارے فوجی ہتھیار لگا کر آئے کمر میں تلواریں اور خنجر لگے ہوئے تھے بادشاہ بھی ہتھیاروں سے لیس آیا، عالمِ وقت آیا یہ ہے خطابت کی پہلی شان خطابت، بنیاد یہاں سے پڑی خطابت کی، عالم آیا اور اُس نے ایک بار چاروں طرف پورے لشکر پر نظر ڈالی اور اس کے بعد سلطان کی طرف مڑ کر کہا اے سلطان یہ تیرا لشکر اور تو عاشور کے دن کہاں تھا

مجلس ختم ہوگئی تاریخ میں یہ ہے کہ سپاہیوں نے خنجر نکالے اور سینوں پر مار لیئے، یہ
ایران میں قمع کا ماتم ہوا ہے، جس کی بنیاد توابین نے رکھی تھی کربلا میں اس طرح تسلسل
ہے آقائے میرزا اتنے بیدار مغز تھے کہ جب بادشاہ نے انگریزوں سے معاہدہ کیا اور
یورپ نے یہ کہا کہ ہم ایران سے معاہدہ کرنا چاہتے ہیں تجارت کا تو آقائے میرزا نے
کہا یہ تجارت کا معاہدہ نہیں ہے بلکہ ایران کا بیع نامہ ہے ہم انگریزوں کی سیاست سمجھتے
ہیں وہ ایران پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں دیکھیے بادشاہ کا کام ہے سیاست وزراء کا کام ہے
سیاست عالم کی نظر کہاں جارہی ہے اُنہوں نے کہا کیا معاہدہ ہوا ہے کہا یورپ نے پہلا
معاہدہ یہ کیا ہے کہ اپنے ہاں کی ساری تمبا کو، سگریٹ نوشی کی وہ ایران کے ہاتھ، جتنے
جہاز ہیں وہ سب اتار دیئے جائیں گے، جہاز آرہے تھے ساحل پر اترنے والے تھے
کہ ایک بار آقائے میرزا نے فتویٰ نکالا ایران میں تمبا کو پینا حرام ہے حقے ٹوٹ ٹوٹ
کر چوراہوں میں جمع کر دیئے گئے، لوگوں نے سگریٹ پینا چھوڑ دی، حقے پینا چھوڑ
دیئے جہاز سارے واپس چلے گئے معاہدہ ٹوٹ گیا، ایران کو بچا لیا انگریزوں کے قبضے
سے، اِسے کہتے ہیں عالم، بس بھئی یہی دَور تھا کہ فاطمینِ مصر پریشان تھے بنی اُمیہ سے
اور مکے اور مدینے میں جیسے جیسے ترکوں کا تسلط بڑھتا جارہا تھا ترکی ایران پر حملہ کر کے
مکے اور مدینے تک بڑھے، مکے اور مدینے کے سادات نکل نکل کر اب رخ کر رہے تھے
ہندوستان کا اور اُسی دَور میں نادر شاہ دُرّانی کا ذکر چھوڑ رہا ہوں، تیمور لنگ پر آرہا ہوں
اس لیئے کہ تسلسل مل جائے تاکہ میں اور آگے بڑھ جاؤں اور تقریر کو ختم کر دوں۔ تیمور
لنگ ہلاکو کا ذکر آپ سن چکے ہیں، ہلاکو کا پوتا تھا تیمور لنگ اور عجیب بادشاہ ہے، کئی لاکھ
کا لشکر لے کر نکلا اور اڑتیس لاکھ انسانوں کو قتل کیا بعض تاریخوں میں رقم ہے کہ پچاس
لاکھ انسانوں کا خون بہایا اور تزکِ تیموری میں خود لکھتا ہے کہ مجھ کو خواب میں آ کر رسولؐ

نے یہ کہا کہ تیمور تم نے بہت خون بہایا ہے لیکن ہم تم سے صرف اس لیئے خوش ہیں کہ تم ہماری اولاد کے محبّ ہو، خود لکھا ہے اُس نے، کیا صداقت ہے مجھے نہیں معلوم اور اُس نے لکھا ہے کہ میں حنفی سنی ہوں، مذہباً لیکن کیا کروں کہ جب میں حملہ کرتا ہوا ایران سے نکل کر عراق میں پہنچا تو مجھ کو وہاں اطلاع دی گئی کہ کوفہ میں شیخ زید ایک ایسے بزرگ موجود ہیں جن کے پاس وہ چادر ہے جو جنابِ فاطمہؑ کے ہاتھ کے سوت کی بنائی ہوئی ہے تو میں اُن کے گھر پر پہنچا میں اُن کے قدموں پر گر پڑا اور میں نے کہا یہ چادر میرے حوالے کر دیجئے انھوں نے وہ چادر میرے حوالے کی، میں نے اُس چادر کو سر پر لپیٹا وہ دن اور آج کا دن میں کبھی فتوحات میں شکست کھا کر نہیں آیا، چادر زہراؑ کا سایہ حنفی بادشاہ کے سر پر رہا، اتحادی تقریریں ہو رہی ہیں نا، تزکِ تیموری میں وہ لکھتا ہے کہ رات کو میں نے خواب دیکھا کہ مولائے کائنات میرے خواب میں کھڑے تھے اور انہوں نے کہا کیا نجف کی چار دیواری نہ بنائے گا اور سن یہ رومال لے کر جا اور حسینؑ کی قبر پر ضرور جانا، پھر ہندوستان کا رُخ کرنا، کہتا ہے میں اٹھا، رو رہا تھا، اسی رونے کے عالم میں مَیں نے حکم دیا کہ نجف کے آس پاس کے سارے باغات نجف کیلئے وقف کر دیئے جائیں اور قیامت تک یہ وقف رہیں گے، ان کا سارا خرچہ نجف کیلئے ہوگا اور بہترین روضے کی چار دیواری مدرسہ تعمیر کیا جائے اور حجرے تعمیر کیئے جائیں حکم دے کر کربلا کی طرف چلا، جب کربلا پہنچا تو وہاں کے مجاوروں نے قبرِ حسینؑ سے ایک ضریح تیار کی خاکِ شفا کی اور تیمور کو پیش کی، تیمور تزکِ تیموری میں لکھتا ہے کہ جب میں حملہ کرنے کہیں جاتا تھا تو وہ ضریح آگے آگے چلتی تھی، ایک عماری کے اوپر اور اُس ضریح سے شبِ عاشور کسی کے رونے کی آواز مجھے آیا کرتی تھی، وہ ضریح میں نے دہلی کے قلعے میں لا کر رکھی تھی، پچھلے سال علی گڑھ کے ایک بزرگ ہیں انھوں نے سوال کیا تھا

کہ تیمور کی وہ ضریح جو کربلا سے خاک شفا کی لایا تھا وہ اب کہاں ہے تو میں اُن کو بتا رہا ہوں کہ تیمور ایک ضریح نہیں لایا تھا، بلکہ کربلا کی خاک کا ایک علم بھی بنا کر اُسے دیا گیا تھا، جس میں پنجہ اور چھڑ بھی تھی اور ایک ضریح بنا کر دی گئی تھی اور کچھ اور تبرکات تھے جس میں خاکِ شفا کی تسبیح بھی تھی، وہ ضریح جو تیمور لنگ کو کربلا میں دی تھی مجاوروں نے وہ ضریح اس وقت ہندوستان کے شہر محمود آباد میں مہاراجہ محمود آباد کے امام باڑے میں رکھی ہوئی ہے اور وہ تبرکات جو عَلم اور تسبیحات تھے جب آپ لال قلعہ لاہور میں داخل ہوں گے تو دروازے پر جو چیزیں شوکیس (show case) میں رکھی ہوئی ہیں وہ سب تیمور کی رکھی ہوئی ہیں، تیمور ہندوستان آیا اور وہ وہی خواب تھا جس میں امام حسینؑ نے ہم سے آ کر کہا تیمور یہ دو چیزیں ہیں یہ تعزیہ ہے یہ ضریح ہے یہ ضریح جو ہے یہ ہمارے روضے کی نقل ہے لفظ تعزیہ، تعزیت سے نکلا ہے، اس لئے زینبؑ سے منسوب ہے اور ضریح حسینؑ سے منسوب ہے اور یہ تعزیہ جس کا نام ہے یہ ہماری بہن کی عماری کی نقل ہے اور ہندوستان میں تعزیہ اور ضریح کا موجد تیمور لنگ ہے، تیمور لنگ شیعہ نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے سنیوں نے بھی تعزیہ رکھا، شیعوں نے بھی تعزیہ رکھا، تعزیہ اتحاد کی نشانی بن گیا، فقہی بحث ہوگی اختلافات بڑھیں گے، جب عزاداری کی بات ہوگی، اتحاد ہوگا، یہی تیمور لنگ ہے جس کا پرپوتا ظہیر الدین بابر ہے، ظہیر الدین بابر کا بیٹا نصیر الدین ہمایوں ہے، اس کا بیٹا جلال الدین محمد اکبر ہے، اس کا بیٹا نور الدین سلیم ہے، اُس کا بیٹا شہاب الدین شاہ جہاں ہے، اُس کا بیٹا محی الدین اورنگ زیب ہے اور پھر اس کے بعد اس کا بیٹا عالمگیر ثانی ہے، معظم جاہ ہے اور فرخ سیّر اور بہادر شاہ ظفر اول ہے، بہادر شاہ ظفر ثانی ہے ایک پورا مغل دور ہے لیکن میں مغل دور کو اس طرح مختصر کر رہا ہوں ہمایوں ایران گیا یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہندوستان

بادشاہوں سے ایران بادشاہوں کا معاہدہ ہوا اُس نے کہا ایران کے بادشاہ سے کہ آپ ہماری مدد کریں تا کہ ہم ہندوستان واپس لے سکیں آپ دیکھئے کہاں کہاں حسینؑ کی عزاداری محبت کا نشان بن گئی بادشاہ نے یہ نہیں کہا کہ ہم تمہیں لاکھوں کروڑوں روپے کی مدد دیں گے لشکر دیں گے ہندوستان فتح کروا دیں گے یہ نہیں کہا تم ہمارا مذہب قبول کرلو، جو کہتا ایران کا بادشاہ وہ ہمایوں کو ماننا پڑتا، اسے کہتے ہیں فکرِ عزاداری کوئی فقیہ ہوتا تو وہ کہتا تو شیعہ ہو جا، جو کہتا ایران کا بادشاہ وہ ہمایوں کو ماننا پڑتا، اُس نے کہا دیکھو بس اتنی سی بات ہے ہم تمہیں یاقوت کی ضریح دیتے ہیں، اس ضریح کو لے جا کر قلعہ میں رکھ دینا اور دس دن تک تمہارے یہاں عزاداری ہوتی رہے، ہم تمہاری مدد کریں گے تاریخ بس اتنی ہے ہمایوں بس اسی وعدہ پر ضریح لے کر چلا قلعہ میں ضریح رکھی گئی حکومت مغلوں کو واپس مل گئی، مغلوں کی حکومت کی واپسی صدقہ ہے حسینؑ کا صدیوں مغلوں نے حکومت کی غمِ حسینؑ کے صدقے میں، یہی وجہ تھی مجبور تھا ہمایوں جب لشکر ترتیب دیا گیا تو وزیر نے آ کر کہا ہمایوں تیرے لشکر میں سب علیؑ نام کے ہیں، نجف علی، جان علی، محمد علی، غلام علی، تراب علی، تیرا لشکر تو رافضیوں کا لشکر ہو کر رہ گیا کوئی جواب تھا سیاست بدل جاتی، جواب میں بغاوتیں ہونے لگتیں لیکن وہ خوبصورت جواب دیا ہمایوں نے کہنے لگا ہمارے دادا کا نام شیخ عمر تھا، کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں ہے یہ تو لشکر والے ہیں وزیر چپ ہو گیا، اب جہانگیر کا مسئلہ آیا جہاں پر میں نے پرسوں کی تقریر چھوڑی تھی جہانگیر کے دور میں جب نور جہاں کو پتہ چلا کہ علماء نے شہید ثالث کو قتل کروا دیا تو جب نشہ اترا جہانگیر کا تو پہلے نور جہاں نے سوال طلب کیا اور کہا تم نے کیسے اتنے بڑے عالم کو قتل کرا دیا تو بادشاہ نے کہا مجھے کچھ نہیں معلوم ان علماء کو بلا کر پوچھ لیجئے علماء بلائے گئے نور جہاں نے اُن علماء کو بلایا اور بحث کی علمی بحث کی کہ کیا

جائز تھا اتنے بڑے عالم کو قتل کرنا کسی بھی فقہ میں، بحث میں نور جہاں نے سارے علماء کو ہرا دیا اور کہا جب تم ہار گئے ہو تو اس پر دستخط کرو کہ تم واجب القتل ہو سب سے دستخط لئے، ایک ایران کی عورت ملکہ بن کر مغل قصر میں آجائے تو تاریخ کی سیاست اس طرح بدل جاتی ہے اور جب سب سے دستخط لے لئے محضر نامے پر، ایک قصر تعمیر کروایا بنیادوں میں نمک بھر دیا دعوت دی کہا آؤ اس میں بیٹھو اور یہ ہیں تمہارے محضر نامے کھانا شروع ہوا، محضر ناموں کا دسترخوان بچھایا تھا، بہشتیوں کو حکم دیا گیا کہ مشکوں کا پانی بنیادوں میں بھر دیا جائے پانی چلا نمک پگھلا محل بیٹھا سب کا مقبرہ بن گیا یہ ہے نور جہاں اور اُس کے بھائی آصف کی بیٹی ممتاز محل ہے اور وہی اثرات تھے کہ زیب النسا اورنگ زیب کی بیٹی خود تیرہ رجب اور یوم غدیر میں ذکرِ علیؑ کا فارسی میں قصیدہ پڑھتی تھی اُس قصر میں جہاں اورنگ زیب نے یہ حکم دیا تھا کہ ماتم حسینؑ نہ ہو لیکن نہ جانے کیا اثر تھا کہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ وہی اورنگ زیب جس نے عزاداری پر پابندی لگائی تھی اور جس نے دکن کی پانچ ریاستوں پر حملہ کیا تھا، برباد کیا تھا، لیکن وہی اورنگ زیب یہ لکھتا ہے وصیت نامہ میں کہ میں بارہ وصیتیں اپنے بیٹے کو کر رہا ہوں اور میرا بیٹا بہتر سمجھتا ہے کہ میں وہ بارہ وصیتیں کیوں کر رہا ہوں میں اَئمہ اثناعشر بارہ اماموں کے نام پر بارہ وصیتیں لکھ رہا ہوں اور پہلی وصیت یہ ہے کہ میرا کفن خاک شفا سے رنگ دیا جائے اور میری آنکھوں پر خاک شفا رکھی جائے اس لیے کہ میں نے غم حسینؑ پر پابندی لگا کر گناہ کیا ہے اگر خاک شفا قبر میں ہوگی تو شاید وہ مجھے معاف کر دیں، تو بادشاہ دنیا سے جاتے وقت اپنے وصیّت نامے سے تاریخ میں یہ درج کرا جائے اگر عزاداری حسینؑ پر اتنا بڑا ظالم و جابر بادشاہ بھی پابندی لگاتا ہے تو اسے گناہ کبیرہ سمجھتا ہے تو وہی بادشاہ ہے جس نے پہلی بار فتاویٰ عالمگیری لکھ کر مسلمانوں کو

فقہ دی اور اُسی کی فقہ پر آج برصغیر کے مسلمان چل رہے ہیں اور اُسی پر اپنے آپ کو سوادِ اعظم کہتے ہیں تو جس بادشاہ نے فقہ دی ہے پہلے اُس کی وصیت تو پڑھو وہ تو بارہ کا ماننے والا ہے، وہ خاک شفا کو ایمان جانتا ہے وہ حسینؑ کا احترام کرتا ہے اور مرتے مرتے زمانے کو وصیت کر کے جا رہا ہے کہ اس کے خلاف نہ جانا ورنہ عذاب پاؤ گے محدث دہلوی کو لکھنا پڑا اور یہ واقعہ بھی محدث دہلوی نے لکھا کہ جس دن پابندی لگائی تھی اور قلعہ کے دروازے پر جا کر کھڑا ہوا تھا خبردار کہ کوئی تعزیہ لے کر نہ نکلے تو اُس نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت اپنے سر پر تعزیہ رکھے ہوئے قلعہ کے سامنے سے تنہا نکلی، وزراء نے دیکھا سر سے تاج پھینک کر نعلین اتار کر اُس بوڑھی عورت کے پیچھے دوڑا اور تعزیہ اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ وزراء نے پوچھا یہ کیا کیا آپ نے، اُس نے کہا میں نے دیکھا کہ بڑھیا کے پیچھے کچھ لوگ روتے ہوئے اور اُن کے ساتھ رسولؐ خدا سر برہنہ روتے ہوئے آ رہے ہیں، میں نے خود دیکھا رسولؐ اللہ کو تعزیہ کے پیچھے روتے ہوئے، یہ اورنگ زیب کا واقعہ مختلف تاریخوں میں درج ہے اُسی کی اولاد یعنی اورنگ زیب کے بیٹے عالمگیر نے اعلان کیا کہ ہر مسجد سے علیؑ ولی اللہ کہا جائے گا بغاوت کے آثار دہلی میں ہو گئے تقیہ میں بادشاہ کو جانا پڑا اور اُس کے بعد بہادر شاہ ظفر کے پوتے حیدر شکوہ اپنی کتاب علمِ حیدری میں لکھتے ہیں کہ دراصل حقیقت یہ ہے کہ تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک سارے مغل بادشاہ شیعہ تھے لیکن تقیہ میں رہے سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بہادر شاہ ظفر نے آخر میں اعلان کر دیا سلطان العلماء غفران مآب کے بیٹے کو اودھ خط لکھا کہ یہ دو جوڑیاں علم کی سونے کی جڑاؤ ہم بھیج رہے ہیں حضرت عباسؑ کے درگاہ پر چڑھا دیجئے اور اب کے عاشور کے دن ہم خود قلعے میں زنجیر پہن کر زین العابدینؑ کی تاسّی میں لنگر پہن کر نکلیں گے اور فقیر بن کر نکلیں گے اور یہی ہوا کہ عاشور

کے دن بہادر شاہ ظفر جب تک زندہ رہے تب تک قیدی بنتے رہے آٹھ کو بہشتی بنتے رہے گیارہ کو فقیر بنتے رہے قلعہ میں مجلسیں ہوتی رہیں اب جب ادب کی تاریخ شروع ہوگی تو اب شاہی سے ہٹ کر ہر شاہی کے دور کا ادب بتائیں گے اب تقریر خاتمے پر ہے مغلوں کی حکومت کا مرکز دہلی تھا اور وہ اودھ تھا کہ جس کی بنیاد برہان الملک نے رکھی تھی اور شجاع الدولہ جن کی بیگم بہو بیگم اُمۃ الزہرا جو محمد علی شاہ بادشاہ کی منہ بولی بیٹی تھیں، ایرانی سردار کی بیٹی تھیں، جب عقد کیا شجاع الدولہ سے تو اٹھتّر بیل گاڑیاں جواہرات بھر کر جہیز میں دیئے تھے تو وہ فیض آباد آئے اور اُسی دولت سے ایک نیا شہر تعمیر ہوا اور ایک نئی حکومت کی بنیاد رکھی گئی جس کو حکومت اودھ کہتے ہیں، آگرہ، بنارس، الٰہ آباد، لکھنؤ سب شامل تھا ایک بڑا صوبہ اتر پردیش جس میں اٹھاون اضلاع ہیں، اسے اودھ کہتے تھے، بارہ بادشاہوں نے حکومت کی، پہلا برہان الملک تھا، آخری واجد علی شاہ تھا، آصف الدولہ نے اس کو مضبوط کیا اور اُنہی کے دَور میں میوہ رام ہندو وزیر نے جو اِن کے گھر کی عورتوں کو لے کر کربلا گیا تھا جب وہ ہندو وزیر کربلا گیا تو اُس نے کربلا سے آنے سے انکار کر دیا اور کہا ساری زندگی ہم یہیں رہیں گے لیکن یہ عجیب انداز ہے تاریخِ اودھ میں عبدالغنی نے بھی لکھا اور ''قیصر التواریخ'' میں بھی یہ لکھا ہوا ہے کہ جب تک میوہ رام کربلا میں رہا کسی نے اسے پیروں سے چلتے نہیں دیکھا ہمیشہ گھٹنوں کے بل چلتا تھا، چمڑے کے گول جوتے گھٹنوں پر پہنتا تھا، لوگ پوچھتے تھے کہ پیروں سے کیوں نہیں چلتے تو وہ کہتے ہمیں نہیں معلوم کہ اس سرزمین پر کہاں کہاں زہراؑ کا خون بکھرا پڑا ہے ایسا نہ ہو کہ ہمارے قدم پڑ جائیں جب تک جئیں گے گھٹنوں کے بل چلیں گے، جب ہندو وزیر ایسا تھا تو آصف الدولہ کیسا ہوگا، اودھ کی ہر دکان ہندو ہو یا مسلمان، صبح جب دکان کھولتا تھا تو ہاتھ جوڑ کر کہتا تھا ہر دوکاندار کہ جس کو نہ

دے مولا اس کو دے آصف الدولہ، ہے ہے آصف الدولہ بولی جاتی تھی اور عالم یہ تھا کہ اگر گھر میں بیٹھ کر ایک ہندو یہ کہہ رہا ہے کہ جہیز بہت مانگا ہے ہم اپنی بیٹی کی شادی کیسے کریں گے تو پڑوس میں رہنے والے مسلمان نے کہہ دیا کیا مشکل ہے اب کے شبِ عاشور گومتی ندی کے پل پہ تعزیہ رکھ لینا اس لیئے کہ شب عاشور خود آصف الدولہ ایک ایک تعزیہ پر جاتے ہیں اور اشرفیاں چڑھاتے ہیں اور جب بادشاہ اُس غریب کے قریب پہنچے جہاں دیا جل رہا تھا تو کسی نے کہا یہ غریب کمہار ہے اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا تھا منت مانی ہے اس لیے تعزیہ رکھا ہے۔ کہا چالیس ہزار اشرفیاں چڑھادی جائیں وہ کمہار گر کر بیہوش ہو گیا اس طرح جس تعزیہ پر جاتے اشرفیاں چڑھاتے جاتے یہ آصف الدولہ تھے جب ایک سال کال پڑا اور فاقے ہونے لگے تو کہا کہ یہ زمین خرید لی جائے اور یہاں ایک امام باڑے کی بنیاد رکھی جائے یہ عجیب بات ہے کہ جب بارگاہ کی بنیادیں کھدنے لگیں تو بنیادوں میں سے کئی ہزار دیگیں اشرفی اور جواہرات کی بھری ہوئی نکلیں جھاؤلال نے جا کر اطلاع دی کہ شاید رام اور لچھمن کے زمانے کا وہ خزانہ زمین میں گڑا ہوا تھا وہ ابھر آیا ہے تو بادشاہ نے کہا یہ بتاؤ کہ امام باڑہ کتنی لاگت میں بنے گا کہا دو کروڑ لاگت آئے گی کہا اشرفیاں اور جواہرات بیچ کر دو کروڑ پورے کر کے باقی خزانے کو اُسی طرح زمین میں گاڑ دو ایسے تھے بادشاہ سیر چشم جب تعمیر شروع ہوئی دنیا کا سب سے بڑا امام باڑہ تین سو فٹ لمبا ہال، باون فٹ چوڑا تریسٹھ فٹ بلند، امام باڑے کی روکار مغرب سے مشرق تک پھیلی ہوئی ہے، اس طویل روکار میں تیرہ (۱۳) عدد نہایت کشادہ و بلند محراب دار دروازے ہیں، پچاس لاکھ روپے کے جھاڑ اور فانوس فرانس سے بن کر آئے تھے یہ امام باڑہ اس لیئے بنا کہ دن کو سارے لوگ اُس میں کام کرتے تھے اور رات کو شرفا دیواریں گرا دیتے تھے دن کو

مزدور دیواریں اٹھا دیتے تھے اُن کو دیواریں اٹھانے کی مزدوری ملتی تھی اور شرفا کو دیواریں گرانے کی مزدوری ملتی تھی، بائیس سال تک امام باڑہ اسی طرح بنتا رہا، جب تک کال ختم نہ ہوگیا، شرفا منہ لپیٹ کر آتے تھے دیواریں گراتے تھے اور اُن کو اُس کی مزدوری ملتی تھی اور آخر بائیس سال کے بعد وہ امام باڑہ تعمیر ہوا دنیا میں اس سے بڑا کوئی امام باڑہ نہیں اور دوسری حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جسے دیکھ کر آج بڑے بڑے انگریز انجینئر حیران ہیں کہ بغیر لکڑی اور لوہے کے وہ امام باڑہ بنا صرف چونے اور مٹی سے اتنا بلند امام باڑہ بنا جو کہ بلند منزلوں کا ہے اس میں نہ لوہا استعمال ہوا نہ لکڑی استعمال ہوئی اور اس کا راز صرف یہ ہے کہ اس طرح کھڑکیاں رکھی گئی ہیں کہ ہوا کا دباؤ اُن بلند منزلوں کو اٹھائے ہوئے ہے اگر ایک کھڑکی بند کر دی جائے تو چھت گر جائے گی اس لیئے چاروں طرف جو ہوا کا دباؤ ہے وہ امام باڑے کو برقرار رکھے ہوئے ہے اور اس میں کمال یہ ہے کہ امام باڑے کی سولہ فٹ دبیز دیواروں پر بھول بھلیاں بنی ہوئی ہیں تا کہ وہ شہزادیاں جو بام پر بیٹھ کر مجلسیں سنتی ہیں کسی طرف سے بھی کوئی نامحرم انہیں دیکھ نہ سکے اور نہ اُن راستوں پر جا سکے وہ راستے صرف سپاہیوں کو، غلاموں، خواجہ سراؤں یا کنیزوں، کو معلوم تھے اب ملازمین کو معلوم ہیں اور اُس میں سے چار راستے ایسے ہیں اگر چار آدمیوں کو ایک ہی وقت میں ہر راستے پر بھیج دیا جائے تو چھت پر صرف چار دروازے ہیں اور چاروں دروازوں پر آدمی صرف یہ بتاتا جائے گا کہ اُس راستے والا ادھر سے آئے گا اور اُس راستے والا ادھر سے آئے گا اُس راستے والا ادھر سے آئے گا اور اتنے چکر اتنے منٹ پر آئے گا اور ایک سو ساٹھ فٹ بلندی کے بعد جب اوپر آپ جائیں ساٹھ فٹ بلندی اور تین سو فٹ ہال میں اُس سرے پر کھڑے ہو کر اگر آدمی ماچس جلاتا ہے تو اس سرے کا آدمی ماچس جلنے کی آواز سن لیتا ہے جیتا

جاگتا معجزہ ہے حسینؑ کی عزاداری کا اب آخری جملہ جس کی آپ قدر کریں گے مغل بادشاہوں نے قلعے بنوائے محل بنوائے بادشاہوں نے ساری شاہی عمارتیں اپنے نام سے یا نام کے لیے بنوائیں اودھ کے بادشاہوں نے جو عمارت بنوائی حسینؑ کے لیئے بنائی اپنے لیئے کوئی بلڈنگ نہیں بنائی کیوں راز کیا تھا اس لیے کہ جہاں تاریخِ شیعیت آتی ہے علم آتا ہے علم باب مدینۃ العلم سے وابستہ ہوتا ہے فکر میں پیغام آتا ہے۔

اگر اپنے نام سے عمارت بناؤ گے مرجاؤ گے تو بعد والے بادشاہ کی ہوگی جو بھی حکومت آئے گی اس کا جھنڈا لگے گا آج دہلی کے لال قلعے پر کانگریس کا جھنڈا لہراتا ہے اور آصف الدولہ کے امام باڑے پر حسینیت کا علَم لہراتا ہے کسی امام باڑے پر حکومت قبضہ نہیں کر سکی ۱۹۸۰ء میں اندرا گاندھی نے خود حکم دیا تھا اور خود آئیں تھیں امام باڑہ میں کہ چاروں طرف کے باغات میں پانی دیکر نئے درخت لگائے جائیں اور ڈھائی سو سال ہو چکے ہیں اب اس امام باڑے کا رنگ دوبارہ ہونا چاہئے اور اگر کسی ایک کونے سے چونا یا مٹی گر گئی ہے تو اس کی مرمت ہونی چاہئے میں خود آ کے دیکھوں گی اور جب تک لکھنؤ میں رہیں میئر نے لکھنؤ کے ان کی موجودگی میں پورے امام باڑے کو رنگوایا اُسی رنگ میں جو اودھ کے زمانے میں رنگا گیا تھا اور ایک مکمل بورڈ لگا ہوا ہے کہ اس میں سالانہ تین لاکھ روپے کا تبرک بٹتا تھا، وہ بٹتا رہے گا جب تک یہ حکومت کانگریس کی رہے گی تین لاکھ روپے سالانہ یہاں تو کوئی بانٹے حلیم کی چار دیگیں، بس ہو گئے کراچی کے بڑے آدمی، آگے چھوڑ کر کیا جاؤ گے، کیا پتہ اولاد کرے نہ کرے، ان کو دیکھو کہ صدیاں گذر گئیں ایسا انتظام کر گئے کہ دو سو سال کے بعد وہ عمل جاری ہے ایسے کام کرو کہ صدقہ جاریہ بن جائے، تمہارے بعد بھی نام لیا جائے، اب نصیر الدین کا ذکر صرف اس لیے کر دوں دس دن تک محرم ہوتا تھا بادشاہ نصیر الدین حیدر نے چہلم امام

تک بڑھایا کیونکہ منت مانی تھی منت پوری ہوئی کہا ہم چہلم تک عزاداری کریں گے، پورے برصغیر میں چہلم کی عزاداری نصیرالدین حیدر بادشاہ سے شروع ہوئی اس کے بعد انگریزوں کے زمانے میں جب ایجی ٹیشن ہوا اور عزاداری موقوف ہوئی کیونکہ گرفتاریاں ہوئی تھیں چہلم بعد اور چھ ربیع الاوّل کو آزاد ہوئے تھے سب، اُس وقت تک تعزیے نہیں اٹھے تھے اغّن صاحب کا تعزیہ جس کا نام ہے چپ تعزیہ انہوں نے آخر میں آٹھ ربیع الاوّل کو جیل سے آنے کے بعد اٹھایا اس لیئے آٹھ ربیع الاوّل تک یومِ غم بڑھ گیا صرف برصغیر میں آٹھ ربیع الاول تک سوگ ہوتا ہے ورنہ ایران وعراق میں چہلم تک تمام ہو جاتا ہے۔

سب سے بڑا یومِ غم ہم مناتے ہیں اور اُس کا جواز ہے کہ آلِ محمدؐ کے گھر کا آخری غم گیارھویں امام کا جس دن غم ہوتا ہے اور قافلہ مدینے واپس آیا اُس دن ہم عزاداری کا اختتام کرتے ہیں اور اس کے بعد محمد علی شاہ بادشاہ ہے اُس نے مرتے مرتے کئی کروڑ روپے انگریزوں کو قرض دیا جو بڑھتے بڑھتے کئی کروڑ ڈالر میں تبدیل ہو چکے ہیں اور وہ انڈیا کی حکومت پر قرض ہے جو قرضہ انگریزوں نے لیا تھا وہ قرضہ ہر حکومت پر چلتا رہے گا کیونکہ وہ وقف تھا اور بادشاہ نے وصیت نامہ میں لکھا تھا کہ یہ رقم جتنی بڑھتی جائے گی ہر حکومت کو منافع دینا پڑے گا کس کو ہر امام باڑے کو اور ہماری اولاد کو در اولاد کو اور اب تک وہی رقم چل رہی ہے عدالت سے خاندان والوں کو وظیفے بٹ جاتے ہیں امام باڑوں کو اور روضوں کو کوئی حکومت اسے بدل نہیں سکتی اور وہ پیسہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے کروڑوں روپیہ جو حسینؑ کے نام پر رکھ دے تو وہ پیسہ معجزہ بن جائے پھر محمد علی شاہ کے بعد امجد علی شاہ آیا یہ وہ بادشاہ ہے کہ جس نے روئے زمین پر پہلی فقہی حکومت قائم کی یہ جو نعرہ لگاتے ہیں نہ کہ ایران میں پہلی فقہی حکومت اُن کو مطالعہ کرنا

چاہیئے کتابیں لکھنی چاہئیں پہلی فقہ کی حکومت امجد علی شاہ نے اودھ میں قائم کی اور امجد علی شاہ نے جتنے منسٹر (minister) بنائے تھے وہ سب کے سب مجتہدین تھے ظاہر ہے ایک محکمہ ایک ایکسائز (excise) کا بھی تھا اور ایکسائز میں افیم بھی آتی ہے، شراب بھی اور گانجا بھی تو وہ منسٹری (ministry) کس کو دی جائے تو وہ منسٹری بھی مجتہد کو جانی ہی تھی ایک بڑے مجتہد اب نام کیا لوں تاریخ میں نام ہے اب نام کیا لوں شاید خاندان والے برامان جائیں، واقعہ تاریخ میں پڑھیں، میرے نام سے منسوب نہ کریں، اس لئے نام نہیں لوں گا، اُن کو منسٹری مل گئی محکمہ آبکاری کی تو اس دور کے مشہور شاعر مشیرؔ لکھنوی، مرزا دبیرؔ کے شاگرد تھے، چونکہ مزاحیہ شاعر تھے، کہاں چوکنے والے تھے، انہوں نے کہیں شعر پڑھ دیا کہ:

اب جو نہ پئے وہ ناری ہے
جناب قبلہ و کعبہ کی آبکاری ہے

قیامت ہوگئی مجتہد صاحب تو برامان گئے کہ آبکاری کا محکمہ کیا مجھے مل گیا، مشیرؔ نے یہ کہہ دیا کہ ''اب جو نہ پئے وہ ناری ہے'' اب قبلہ نے بادشاہ سے شکایت کی اور یہ مولویوں کی پرانی عادت ہے کہ شاعروں اور ادیبوں کے خلاف بادشاہ سے کہتے رہتے ہیں تو بادشاہ نے حکم جاری کیا کہ مشیرؔ کی زبان کھینچ لی جائے، اس واقعہ کو ہر تاریخ نے لکھا ہے، جدید دور میں اگر حوالہ دیکھنا ہے تو مولانا آغا مہدی صاحب نے میر انیسؔ پر جو مضمون لکھا ہے اور وہ مضمون لاہور سے ''شہید'' رسالہ میں شائع ہوا ہے ۱۹۷۶ء میں اس میں آغا مہدی صاحب کے حوالے سے آپ دیکھ سکتے ہیں اچھا یہ یاد رکھئے گا مشیرؔ جو ہیں وہ مرثیے نہیں بلکہ ہرثیہ لکھتے تھے، اب جن بچوں کو ہرسیے کے معنی نہیں معلوم، ہرسیہ بروزنِ مرثیہ، ہرسہ، سہ کہتے ہیں تین کو، اُن کے لیئے ہرسیہ ان کے لئے

نوربیع الاول کو تین تین گھنٹہ پڑھتے تھے واجد علی شاہ کا حکم کہ زبان کھینچ لی جائے اب کیا کریں رات کو ڈیڑھ بجے میر انیسؔ کے مکان پر پہنچے اٹھایا ارے مشیرؔ تم کیسے جناب عالی غضب ہو گیا قبلہ وکعبہ نے اس شعر پر شکایت کر دی ہے بادشاہ نے زبان کھنچوانے کا حکم دیا ہے اب جان آپ ہی بچا سکتے ہیں، صرف یہ بتا رہا ہوں کہ ذاکر حسینؑ کا مرتبہ بادشاہ کی نظر میں کیا تھا اگر مجتہد کا مرتبہ بادشاہ کی نظر میں یہ ہے کہ شکایت پر زبان کھنچوانے کا حکم دیں تو شاعر کا مرتبہ بھی کم نہیں تھا۔ میر انیسؔ نے واجد علی شاہ بادشاہ سے کہا کہ اگر آپ نے مشیرؔ کو سزا دی تو دشمنانِ اہلِ بیتؑ کہیں گے کہ دیکھا ہمارے والوں کو برا کہنے کا نتیجہ۔ زبان کھینچ لی گئی، واجد علی شاہ نے اپنا حکم واپس لے لیا بات تو بہت اہم تھی۔

مشیرؔ لکھنوی مرزا دبیرؔ کے مشہور شاگرد تھے۔ شاگردانِ دبیرؔ نے عزاداری کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس "دبستانِ دبیرؔ" کے مشہور شاعر بزمؔ اکبر آبادی تھے جنھوں نے آگرے میں رہ کر اردو زبان کی خدمت کی، بزمؔ اکبر آبادی کے فرزند نجم آفندی نے نوحے اور مرثیے میں شہرت پائی، اُن کے شاگردوں کا ایک سلسلہ ہے جو پورے برصغیر پاک و ہند میں پھیلا ہوا ہے۔ نجمؔ آفندی کی ایک شاگرد ہندو تھی جس کا نام روپ کماری ہے، اس ہندو شاعرہ نے حضرت علی اصغرؑ کے حال کا مرثیہ ایسا پُر درد لکھا کہ پڑھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ یہ ایک ہندو شاعرہ کا کلام ہے مرثیے کے ایک ایک لفظ میں فصاحت و بلاغت کا ایک تلاطم ہے:۔

اِک اپنا کیا کہ بہتّر کا سر دیا شہ نے	میں اُن کے صدقے برادر کا خوں دیا شہ نے
جناب قاسمِ مضطر کا خوں دیا شہ نے	جوان پسر علی اکبرؑ کا خوں دیا شہ نے

کئی پہر سے جو تھا خشک وہ گلو بھی دیا
بس انتہا ہے کہ ششماہے کا لہو بھی دیا

غضب ہے گر نہ پڑا آسمان ظلم شعار	دفورِ غم سے نہ کیوں سینہ ہو زن روپ کنوار
حسینؑ میں ترے صدقے یہ میری جان نثار	کسی کا تیر کہاں اور کہاں ترا دل زار

وہ آخری ترا فدیہ جو یاد آتا ہے
حسینؑ دل مرا ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے

لکھا ہے جب کوئی حامی نہ شاہ دیں کا رہا	اور آپ ظلم کی فوجوں میں رہ گئے تنہا
ہجوم یاس نے چاروں طرف سے گھیر لیا	تو ناگہاں در خیمہ سے آئی رن کو صدا

خبر لو شہِ کربلا دہائی ہے
تمہارے بچے کو جھولے میں نیند آئی ہے

یہ سن کے خیمے کی جانب گئے امامِ ہدا	قریب جھولے کے پہنچے تو رو کے فرمایا
معاف کیجیو بیکس پدر کو اے بیٹا	کہ ایک پانی کا قطرہ تمہیں پلا نہ سکا

خدا گواہ بہت تم سے شرمسار ہوں میں
یقیں کرو علی اصغرؑ کہ بیقرار ہوں میں

یہ کہہ کے روئے بہت اور پسر کو پیار کیا	اٹھایا جھولے سے حضرت نے اپنا ماہِ لقا
ٹپک پڑے تھے جو چہرے پہ اشک شاہ ہدا	وہ سمجھا پانی ہے بچے نے منھ کو کھول دیا

تری جو اشکوں کی پائی تو مسکرانے لگا
زبان خشک کو ہونٹوں پہ وہ پھرانے لگا

کہا حسینؑ نے پانی تمہیں پلا لائیں	چلو گے نانا کی اُمت کے پاس لیجائیں
ستمگروں کو یہ حالت تمہاری دکھائیں	صغیر جان کے شاید عدو ترس کھائیں

دہن کو کھول کے سوکھی زباں دکھا دینا
کہ تین روز سے پیاسا ہوں جتا دینا

سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیا قیامت ہے — یہ آج گلشنِ ہستی کی کیسی حالت ہے
تباہ کون ہوا کس پہ آئی آفت ہے — ندا یہ آئی کہ شّشماہے کی شہادت ہے

تمام اہلِ حرم زار زار روتے ہیں
سکینہؑ سے علی اصغرؑ وداع ہوتے ہیں

غرض وداع کیا اور شہ انام چلے — ستمگروں کی طرف شاہِ تشنہ کام چلے
پسر کو ہاتھوں پہ رکھے ہوئے امام چلے — قدم قدم پہ اُدھر موت کے پیام چلے

تمام پیاسوں میں پیارا جو شہ کو تھا یہ پسر
حسینؑ ڈھال کا سایہ کیے تھے اصغرؑ پر

پکارے لشکرِ بے دین سے جا کے سرورِ دیں — تڑپ رہا ہے کئی دن سے میرا ماہِ جبیں
جو کہہ رہا ہوں میں یا رو کرو تم اس کا یقیں — خود آ کے دیکھ لو پہنچے ہیں یہ اجل کے قریں

جو رحم کھاؤ تو پانی پلانے لایا ہوں
انھیں میں خیمہ سے تم کو دکھانے لایا ہوں

لٹا دوں ریتی پہ دیکھو گے میرے کم سن کو — عطش سے مرتے ہیں پانی پلاؤ گے ان کو
سکوں شب کو انھیں ہے نہ چین ہے دن کو — جو تم نے قتل کیے اُن کا درد ہے ان کو

کلیجہ ننھا سا معصوم کا سلگتا ہے
کراہتے ہیں تو اک تیر دل پہ لگتا ہے

سنیں حسینؑ کی باتیں تو اہلِ شر روئے — دلوں کو تھام کے سب صاحبِ جگر روئے
سوار فوج میں رونے لگے شتر روئے — بشر پہ کچھ نہیں موقوف جانور روئے

حباب پانی سے اُٹھ اُٹھ کے جان کھونے لگے
جو ذی حیات تھے آخر تمام رونے لگے

پرے سے فوج کے ناگاہ حُرملہ نکلا — کمان دوش سے چلّہ سے تیر لے کے چلا

گلوئے لختِ دلِ شاہِ کربلا تاکا — کمان میں تیر کو جوڑا شقی نے اور یہ کہا

حسینؑ اب وہ پلاتا ہوں آبِ سرد ان کو
کہ تابہ حشر لگے گی نہ پیاس کمسن کو

یہ کہہ کے تیر کو جوڑا اُدھر یہ حال ہوا — کہ حلق چھد گیا معصوم خوں میں لال ہوا

دہن سے خون اُگلنے لگا نڈھال ہوا — اک آہ ہلکی سی کی اور انتقال ہوا

پدر نے یاس سے ننھی سی جان کو دیکھا
کبھی زمیں کو کبھی آسمان کو دیکھا

پکارے سیّد بیکس کہ کیا کیا تم نے — ہمارے لال کو پانی پلا دیا تم نے

جو کچھ کیا ارے لوگو بڑا کیا تم نے — غضب کیا مرے بچہ پہ کی جفا تم نے

یہ کہہ رہے تھے کہ تیروں کا مینہ برسنے لگا
حسینؑ روئے لشکر تمام ہنسنے لگا

❁ ❁ ❁ ❁

چھٹی مجلس

تاریخِ شیعیت

......: شیعیت شہر بہ شہر :......

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے اور درود و سلام محمدؐ وآلِ محمدؐ کے لئے

انجمن رضائے حسینی کی جانب سے الوداعی عشرہ کی چھٹی تقریر آپ حضرات سماعت فرمارہے ہیں اتفاق سے چاند تیس کا ہوا اس لیئے یہ تقریریں دس کے بجائے گیارہ ہوگئیں ایک تقریر کا اضافہ ہوگیا ہے اس لیئے ہم اپنے عنوان کو اور عنوان کے دوسرے حصّے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں گے جیسا کہ روزانہ عرض کررہا ہوں کہ عنوان کی وسعتیں، عنوان کا پھیلاؤ، عنوان کی عظمت، عنوان کی اہمیت یہ سب کچھ آپ کی پیش نظر ہے اور جس طرح ہم مختلف منزلوں سے گزر رہے ہیں یہ بھی آپ دیکھ رہے ہیں اتنی گہرائی ہے اس موضوع میں منبر پر آنے کے بعد کافی دیر فکر تلاش میں رہتی ہے کہ آج ہم کس راستے سے آپ کو لیکر تاریخ شیعیت کی شاہراہ پر چلیں اور صرف آغاز ہی میں نہیں درمیانِ تقریر بھی مختلف موڑ ایسے آتے ہیں جہاں پر بڑی تیزی کے ساتھ ہمیں سوچنا پڑتا ہے اور ذہن پھر فیصلہ کرتا ہے کہ یہاں پر کیا چھوڑ دیں اور کس چیز کو بیان کریں کوشش یہ ہے کہ ہم اُن چیزوں سے آگاہ کریں کہ وہ چیزیں کارآمد بھی ہوں کام کی بھی ہوں اور

اُس کے ساتھ ساتھ جو خطابت میں سب سے مشکل امر ہوتا ہے وہ امر یہ ہے کہ جہاں عنوان میں خشکی آ گئی سامعین سنتے تو ہیں لیکن اُن کے لیے کافی مشکل ہو جاتی ہے بس یوں سمجھ لیں کہ جیسے بغیر گھی کی کھچڑی کھالی تو اب تری بھی ضروری ہے اس کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے حالانکہ عنوان جب علمی ہوتا ہے تو اُس میں نکات کی گنجائش نہیں ہوتی دادو تحسین کی راہیں پیدا کرنا ضروری بھی نہیں ہوتا اور ضرورت بھی نہیں ہوتی، لیکن آپ غور کر رہے ہیں کہ پانچ تقریریں جو ہو چکی ہیں اُن میں مَیں نے خطابت کے سارے تقاضوں کو کامل کرتے ہوئے اپنے اس عنوان کو کامل کرنے کی کوشش کی، کل کی تقریر آپ کے ذہنوں میں محفوظ ہوگی اور ظاہر ہے کہ ہم صرف اگر ایک ہی حکومت اور ایک ہی شہر کا ذکر کرتے تو تقریر پوری ہو جاتی لیکن ہم نے جلدی جلدی منزلوں کو طے کر کے آپ کو کئی صوبوں کی سیر کروادی آج بھی ہمارے لیئے یہی مشکل ہے کیونکہ کل کی تقریر سے پہلے دیگر عنوان چل رہے تھے اب ظاہر ہے کہ ہر وطن پرست یہ خواہش رکھتا ہوگا کہ ہم ہر جگہ کی شیعیت کو بیان کریں ممکن ہے لیکن ناممکن ہے ممکن اس لیے ہے کہ ہمارے لیئے مشکل نہیں آپ شہروں کا نام لیتے جائیں ہم آپ کو بیٹھے بیٹھے سناتے جائیں کوئی مشکل نہیں لیکن وقت ہے نہ دامن وقت اتنی اجازت دیتا ہے تو بغیر ان شاہراہوں سے گزرے ہوئے ہم کوشش کریں گے کہ وہ اہم مقامات جو تاریخِ شیعیت کا حصہ ہیں وہ حذف نہ ہونے پائیں وہ نظر انداز نہ کیئے جائیں اور اس کو ہم آج کی حد تک چاہتے تھے کہ کامل کر دیں بے شمار عنوانات ایسے ہیں کہ جو بڑے اہم ہیں ہمارا طرۂ امتیاز علم ہے اور ہمیشہ رہا تو ہم چاہتے تھے کہ ہم آپ کو کتابوں کی سیر کروائیں کہ چودہ صدیوں میں تاریخِ شیعیت نے علم کے، لٹریچر (literature) کے، کتابوں کے کتنے انبار لگا دیئے اور کن کن علوم پر کتنی زبانوں میں کیا کیا لکھا گیا ایک یہ بھی موضوع

ہے پیشِ نظر پھر تاریخِ شیعیت کا قصر جن بنیادوں پر مستحکم ہوا اُن بنیادوں کا نام ہے
تہذیب، ادب اور ثقافت تو خود دو تقریریں تقاضا کر رہی ہیں تاریخِ شیعیت کے ادب
پر اور ادب کے بھی اتنے شعبے ہیں کہ اگر صرف نثر پر ہی شروع ہوگئی بات تو جانے نظم پر
ہم کب آئیں گے اور اگر نظم پر شروع ہوگئی تو نظم میں اتنے شعبے ہیں کہ ہمارے لیئے
حیرانیاں بڑھیں گی کہ ہم مرثیے کے راستے سے چلیں یا غزل کے راستے سے چلیں
یا مثنوی اور شہر آشوب کے راستے سے چلیں اور سلام اور رباعیوں کے راستے سے چلیں
یا نظموں کے راستے سے چلیں یا نوحوں کو دیکھیں آپ خود دیکھیں ادب میں بھی نثر
اور خود نثر میں اگر ہم شروع ہوئے تاریخِ شیعیت کو دیکھتے ہوئے حیرانیاں بڑھیں گی کہ
تفسیرِ قرآن کی شاہراہ پر جائیں کہ حدیث کی راہ سے چلیں یا علم کلام کو دیکھیں کہ فلسفے کو
دیکھیں یا منطق پر کچھ کہیں یا صرف ونحو پر بولیں کہ علمِ رجال پر بات ہو، بڑھتے بڑھتے
بات اگر پہنچ سکی حیرانیاں اور بڑھ جائیں گی کہ ہم داستانوں کو دیکھیں قصّوں کو دیکھیں
،کہانیوں کو دیکھیں ،ناولوں کو دیکھیں یا افسانوں کو دیکھیں۔ یہ صرف میں گنوا رہا ہوں
ورنہ یقین کیجئے صرف وہ قصے اور کہانیاں اور افسانے جو عربی و فارسی اور اردو ادب میں
لکھے گئے ہیں انہوں نے شیعیت کی کیا خدمت کی، تاریخِ شیعیت کو کیسے ترتیب دیا یہ
بھی ایک حیران کن موضوع ہے یہ تو صرف میں آؤٹ لائن (out line) اور
سرخیاں سنا رہا ہوں پہلے آپ جنگ کی سرخیاں پڑھ لیتے ہیں پھر آپ اطمینان سے
چائے پی کے پسند کی جو خبریں ہوتی ہیں وہ پڑھتے ہیں اور پھر کالم اور پھر مضامین کی
باری آتی ہے یا نہیں آتی، مجھے نہیں معلوم کچھ پڑھتے ہوں گے کچھ نہیں جس طرح آپ
کا ذہن تشکیل پا چکا ہے اُسی طرح ہم آپ کے ساتھ چل رہے ہیں۔ (صلوٰۃ)

کل کی تقریر ہم نے ایران اور فاطمینِ مصر کی حکومت سے شروع کی تھی اور وہاں

سے ہم سفر کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے تھے یہ عرض کردوں کہ روئے زمین پر جب بھی شیعہ حکومتیں قائم ہوئیں وہ مصر ہو، شام ہو، لبنان و لیبیا افریقہ، ایران یا ہندوستان تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ایک ایک حکومت پانچ پانچ سو سال تک قائم رہی لیکن ہر مؤرّخ یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ کسی شیعہ حکومت میں کسی فرقہ پر مذہبی پابندی نہیں لگائی گئی اور ہر اہلِ شیعیت کے عہد میں اس ملک میں کبھی شیعہ سنی فساد نہیں ہوا، تقریر کا آغاز کر رہا ہوں ایران کی آلِ بویہ، صفوی حکومت، قاچاری حکومت، مصر کی فاطمینِ مصر کی حکومت، دکن کی تین شیعہ حکومتیں احمد آباد، بیجاپور، گول کنڈہ اودھ کی پوری حکومت بارہ بارہ بادشاہ ہوئے اور صدیاں گزریں لیکن ہر ملک کی تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی ملک میں جب تک شیعیت رہی کسی غیر فرقہ کا آدمی بے گناہ قتل نہیں کیا گیا تاریخ گواہ ہے۔ بارہ بادشاہ اودھ میں آئے لیکن آج بھی اس کا اثر ہے کہ دار الحکومت میں صدیاں گذرنے کے بعد کبھی ہندو مسلم فساد نہیں ہوا، کبھی بادشاہوں کے عہد میں شیعہ سنی لڑائی نہیں ہوئی، جتنے منصب شیعہ پاتے تھے اتنے ہی منصب سنی اور ہندوؤں میں تقسیم ہوتے تھے سارے وزارء برابر بیٹھتے تھے، تعصب کا نام نہیں تھا تو کم از کم شیعیت نے روئے زمین پر یہ تو بتا دیا کہ جب ہم آلِ محمدؐ کے صدقے میں اُن کے ادنیٰ غلام حکومت پاتے ہیں تو تعصب سے بچتے ہیں اور غیر مذہب والوں پہ ظلم نہیں کرتے اگر آلِ محمدؐ کو حکومت ملی ہوتی اور وہ حکومت کرتے تو جنّت کا نمونہ یہ زمین بن جاتی اور یہی بتانے کے لیے ان بادشاہوں نے حکومت لی ورنہ ان کو حکومت کی ضرورت نہیں تھی، صرف انداز بتانا تھا اور عجیب عجیب معجزاتی طور پر یہ حکومتیں ترتیب پائیں، عام طور سے غیر ملک سے مسلمان حکمراں آئے، مسلمان بادشاہ آئے، جنگیں ہوئیں، لڑائیاں ہوئیں اس کا ملک چھین لیا، اس کا ملک لے لیا، لاکھوں کو قتل کیا، ملک پہ قبضہ کرلیا، حکومت کرنے لگے،

لیکن یہ عجیب تاریخ ہے کہ تاریخِ شیعیت میں کبھی بھی کسی بھی شیعہ بادشاہ نے کسی بھی ملک پر قبضہ کر کے غاصبانہ حکومت کرنے کی بنیاد نہیں رکھی، کتنی عجیب بات ہے دکن میں جسے آپ حیدر آباد دکن کہتے ہیں وہ ایک شہر ہے ہندوستان کا لیکن دکن ہندوستان کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ جو ساحل سمندر تک اور سری لنکا تک چلا جاتا ہے جنوبی ہند سے جا کر اس کی سرحدیں مل جاتی ہیں اُدھر مدراس سے سرحدیں ملتی ہیں درمیان میں اتر پردیش اور مدھیہ پردیش کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے سب سے بڑا شہر وہاں کا حیدر آباد ہے لیکن آج سے سات سو برس پہلے تغلق شاہی عہد میں اس علاقے میں پانچ بڑی حکومتیں تھیں اس علاقے میں، جس میں دو سُنّی حکومتیں تھیں اور تین شیعہ حکومتیں تھیں سب سے بڑی حکومت کا نام احمد آباد تھا اور وہاں کے بادشاہوں کے لیئے جو لفظ استعمال ہوتا تھا وہ برہمنی دت تھا، حسینی برہمن وہ برہمن جو حسینی تھے انہوں نے اس کی بنیاد رکھی تھی اور دوسری تقریر میں مَیں عرض کر چکا کہ برہان نظام شاہ جس کے دربار میں طاہر شاہ نے آ کر اس کے بیٹے کو موت سے بچایا تھا اس کے بعد اس نے اپنے مذہب کو بدل دیا اور وہ پہلی سلطنت کا بانی بنا اس کے لیئے ایک واقعہ مشہور ہے اور اس واقعہ کو پریم چند نے اپنی کتاب کربلا میں بھی لکھا ہے جب ہم نثری ادب پر گفتگو کریں گے تو اُس میں پریم چند کی کتاب کربلا کا بھی ذکر آئے گا اُس میں انہوں نے بتایا ہے کہ واقعہ کربلا جب ہو رہا تھا تو فرات کے کنارے برہمنوں کا ایک مندر تھا اور وہاں کے پجاری کو جب پتہ چلا تو وہ بھی خدمت میں آیا اور اُس نے قربانی دی اور اُس کے بیٹوں نے بھی دشمنوں سے جنگ کی، اُسی کی نسل کے برہمن جو بھارت آئے تو چونکہ انہیں شہادت ملی تھی اس لیئے ان کی نسل کا نشان بن گیا تو اُن کے یہاں جو بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس کے گلے پر ایک سبز رنگ کا نشان ہوتا تھا اور وہ حسینی کہلاتے تھے کہ یہ حسینؑ نے

نشان عطا کیا ہے ان برہمنوں کو، وہ بانی ہوئے احمد آباد کی حکومت کے اور تقریباً چودہ بادشاہ حکومت کر کے گئے اُسی عہد میں تاریخِ فرشتہ آپ اگر پڑھیں اسی بادشاہ کے بارے میں تفصیل موجود ہے اور دکن کے بارے میں فرشتہ وہاں آیا تھا اور اُس نے جو کچھ وہاں دیکھا تھا اُس نے تاریخ لکھی اُسی دور میں بیجاپور اور گولکنڈہ کی دو بڑی حکومتیں اُبھری تھیں، عجیب و غریب ملک تھا جس کے بارے میں تاریخ کی کئی ہزار کتابیں لکھی گئیں ہیں انگلش میں ہندی میں، اردو میں، فارسی میں، اور اُس دور کا عجیب ملک تھا اُس ملک کا آٹھواں بادشاہ جس کا نام تھا علی عادل شاہ اور وہ محمد عادل شاہ کا بیٹا تھا محمد عادل شاہ انتیس برس کا ہو گیا تھا لیکن اس کے یہاں کوئی اولاد نہیں تھی جب اُس نے یہ منت مانی کہ بیٹا ہوگا تو اس کا نام علی رکھیں گے تو اُس کی ایک بیوی کے یہاں فرزند کی ولادت ہوئی جس کا نام اُس نے علیؑ رکھا لیکن اُس کی جو بیوی تھی پہلی شادی جو محمد عادل شاہ کی بیوی تھی وہ گول کنڈے کے سلطان قلی قطب شاہ کی بیٹی خدیجہ سلطان سے ہوئی اور قلی قطب شاہ کا بڑا بیٹا عبداللہ قطب شاہ تھا جس کی وہ بہن تھی ملکہ نے اُس بیٹے کو پرورش کے لیئے مانگ لیا اور ملکہ کے قصر میں بیٹا پلا بڑا ہوا جوان ہوا اور جب اس کی تخت نشینی اور تاج پوشی ہوئی تو شعراء نے جو تاریخیں نکالیں جتنے مصرعے اُس سن کے نکلے ان کا مفہوم ہی یہ قرار پایا باپ کا نام محمد تھا محمد عادل شاہ اور بیٹے کا نام علی عادل شاہ کہ جتنے بھی مصرعے نکلے اُن کا مفہوم یہ تھا کہ محمدؐ کے بعد تخت علیؑ کو ملا، یہی مصرعے نکلے جتنے شعراء نے بھی تاریخیں نکالیں یہی مفہوم نکلا کہ محمدؐ کے بعد علیؑ تخت پر آ گئے، علی عادل شاہ بڑا عجیب بادشاہ تھا اور اس نے اپنے ملک میں کوئی مسجد ایسی نہیں تھی کہ جس میں یہ حکم نہ ہو کہ ہر اذان میں علیاً ولی اللہ کہا جائے سات سو سال گزر گئے اتفاق سے ان ساری حکومتوں کی لڑائیاں مغلوں سے ہوئیں اور اورنگ زیب اپنی پوری زندگی اسی

پر صرف کرتا رہا کہ بیجا پور اور گول کنڈہ فتح ہو جائے لیکن اتفاق سے جب اُس کی فوجیں بیجا پور کے قلعے میں داخل ہونے والی تھیں تو اطلاع آ گئی کہ شاہ جہاں کا آخری وقت ہے اس لئے اورنگ زیب کو واپس جانا پڑا اور جب اورنگ زیب مر گیا اور اُس کا بیٹا تخت پر بیٹھا تو تاریخ گواہ ہے جو سب سے پہلا حکم جاری کیا عالمگیر نے وہ حکم معلوم ہے آپ کو کیا تھا پورے ہندوستان میں جو پہلا حکم اورنگ زیب کے بیٹے نے جاری کیا وہ حکم یہ تھا ہر مسجد میں اور ہر اذان میں ''علیاً ولی اللہ'' کہا جائے یہ کیا حیرت کی بات نہیں ہے وہ اورنگ زیب جو مخالف ہے مرتے وقت وصیت کرتا ہے اور بارہ وصیتیں لکھیں اُس کا بیٹا اچانک تاریخِ شیعیت کا حصہ بن جاتا ہے اور ہر مورّخ لکھنے پر مجبور ہے کہ دہلی کی جامع مسجد کے امام نے ''علیاً ولی اللہ'' کہنے سے انکار نہیں کیا، کہا گیا اس وقت امام بخاری نماز پڑھاتے ہیں، اُس مسجد کی دیواریں علیاً ولی اللہ کے لفظ سے آشنا ہیں، دہلی کی جامع مسجد اُس آواز کو اپنے اندر جذب کر چکی ہے ہندوستان کی ہر جامع مسجد میں کسی نے بھی انکار نہیں کیا ''علیاً ولی اللہ'' کہنے سے دہلی آگرہ، الٰہ آباد، جتنے بھی شہر اُس کے زیرِ اقتدار تھے اِلّا لاہور کی جامع مسجد جب بادشاہ کو اطلاع ہوئی کہ لاہور کی مسجد میں سب جمع ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہم یہ کلمہ نہیں کہیں گے اور ہر جگہ سے اطلاع آ گئی کہ ہر اذان میں شامل ہو گیا۔

کسی نے بھی انکار نہیں کیا تو بادشاہ خود لاہور آیا تو اس نے کہا اگر یہ نہیں کہتے تو توپوں کا رُخ اِن کی طرف کر دو کم از کم تاریخ میں یہ لکھ تو گیا کہ مغلوں کا وارث ''علیاً ولی اللہ'' کے خلاف کرنے والوں کو توپ کی زد پر رکھ رہا تھا ''علیاً ولی اللہ'' کے خلاف بولنے والوں کی تاریخ میں سزا تو قرار پا گئی نا توپوں پہ رکھ کے اڑا دو یہ تاریخِ شیعیت کا حصہ ہے اور یہ خیال رکھیئے کہ بادشاہ شیعہ نہیں ہے اورنگ زیب کا بیٹا عالمگیر شیعہ نہیں

ہے تو ''علیاً ولی اللہ'' جو ہے وہ یہ تقاضا نہیں کرتا کہ انسان کا شیعہ ہونا ضروری ہے صرف دل میں محبت کا جاگنا ضروری ہے تو جب محبت جگا کر کوئی علیاً ولی اللہ کہے گا تو یہ اختلافی کلمہ نہیں ہے یہ محبت کا نشان ہے، اس میں لڑائی نہیں ہوتی، اس میں اتحاد ہوتا ہے اور کم از کم تاریخ میں یہ تو طے ہو گیا کہ پورے ہندوستان کے ہر شہر کے شیعہ سنی نے اس کلمہ سے اختلاف نہیں کیا علاوہ لاہور کے۔

پہلا مسلمان سیاح ابو ریحان محمد البیرونؔی ہندوستان آیا اس نے اپنی کتاب ''کتاب الہند'' میں لاہور کا تذکرہ کیا ہے البلاذریؔ کی کتاب ''فتوح البلدان'' میں بھی لاہور کا تذکرہ موجود ہے۔ لاہور شہر قدیم ہے۔

مغل سلطنت کے زمانے میں دہلی کی طرح لاہور میں بھی عزاداری ہوتی تھی، ایرانی امراؔ اور روساء جو لاہور میں مقیم تھے اپنی اپنی حویلیوں میں مجالس برپا کرتے تھے ان مجالس میں لاہور کے معززین شامل ہوا کرتے تھے۔

سکّھوں کے زمانے میں لاہور کی عزاداری کو ترقی حاصل ہوئی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مشیر اعلیٰ سیّد عزیز الدین اور پیر سیّد سکندر شاہ دونوں شیعہ عزادارِ حسینؑ تھے ان کے فیض واثر سے مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کی مہارانی عزاداری کرنے لگے۔

لاہور کی قدیم شخصیت گامے شاہ ایک مشہور مولائی عاشق حیدر کرارؑ بزرگ تھے۔ ''کربلا گامے شاہ'' اُنہیں کی یادگار ہے۔ اس کربلا کے وسط میں گامے شاہ مدفون ہیں اور یہاں مشہور ہستیاں دفن ہیں ان میں ایک ایرانی مجتہد علامہ سیّد علی الحائری اور دوسرے اُردو ادب کے مایۂ ناز ادیب مولانا سیّد محمد حسین آزادؔ ہیں جن کی مشہور کتاب ''آبِ حیات'' ہے۔

لاہور کی شیعیت کے فروغ میں ایک اور مشہور ایرانی عالم علامہ ہرویؔ طہرانی ہیں

جن سے علامہ اقبالؔ نے کسبِ فیض کیا اور ان ہی کی مجالس سن کر علامہ اقبالؔ نے واقعہ کربلا پر مکمل نظم لکھی اور پھر حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ زہرا پر نظمیں لکھی ہیں۔

شہر لاہور کا ایک نوجوان شاعر ہے اُس نے ایک غزل کہی عجیب مطلع ہے میں پڑھ کر حیران ہو گیا، عجیب مطلع ہے۔فنون رسالے میں غزل چھپی ہے لاہور عجیب ہوتا جاتا ہے فنون معلوم ہے کس کا رسالہ ہے احمد ندیم قاسمی کا رسالہ ہے نوجوان شاعر لاہور کا ہے اور غزل اُسی کی ہے:

لاہور عجیب ہوتا جاتا ہے
کوفے سے قریب ہوتا جاتا ہے

بس یہ تعریف سب سے عجیب ہے، تو اب وہیں کے شعراء خود ہی دیکھ رہے ہیں کہ یہ کیا ہے تو اُس کے اثرات آپ سے بھی دور ہیں، اُس دور کے بادشاہ کے لیئے بھی پریشانی اور لاہور میں بادشاہ کو ناکامی ہوئی تاریخ گواہ ہے کہ بیجاپور اور گول کنڈہ کی مسجدوں میں صدیوں ''علیاً ولی اللہ'' پکارا گیا اور جشنِ غدیر جس شان سے دکن میں منایا گیا، تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں بادشاہ خود بہ نفسِ نفیس اُس جشن میں شرکت کرتا تھا، علی عادل شاہ اور بالکل یہی عالم قلی قطب شاہ کا تھا دونوں حکومتیں برابر سے اہل بیتؑ کی محبّ تھیں اور خدمت گزار تھیں اور تاریخ دانوں نے بڑی حیرت اس بات پر کی ہے کہ قلی قطب شاہ اور اس کا بیٹا عبداللہ قطب شاہ پورے سال عیش وعشرت میں گزارتے تھے اور جو عالم تھا اور جو رنگینیاں تھیں، موسیقی سے شوق راگ ورنگ سے شوق شعروادب سے شوق لیکن عجیب بات تھی کہ پورا ملک جو پورے سال رنگینیوں میں ڈوبا رہتا تھا ایک مہینے رمضان میں اور محرّم کے ایامِ غم میں ایسا سوگوار ہوتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کبھی عیش وعشرت کا گزر نہیں ہوا کتنی حیران کن بات ہے کہ پہلی محرّم کا

چاند دیکھتے ہی بادشاہ تاج اتار دیتا تھا تخت پر بیٹھنا چھوڑ دیتا تھا پیروں میں نعلین نہیں ہوتی تھی سیاہ بنفشی لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہو کر قصر سے جب عاشور خانے آتا تھا تو کئی گز پیچھے گھوڑے سے دور اُتر کر پیدل عاشور خانے میں پیدل داخل ہوتا تھا اور جب عاشور خانے میں آجاتا تھا تو نذریں گزاری جاتی تھیں اور جب نذریں گزر چکتی تھیں تو بادشاہ عَلم کو چومتا ہوا ہر دروازے پر چودہ چودہ عَلم زرّیں سونے اور چاندی کے تاروں سے بنے ہوئے اُن کو بوسہ دیتا ہوا جب عاشور خانے کے دالان میں آتا تھا تو عبداللہ قطب شاہ نے کچھ ایسی صفیں طاقوں کی بنائی تھیں کہ ایک ایک صف میں کئی کئی سو طاق تھے پہلی محرّم کو پہلی صف کے چراغ جل اٹھتے، دوسری محرم کو دو صفوں کے چراغ جلتے، تیسری محرم کو تین صفوں کے چراغ جل اُٹھتے اور ہر چراغ کو بادشاہ خود روشن کرتا تھا اور جب شبِ عاشور آتی تو دس ہزار چراغ جل رہے ہوتے تھے امام حسینؑ نے ایک چراغ شب عاشور بجھایا تھا تو اُس کی یاد میں بادشاہوں نے دس دس ہزار چراغ روشن کر دیئے اور پوری رات وہ چراغ جلتے رہتے تھے قصر کے ان طاقوں کی قطاروں میں اور باموں پر وہ طاق اس طرح بنے ہوئے تھے کہ جب اُن میں چراغ جلتے تھے تو دُور سے دیکھنے والوں کو اُن چراغوں کی روشنی میں ذوالجناح نظر آتا تھا، کہیں عَلم نظر آتا تھا کہیں ذوالفقار نظر آتی تھی کہیں حسینؑ کا روضہ نظر آتا تھا، آج یہ ممکن ہے، آسان ہے لیکن سات سو سال پہلے ذرا تصور کیجئے یہ وہ کمالات تھے ان بادشاہوں کے جنہوں نے عزاداری میں اور غم حسینؑ میں زمانے کو کیسے حسین تحفے دیئے اور اُس کے ساتھ ساتھ پوری حکومت کی طرف سے پابندی تھی ہر شہر میں ہر مکان پر سیاہ پرچم نظر آئے اور پان کی دکانیں ایام عزا میں بند ہو جاتی تھیں، کوئی پان نہیں کھاتا تھا، ایام عزا میں گوشت کی دکانیں بند ہو جاتی تھیں، جتنے تبرک بٹتے تھے اُن میں گوشت شامل نہیں ہوتا تھا، بادشاہ

کی طرف سے تبرک بٹتا تھا اور چوبیس ذی الحجہ کو محرم سے پہلے پورے ملک میں ہر آدمی کو سیاہ لباس بادشاہ کی طرف سے تقسیم کر دیا جاتا تھا جب ایسا انتظام ہو تو پورا ملک حسینؑ کے غم میں سوگوار کیوں نہ ہو۔ یہ ہے قطب شاہی اور عادل شاہی عہد کی تاریخ شیعیت اور اس طرح وہ دونوں شہر ادب کا حصّہ بن گئے، علی عادل شاہ آٹھواں بادشاہ تھا بیجاپور کا اور قلی قطب شاہ پانچواں بادشاہ تھا گول کنڈے کا لیکن اُردو کا آغاز ہو چکا تھا علی عادل شاہ بھی شاعر تھا اور شاہی تخلص کرتا تھا اور قلی قطب شاہ وہ شاعر ہے اردو ادب کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ہے قلی قطب شاہ سے پہلے کسی شاعر کا دیوان نہیں ملتا اور قلی قطب شاہ ہندوستان کا پہلا مرثیہ نگار شاعر ہے جب جلوس میں آگے آگے چلتا تھا تو دس ہزار مرثیہ نگار مرثیے پڑھتے ہوئے چلتے تھے ایک مجلس میں جمع ہوں تو کئی دن تک مسالمہ چلتا رہے یہ ذوق پروان چڑھا آج قلی قطب شاہ کے مرثیے اس کے دیوان میں محفوظ ہیں قصیدے بھی لکھے اور اس کے بیٹے نے ایک اور عجیب جشن ایجاد کیا تھا اور اس جشن کا نام تھا جشن نورس اردو ادب میں جتنے لفظوں میں نو کا لفظ ہے وہ لغت اُس کی ایجاد ہے اُس کو لفظ نو بہت پسند تھا اور لفظ نو میں سب سے زیادہ نورس پسند تھا جو سب سے بڑا شاہی قصر بنایا تھا اُس قصر کا نام بھی قصرِ نورس تھا اور اگر کسی مہینے کی نو تاریخ جمعے کو پڑ جائے تو اُس دن بہت بڑا جشن منایا جاتا تھا، اور اُس دور کے سب سے بڑے شاعر اشرف بیابانی نے جو پہلی مثنوی کربلا پر لکھی طویل ترین لکھی اُس کا نام رکھا نوسرہار بڑی عجیب باتیں آرہی ہیں بڑے غور سے سنئے گا، نوسرہار کے جب اعداد نکالے گئے تو کل نوسونو عدد ہیں اور نوسونو ہجری میں یہ نظم لکھی گئی، نام سے ہی ظاہر ہے کہ نوسونو میں لکھی گئی، لیکن عجیب بات ہے کہ نام میں بھی نو ہے اور ہجری میں بھی نو لگا ہوا ہے اور بادشاہ ہر لفظ میں نو لگا رہا ہے آخر بات کیا تھی بات یہ تھی کہ نو کا لفظ جو ہے وہ کٹتا نہیں علم ریاضی

میں لفظ نو کو کاٹا نہیں جا سکتا نو ہر حال میں نور ہے گا۔

کئی بار یہ عرض کر چکا ہوں نو اور نو اٹھارہ آٹھ اور ایک نو اٹھارہ، بقرہ عید جمعہ کو پڑی تھی جب جمعہ نو کو پڑ جائے تو جشن غدیر ہوگا، لگا کر ہر لفظ میں غدیر کو چھپا دیا نوروز اب جتنے لفظ آتے جائیں نو کے ساتھ وہ سب اس کی ایجاد ہیں اور شہزادی فاطمہؑ کے نام کا عدد ہے نو امام زمانہ کے نام کا عدد ہے نو وہ آغاز عصمت یہ اختتام عصمت عہد کے نام میں لفظ نو کو چھپا کر سمبل بنایا نو کو امام زمانہ کا برج حوت ہے، حوت کے معنی مچھلی، حوت کے عدد چار سو چودہ اب اس کو جوڑیں تو نو خود حوت کا عدد بھی نو ہے جو امام کا برج ہے اس کا عدد بھی نو ہے۔ بادشاہ کی نظر کہاں تک تھی کہ محاوروں اور الفاظ میں تاریخ شیعیت کو جذب کر دیا، دیکھئے بھئی صلوٰۃ پڑھتے رہیں، ابھی ذکر آئے گا تو عرض کروں گا کہ یہ حیدرآباد دکن ہے اور قلی قطب شاہ کی زندگی کا ظاہر ہے کہ اس کی زندگی کا ہر کام کارنامہ ہے، پہلا صاحبِ دیوان شاعر پہلا مرثیہ گو شاعر یہ اس کی زندگی کا عظیم کارنامہ ایک اور عظیم کارنامہ حیدرآباد شہر کی بنیاد قلی قطب شاہ نے رکھی اور جو نقشہ شہر کا بنا کر دیا وہ مشہد شہر کا نقشہ بنایا اور اس نے کہا جس طرح مشہد میں شہر کے درمیان میں امام رضاؑ کا روضہ ہے پہلے اُس کی شبیہ بناؤ، مرکز شہر میں پھر شہر کو آباد کرو، اُس روضہ کی شبیہ جو درمیان حیدرآباد دکن شہر میں بنی آج اُس عمارت کو چار مینار کہتے ہیں وہی ہے امام رضاؑ کا روضہ، کس کس طرح تاریخ کو دلوں میں ذہنوں میں فکر بنا کر اتار دیا اور اُس چار مینار کے ایک ایک مینار اور دیوار پر جا کر دیکھیں تو علم اور پنجوں کی شبیہ بنی ہے جسے آج تک مٹایا نہ جا سکا تاریخ میں بحث ہے کہ چار مینار ہیں کیا لیکن تاریخ نے گواہی دی کہ قلی قطب شاہ نے امام علی رضاؑ کے روضہ کی نقل بنوائی اور آج وہی دور جو سات سو برس پہلے تھا اور جس ملک نے ہم کو اردو زبان عطا کی ابتدائی زمانہ میں جو زبان کی حالت تھی، وہ

دکنی زبان کہلاتی تھی، جس کی بنیاد رکھی تھی دکنی بادشاہوں نے اور جس جس طرح عاشور خانے اور عزاخانے اور مولا علیؑ کی قدم گاہ اور بعد کے عزاخانے تعمیر ہوئے ہر دور کے بادشاہ نے کوئی نہ کوئی عزاخانہ روضہ عاشور خانہ بنوایا حد یہ ہے کہ آخری سلطان نظام عثمان علی خان نے سب سے آخر میں عزاخانہ زہراؑ بنوایا اور یہ دکن کا ہی طرہ امتیاز تھا کہ وہ لکڑی کا تختہ جس پر جناب فاطمہؑ کو غسل دیا گیا تھا اس لکڑی کے تختے کا ٹکڑا دکن کے بادشاہوں کو ملا جس سے علم تراشا گیا وہی علم بی بی کا علَم کہلاتا ہے اس کی شبیہیں اب پوری دنیا میں نکلتی ہیں، اصل علم وہاں موجود ہے اور وہ علم یعنی ہر چیز کی عزاداری میں دلیل ہے یعنی جنابِ سیدہؑ کا علم کیا مطلب کیونکہ اُس تختے سے منسوب ہے اُس سے علم بنے اب وہ علم اٹھے کیوں تو وہ علم اُس وقت اٹھتا تھا کہ جب عزاخانہ زہراؑ سے علم اُٹھ کر قدم رسول پر جائے اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ بیٹی باپ کے پاس حسینؑ کی تعزیت کے لیئے آرہی ہے، یہ ہیں وہ ادبی اور ثقافتی تخیلات جن کو سوچ کر سمجھ کر علمی سانچہ میں تاریخ کے حوالے کیا گیا اگر میں تفصیل میں جاؤں تو بڑا وقت ہو جائے گا ہم چاہتے ہیں کہ حیدرآباد دکن سے اچانک ہم آپ کو امروہہ لے چلیں اس سمت آپ آجائیں لیکن امروہہ آنے سے پہلے بھئی ڈر لگتا ہے نا کیونکہ امروہہ والوں کا امام باڑہ ہے اگر اُن کی تاریخ شیعیت نہ پڑھی تو نہ جانے کیا کریں۔ (صلوٰۃ)

اس سے پہلے کہ ہم امروہہ کی شیعیت پر تبصرہ کریں اور وہاں کی عزاداری کا ذکر کریں یہ بتادیں کے ہمارے دسویں امام کے چار فرزند تھے سب سے بڑے امام حسنؑ عسکری، ایک زوجہ کے دو بیٹے تھے چھوٹے بھائی سیّد حسین بڑے بھائی امام حسن عسکریؑ دوسری زوجہ سے دو بھائی سیّد محمدؒ اور سیّد جعفرؒ چار بیٹے تھے سیّد حسینؒ کی اولاد ہندوستان کے الٰہ آباد سادات کڑہ، مانک پور اور رسول پور میں آباد ہوئی جو نقوی

سادات کہلاتے ہیں سیّد محمد لاولد تھے جن کا سامرہ میں مزار ہے اور جن کی نذر میں بکرے کی نذر ہوتی ہے جو لوگ یہ نذر کرتے ہیں انھیں سب علم ہے بہت جلالی بزرگ ہیں چوتھے بیٹے جعفرؑ ہیں تاریخ نے ان کو لقب دیا جعفر کذاب کا یعنی جھوٹا جعفر وہ جعفر صادق تھے تو یہ جعفر کذاب کہلائے لیکن تاریخِ شیعیت نے یہ لقب نہیں دیا، تاریخِ شیعیت تو انہیں کہہ کر پکارتی ہے جعفر الزکی تو اُس تاریخ نے کذاب کیوں کہا انہی کے بڑے بیٹے سید ہارون کی نسل میں گیارھویں پشت میں سیّد شرف الدین حسین شاہ ولایت امروہہ آئے پیدا ہوئے شہر صیدا میں، وہاں سے واسط آئے اس لیئے کہ واسطی الصیداوی کہلاتے تھے تاریخ نے کہا کہ جب امام کا جنازہ رکھا گیا گیارھویں امام کا اور صفیں بن گئیں تو ایک بار جعفر آگے بڑھے اور کہا کہ اپنے بڑے بھائی کے بعد میں امام ہوں اور میں ہی نماز جنازہ پڑھاؤں گا، اتنی دیر میں حجرے کا پردہ ہٹا اور ایک سات سال کا بچہ قریب آیا جنازے کے اور کہا چچا ہٹیئے امام میں ہوں نماز جنازہ میں پڑھاؤں گا، بھتیجے نے چچا کو ہٹا دیا، نماز پڑھائی نگاہوں سے امام غائب ہو گئے، بس وہاں سے پورا سامرہ کہنے لگا، جعفر نے دعویٰ امامت کیا اور اُنہیں جعفرِ کذاب کہنا شروع کر دیا، تو وہ تاریخ جو عہدِ رسولؐ سے اب تک مزاج روحِ اسلام کو نہ سمجھی تھی وہ اس عمل کی فکر کو کیسے سمجھتی، اُس کو تو لکھنا ہی تھا کہ وہ کاذب تھے ابھی آپ کا ذہن نہیں پہنچا وہاں، اُس تاریخ کو تو یہ لکھنا تھا کہ رسولؐ کا چچا کافر تھا چچا ایمان کو چھپا رہا تھا بھتیجے کی نبوت بچانے کے لیے تاریخ لکھ رہی تھی کہ جو ایمان چھپا رہے وہ کافر تاریخ آلِ محمدؐ کہہ رہی ہے کہ ایمان کو چھپا کر بھی صاحب ایمان تھے، جعفرؑ بھتیجے کی امامت کو بچانے کے لیئے دعویٰ امامت کر رہے تھے تاریخ لکھ رہی تھی کذاب اور تاریخ امامت کہہ رہی تھی وہ امامت کو بچا رہے تھے تو یہاں جب بھی امامت اور نبوت کا مسئلہ آیا چچا نے آگے بڑھ کر سب

کچھ اپنے اوپر لے لیا، بھتیجے کو بچا لیا یہ ایک وقت نہیں ہر دور میں یہ ہوا، ابو طالبؑ اپنے بھتیجے کو بچائیں، محمد حنفیہؒ اپنے بھتیجے سیّد الساجدینؑ کو بچائیں، جعفرؒ اپنے بھتیجے امام مہدیؑ کو بچائیں، محمود احمد عباسی نے تاریخِ امروہہ میں یہیں سے شروع کیا امروہہ والوں کے خلاف لکھنا کہ ان کا تو شجرہ ہی خراب ہے، تو اس کے تو شجرہ ہی سمجھ میں نہ آیا کیونکہ خود تھا وہ زبیری عباسی تو اُس کو کیا پتہ کہ سادات امروہہ ہیں وہ کیسے صحیح النسل ہیں اور گیارھویں نسل میں امام کی سیّد شرف الدین حسین امروہہ آئے اب بے شمار تاریخ تاریخِ اصغری، تاریخِ واسطیہ بیس بائیس ایسی کتابیں ہیں جن میں امروہہ کا کچھ نہ کچھ حال مل جاتا ہے وہ ساری کتابیں میری نظر میں ہیں لیکن میں جلدی جلدی آگے بڑھ جاؤں کہ یہ بحث ہے کہ امروہہ کا نام امروہہ کیوں ہے کسی نے کچھ رکھا پھر ایک ہندو نے رکھا انبار روہہ رکھا لیکن درحقیقت شاہِ شرف الدین ہی کو یہ بشارت ملی تھی اور صرف شرف الدین کو نہیں جب سادات ایران، عراق سے چل رہے تھے تو جب ان کو بشارت ہو جاتی تھی کہ اس مقام پر رک جاؤ وہ رک جاتے تھے پہچان بتائی جاتی تھی صحرا تھے، گاؤں تھے، دیہات تھے نام تو تھے نہیں شہروں کے اور دیہاتوں کے صحراؤں میں جا کر آباد ہوتے تھے تو بشارت میں پہچان بتا دی جاتی تھی اس مقام پر ٹھہرو یہیں نسل بڑھے گی یہیں تاریخِ شیعیت ترتیت پائے گی اب وہ اشارے تھے اس اشارے کو تاریخ روح شیعیت ہی سمجھ سکتی ہے کہ ان کو یہ بشارت ہوئی کہ وہاں رک جانا جہاں آم ہو اور رہو مچھلی ہو، رُک گئے جہاں آم کے باغات اور رہو مچھلی پائی جاتی تھی وہاں رک گئے اس لیئے اُس کا نام آم سے ام، رہو سے روہہ یعنی امروہہ اب یہ تو بشارت کا کمال ہے رہو اور آم دونوں لفظ اُردو کے ہیں بشارت عربی یا فارسی میں ہوئی لیکن بشارت کا معجزہ یہ ہے اب یہ تاریخِ شیعیت کے کمالات و معجزات ہیں کہ جو لفظ بھی آ گیا اُن

دونوں کا ربط کیا ہے یعنی مچھلی سے آم کا کیا ربط ہے کیا ربط ہے آم جو لفظ ہے آپ اس کو پلٹیں آم کو پلٹیں گے تو مآء تو عربی میں مآء کہتے ہیں پانی کو مچھلی بغیر پانی کے کبھی رہی ہے اس لیئے عربی کی یہ مثل مشہور ہے "السّمكُ فی المآء" مچھلی بغیر پانی کے نہیں رہ سکتی یہ محاورہ ہے عربی کا یہ کیوں ہے محاورہ ذرا اس پہ غور کیجئے گا قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط مودّت وہ والی مودّت فی کے ساتھ مچھلی جب تک پانی میں ہے مچھلی ہے مچھلی کی حیات پانی، پانی مچھلی کی روح، پانی مچھلی کی زندگی، بس جب تک جیئے پانی میں مرجائے جب بھی پانی سے رشتہ نہیں چھوٹتا آپ کھا لیجئے مچھلی ایک ریزہ بھی مچھلی کا اگر پیٹ میں ہے اُس وقت تک آپ پانی طلب کرتے رہیں گے جب تک شکم میں وہ ریزہ ہے مچھلی مر جائے تب بھی پانی سے رشتہ نہیں توڑتی پھر آیت پڑھیئے قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط وہ والی مودّت ان قرابتداروں سے کرو جو مچھلی پانی سے کرتی ہے مرجاؤ، کٹ جاؤ، مٹ جاؤ لیکن مچھلی پانی کا ساتھ نہیں چھوڑتی "السّمكُ فی المآء" مچھلی پانی کے ساتھ ہے نشان بتایا گیا اب پھر وہیں سے ربط دے رہا ہوں امامِ عصر کا برج کیا ہے حوت، حوت کے معنی مچھلی، اب سورہ پڑھے "نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ" مچھلی کی قسم، قلم کی قسم، جو تحریر لکھی جائے گی وہاں ٹھہرو جہاں قلم ہے، آم کی قلم، مچھلی ہے یعنی دوات اولاد میں یا شعراء ہوں گے یا خطاط ہوں گے، ایک صلوٰۃ امروہہ والوں کے لیے پڑھ دیجئے، تو آپ نے دیکھا دس ہزار وہاں سے ہجرت کر کے یہاں آئے اور اب نسلیں کہاں تک بڑھ گئیں تو امروہہ میں آپ دو ہی چیزیں پائیں گے یا شاعر ہو گا یا خطّاط اور اتفاق کی بات بعض شاعر بھی خطّاط ہیں اور بعض خطّاط بھی شاعر ہیں اور پورا پاکستان ایک صادقین کی وجہ سے مشہور ہو گیا دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں صادقین کی خطاطی مشہور نہ ہو لیکن تاریخ

شیعیت کا یہی تو کمال ہے کہ وہ چاہے تاریخ سے کٹ کر کہیں نکل جائیں جیسے امروہہ والے کٹے رہتے ہیں ان کا مرکز الگ، جلوس الگ، ذوالجناح الگ، ضریح الگ تعزیہ الگ، عَلم الگ ہر چیز الگ ہے، کٹے ہوئے ہیں آپ سے تاکہ آپ میں نہ جڑنے پائیں لیکن تاریخِ شیعیت کسی کو کٹنے ہی نہیں دیتی اب صادقین کو دیکھئے کٹے خطاط بن گئے اب مذہب وغیرہ سے کیا تعلق لیکن تاریخِ شیعیت کہیں کٹنے دیتی ہے کسی کو جانے ہی نہیں دیتی تصویریں بنائیں اسٹیٹ بنک میں لگ گئیں ایوب خان آئے افتتاح کرنے اِدھر اُدھر کی بات اب یہ تاریخ شیعیت کا معجزہ ہے تصویریں دیکھیں ایوب خان نے کاندھے پر ہاتھ رکھا الگ لے گئے کہا صادقین ایک سوال کرنا ہے کہا کیا، کہا یہ بتاؤ کہ چنگیز خان بھی ظالم تھا اور یزید بھی ظالم تھا بتاؤ دونوں میں فرق کیا ہے یعنی دونوں میں زیادہ ظالم کون تھا دیکھا آپ نے تاریخ شیعیت کا کمال جنرل ایوب خان آئے ہیں تصویریں دیکھنے سوال کیا ہوگیا، اب لاکھ بچیں صادقین، تاریخ تو اُن سے چمٹی جا رہی ہے، کہنے لگے ہمارا مذہب سے کیا تعلق، کہا بھئی کچھ تو ذہن میں جواب آیا ہوگا، کہنے لگے اچھا اگر آپ پوچھ رہے ہیں تو سن لیجئے، چنگیز خان نے انسانوں کو قتل کیا تھا اور یزید نے انسانیت کو قتل کر دیا اور صادقین کی خطاطی کا آغاز بنگلہ محلے کے امام باڑے میں عزاداری پر تصویریں بنانے سے ہوا آغاز عزاداری ہے تب اتنی ترقی کی کہ دنیا میں مشہور ہوگئے عزاداری نے اتنا بڑا خطاط ملک پاکستان کو دیا تو غور کیا آپ نے شاہِ ولایت واسطہ سے آئے امروہہ کو آباد کیا، بے شمار محلے ہیں، میں بھی ایک مرتبہ امروہہ گیا تھا ترپین امام باڑے ہیں امروہہ میں اور ایسے سجے بنے امام باڑے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں پورے سال وہ بڑے احترام سے محفوظ ہیں اور شاہ ولایت کے مزار کے چاروں طرف باغات ہیں پہلے شیعہ سنّیوں میں برسوں جھگڑا ہوا شیعہ کہتے

تھے ہمارے ہیں یہ اور سُنّی کہتے تھے ہمارے ہیں یہ بہر حال شیعہ جیت گئے اور اب انہیں کے پاس اوقاف وہ مزار ہے اب چونکہ ایک معجزہ ایسا ہے وہاں شاہ صاحب کے مزار پہ آپ جائیں لوگ بیٹھے رہتے ہیں بچھو لیئے ہوئے اور بڑے بڑے بچھو وہاں چلتے رہتے ہیں اور وہ آپ کے ہاتھوں پر بچھو رکھ دیں گے کاٹے گا نہیں اب اُن بچھوؤں کے بے شمار معجزات ہیں اگر آپ مزار سے باہر بچھو لے جانا چاہیں تو یہ کہہ کر لے جائیں کہ ایک مہینہ کے بعد تجھے واپس کر دیں گے، شاہ ولایت کے مزار پر، چاہے امریکہ لے جائیں، تو وہ ایک مہینہ کے وعدہ پر وہاں بھی نہیں کاٹے گا اور اگر ایک مہینہ سے ایک دن اوپر ہو گیا تو وہ کاٹ لے گا، بعض لوگ کہتے ہیں یہ کیا معجزہ ہے بچھو نہیں کاٹتا اس میں کیا کرامت ہے تو یہی تو معجزہ ہے سادات ہندوستان میں یہی تو بتانے اور دکھانے آئے تھے تاریخِ شیعیت کو اسی طرح تو ترتیب دے رہے تھے صرف ادنیٰ سا معجزہ کہ شاہِ ولایت نے تاریخ میں لکھوایا کہ زہریلے جانور کی فطرت ہے زہر کا اُگل دینا، ڈنگ مارنا لیکن سادات کی قبر پر آ کر اُس کا زہر زائل ہو جاتا ہے، یعنی جہاں سیّد کی قبر ہے وہاں نہ زہریلا جانور کاٹے گا، نہ ڈنگ مارے گا، حالانکہ محاورہ ہے سانپ کا کاٹا سوتا ہے اور بچھو کا کاٹا روتا ہے، جب گیارھویں نسل میں آج بتا رہے ہیں صدیاں گزرنے کے بعد یہ قبر میں یہ اثر ہے کہ زہریلا جانور ہندو ہو، شیعہ ہو، یا کسی بھی مذہب کا ہو کسی کو ڈنگ نہیں مارتا، جہاں رسولؐ خود ہوں وہاں سانپ کیسے کاٹ سکتا ہے، اولاد میں یہ اثر ہے محاورہ کا مزہ نہیں لیا سانپ کا کاٹا سوتا ہے اور بچھو کا کاٹا روتا ہے شاہ ولایت بتا رہے ہیں سانپ کا کاٹا روتا نہیں اللہ چاہتا تو بچھو کو بھیج دیتا اگر رلوانا ہوتا، اللہ سلوانا چاہتا تھا انسان رونا چاہتا تھا غارِ ثور میں سانپ کا کاٹا نہیں روتا وہ تو سوتا ہے لیکن یہ رو رہے تھے۔ سانپ نے اپنی فطرت بدل دی، انسان نے اپنی فطرت نہ بدلی،

تو یہ امروہہ والے کہاں بچ کے جائیں گے سب سے زیادہ تو تاریخِ شیعیت میں تبلیغ تو
یہی لوگ کر رہے ہیں بچھو کی وجہ سے شاہِ ولایت کے ذریعے سے پوری حیات شاہِ
ولایت نے اس طرح گزاری جلال الدین شاہ بخاری کی صاحبزادی سے عقد ہوا اور
جلال الدین بخاری جو اوچ شریف میں مدفون ہیں، دو بیٹے شرف الدین کے ان کی نسل
میں ہیں جو مشہور شخصیت آئی وہ میر عدل ہیں اکبر نے سندھ کا گورنر میر عدل کو بنایا اور
میر عدل کو ایک سیّد بزرگ نے جو تحفہ دیا تھا وہ عظیم تحفہ حضرت زیدؑ شہید کی تلوار اور زیدؑ
شہید کا نیزہ ہے امروہہ میں جو امام باڑے بنے اُن میں پہلا امام باڑا چاند سورج کا
امام باڑا ہے جب اتفاق سے میرا وہاں جانا ہوا تو مجھی کے امام باڑے میں دو مجلسیں
پڑھیں، پھر سیّد المدارس میں مجھے استقبالیہ دیا گیا، جہاں عبادت امروہوی صاحب بھی
موجود تھے تو چونکہ محرم نہیں تھا لیکن اس کے باوجود مجھے حضرت زیدؑ شہید کی تلوار کی
زیارت کروائی گئی، اُس تلوار کو دیکھ کر بہرحال حیرانی ہوئی وہی نیزہ جو دیا گیا تھا وہ
عزاداری کی بنیاد بن گیا پہلے جھگڑا ہوا پہلے آدمی نے جو جلوس نکالا اس کا نام تھا مبارک
اسے قتل کر دیا گیا لیکن جب زیدؑ شہید کا نیزہ آیا تو اس کو چبوترے پر علم بنا کر نصب
کر دیا گیا یہ پہلا علم تھا امروہہ کا جو شبِ عاشور نصب ہوا اور پھر اسی کی شبیہ میں نشانوں
کا جلوس نکلتا ہے نو محرم کو اور وہ نشانوں کا جلوس جب واپس عزاخانوں میں آتا ہے ان
نشانوں کو گردش دی جاتی ہے صدیاں گذر گئیں وہ گردش اب تک بتا رہی ہے کہ یزید
ہار گیا اور حسینؑ جیت گئے، تاریخ امروہہ میں نشانوں کو گھمانے کی یہی وجہ لکھی ہے،
امروہہ میں ہندوستان کے بڑے بڑے ذاکرین پڑھنے کے لیئے آئے میر انیسؔ کے
عہد میں میر انیسؔ کے چھوٹے بھائی میر اُنس مرثیہ پڑھنے گئے وہاں مرزا دبیرؔ کے
خاندان کے شعراء مرزا اوجؔ، خاندانِ میر انیسؔ کے شعراء میر عارفؔ، دولھا صاحب یہ

سب وہاں مرثیے پڑھنے گئے اور امروہہ کا یہ کمال ہے کہ وہاں کے جتنے بھی بزرگ ہوتے ہیں وہ اتنی مجلسیں سنے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر آپ کو یہ پتہ لگانا ہے ذاکر اور خطیب کے بارے میں کہ اس کا معیار کیا ہے تو وہاں کے کسی بزرگ سے پوچھ لیں وہ صحیح تعریف کر دیں گے انہوں نے ایک مجلس سنی وہ یہ بتا دیں گے اس کا مطالعہ ہے یا نہیں یا صرف سیر ہے، یا سنی سنائی تقریر کرتا ہے یا رَٹی ہوئی کرتا ہے۔

یہ بڑا تنقیدی فن امروہہ والوں کے پاس ہے اور یہ علم سب کو سیکھ لینا چاہئے، شمیمؔ امروہوی وہاں کے ممتاز مرثیہ گو گزرے جو نسیمؔ امروہوی کے دادا تھے اور مرزا دبیر کے عہد میں ان کے مرثیے ہندوستان میں بڑے مقبول تھے اور وہ رام پور کے دربار میں نواب حامد علی خاں کے یہاں مرثیے پڑھنے جاتے تھے تقریر خاتمے پر پہنچی اسی طرح ہم تدریجی طور پر تمام جگہوں پر پہنچ سکتے ہیں اور ہر جگہ کی شیعیت بیان کر سکتے ہیں اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم مصائب میں مسلسل صرف ایک ہی موضوع بیان کر رہے ہیں، جلد اس موضوع کو مکمل کر لیں گے اور آنے والی تقریروں میں جیسے ہی تاریخِ شیعیت کا ربط آئے گا ہم دو کامل تقریریں مختار ثقفی پر کریں گے جو لوگ مختار کو سننے آتے ہیں وہ پریشان نہ ہوں، وہ موضوع بھی انشاءاللہ ہم کامل کر دیں گے، اب جو موضوع ہم مصائب میں پیش کر رہے ہیں وہ ہے سرِ حسینؑ صرف ایک موضوع ہے ہمارا سرِ حسینؑ کتنا عظیم موضوع ہے میں پہلے دن بتا چکا ایک سو بتیس معجزے سرِ حسینؑ کے مقتل کی کتابوں میں ملتے ہیں علامہ مجلسی نے ''بحار الانوار'' میں ایک پورا باب سرِ حسینؑ کے عنوان پر قائم کیا اور پانچ روائتیں لکھیں ہیں انہوں نے اور اس پر تبصرہ کیا ہے پہلی چیز وہ لکھتے ہیں کہ سرِ حسینؑ دمشق میں دفن ہے دوسری روایت وہ لکھتے ہیں کہ سرِ حسینؑ قاہرہ میں دفن ہے تیسری روایت وہ لکھتے ہیں کہ سرِ حسینؑ جنّت البقیع میں مدینے میں دفن ہے، پھر

لکھا کہ سرِ حسینؑ کربلا میں دفن ہے، پھر لکھتے ہیں ہم نجف پہنچے اُس وقت تک سوائے امام کے کسی کو نہیں معلوم تھا کہ سرِ حسینؑ نجف میں دفن ہے سارے راویوں کی روایتوں کو جمع کر کے اب جس چیز کو وہ لکھتے ہیں اُسی پر میری بھی نظر ہے اور آپ کی نظر بھی اسی پر رہے اور وہ روایت یہ ہے زبیر بن یزید بن طلحہؒ راوی ہے کہ ہم امام صادقؑ کی خدمت میں تھے کہ امام نے غلام کو حکم دیا کہ سواری کا گھوڑا تیار کیا جائے امام عصمت سرا سے باہر آئے اور پشتِ زین پر بلند ہوئے دوسرا گھوڑا بھی تیار تھا اُس پر آپ کے بڑے فرزند اسماعیل تشریف فرما ہوئے اور ایک گھوڑے پر میں بیٹھا یعنی تین گھوڑے ایک ساتھ چلے، امام آگے چل رہے تھے امام نے کہا کہ ہم نجف جا رہے ہیں، ہم نجف پہنچے اُس وقت تک سوائے امام کے کسی کو نہیں معلوم تھا، ہمیں بھی نہیں معلوم تھا کہ علیؑ کی قبر کہاں ہے، ساتویں امام کے دور میں مولاؑ کی قبر دریافت ہوئی اور وجہ یہ تھی کہ معصومینؑ نے اب تک قبرِ علیؑ کو اس لئے چھپایا تھا کیونکہ بنی اُمیہ ہر دَور میں علیؑ کی قبر کو تلاش کرتے رہے تاکہ قبر کو کھود کر مولا کی لاش نکال کر بے حرمتی کی جائے، اس لیئے معصومینؑ نے قبر کے نشان کو چھپایا، حجاج بن یوسف نے بڑی دولت اس پر خرچ کی اور لوگوں کو ملازم رکھا کہ قبرِ علیؑ تلاش کرو، لیکن قبرِ علیؑ تلاش نہ ہو سکی ہارون نے قبر کو تلاش کیا تھا اور وہی اُس قبر کا پہلا مجاور ہے، جس نے چار دیواری بنائی اور قبر کی حفاظت کی، اُسی کا صلہ ہارون کو ملا کہ ہر بادشاہ کی قبر کا نشان مٹ گیا، مگر ہارون کی قبر کا نشان نہیں مٹا۔ سب سے پہلے امیر المومنینؑ کی قبر کی چار دیواری اُسی نے بنائی تھی، راوی کہتا ہے کہ ہم وہاں پہنچے امام نے گھوڑے کو روکا گھوڑے سے اترے اور پھر ایک بلندی کی طرف چلے ایک قبر کے پاس رک گئے بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور بیٹے سے کہا اسماعیلؑ زیارت پڑھو ہم لوگوں نے مولائے کائنات کی زیارت پڑھی جب زیارت ختم کی تو پھر فرزند کی

طرف پلٹ کر کہا اب اپنے جد حسینؑ ابن علیؑ کی زیارت پڑھو تو اسماعیلؒ نے پوچھا بابا آپ یہاں پر حسینؑ ابن علیؑ کی زیارت کیوں پڑھ رہے ہیں کہا بیٹا یہی تمہیں بتانے لایا ہوں میرے جد علیؑ کی قبر کے پہلو میں یہ جو چھوٹی سی قبر ہے یہاں پر تمہارے دادا حسینؑ کا سر دفن کیا گیا اور ہمارا ایک دوست ہمارے جد کے سر کو لایا تھا اور اُس نے یہاں پر دفن کیا یہ امام صادقؑ گواہی دے رہے ہیں چونکہ معصوم سے حدیث ہے اور سب سے مستند روایت یہی ہے لیکن اب آپ یہ ضرور سوچیں گے کہ نجف میں سر دفن ہے اب اس کے بعد امام فرماتے ہیں معصوم کا کوئی حصّہ جسم کا معصوم سے دور نہیں رہ سکتا، قرآن کی آیات کی روشنی میں اس لیئے کہ وہ زندہ ہے یہاں سے پروردگار عالم نے سرِ حسینؑ کو وہیں پہنچا دیا جہاں ہمارے جد کا جسم ہے روایتیں مختلف ہیں لیکن سرِ حسینؑ قبر حسین ہی میں موجود ہے مختلف مقامات پر یہ سرِ حسینؑ کی یادگاریں ہیں وہ یادگاریں صرف اس لیئے ہیں کہ جہاں بھی پہنچ سکو وہی ثواب ہے جو قبرِ حسینؑ پر جانے کا ثواب ہے اس لئے کسی معصوم نے کسی جگہ کے خلاف آواز نہیں اٹھائی کہ یہ غلط ہے یہاں نہ جاؤ تا کہ ہم کسی بھی راہ سے حسینیت تک پہنچ سکیں۔ اب اسی پر ہم تقریر کا اختتام کر رہے ہیں۔

وہ کون تھا کہ جس کو یہ خیال آیا جب شہزادی زینبؑ اُس مکان میں پہنچی جہاں شہزادی نے سات یوم تک ماتم کیا تھا پہلی بات یہی کہی تھی، اے بیٹا سیّد سجادؑ یزید ہمارے وارثوں کے سر دے دے تو اُن سروں کو منگالو، مجلسیں اس طرح ہوئیں کہ تبرکات بھی آئے اور سر بھی آئے اور وہاں آقا کا سر بھی آیا لیکن جب قافلہ چلنے لگا تو تاریخ میں یہ ہے کہ یزید نے بلا کر یہ کہا کہ عابد بیمار ہم تمہیں سارے سر واپس کرتے ہیں لیکن ہم نے اس سر کے لیے بڑی محنت کی ہے، ہم نے جان کی بازی لگا کر اسے پایا ہے، ہم اپنے خزانے سے اس سر کو جدا نہ کریں گے، عرصے تک یزید کے خزانے میں،

ایک صندوق اور صندوق پر سرخ مخمل کا غلاف چڑھا رہتا تھا، وہ سر محل کے تہہ خانے میں رہتا تھا اس تہہ خانہ میں سیڑھیاں تھیں وہاں وہ صندوق رکھا رہتا تھا اور اس پر سخت پہرے لگے رہتے تھے، وہاں کوئی بھی نہ جا سکتا تھا، سُلیم نامی ایک غلام اہلِ بیتؑ نجف میں رہتا تھا وہ مولاؑ کی قبر پر پہنچا اور اس نے کہا یا علیؑ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ یا تو ہم واپس نہ آئیں گے یا آپ کے بیٹے کا سر لے کر آئیں گے، یہ عہد کر کے قبر سے چلا دمشق پہنچا کسی طرح یزید کے دربار میں رسائی ہوئی ''ریاض المصائب'' سے روایت پڑھ رہا ہوں یزید کا ملازم ہوا یزید خدمت سے اتنا خوش ہوا کہ جہاں سرِ حسینؑ رکھا تھا وہاں اس کی ملازمت ہوگئی وہاں وہ پہرہ دینے لگا جب رات آتی، خاموشی چھا جاتی، رات کے سناٹے میں سیڑھیاں اتر کر تہہ خانہ میں اترتا، صندوق کو کھولتا سر کو نکالتا اور دیکھ کر رو کر کہتا آقا وہ دن دور نہیں جب ہم آپ کو لیکر نجف چلیں گے، پوری رات رو کر گزر جاتی ایک رات ایسی آئی کہ سپاہیوں سے بچ کر سرِ حسینؑ کو رومال میں لپیٹ کر چلا ادھر سر لے کر چلا یزید کو اطلاع ہوگئی فوجیں پیچھے چلیں لیکن صحرا میں جیسے جیسے بھاگتا لشکر یزید اُسے دیکھ نہ سکتا اللہ نے اسے دشمن کی نگاہوں سے چھپا لیا، فوجیں تھک ہار کر واپس آ گئیں وہ صحرا میں نکل گیا کچھ دور چلا تھا کہ سامنے کچھ خیمے لگے تھے ایک نصرانی عورت اپنی کنیزوں کے ساتھ وہاں ٹھہری ہوئی تھی ابھی دسترخوان بچھا تھا سب کنیزیں ابھی کھانا کھانے جا رہی تھیں تو اس بی بی خورشید بانو نے کہا جانے کیا بات ہے حلق سے نوالا نہیں اترتا ایسا لگتا ہے جیسے اس صحرا سے کوئی بھوکا پیاسا گزر رہا ہے، کنیزوں سے کہا جا کر دیکھو اور آواز دی کنیزوں نے اے شہزادی خورشید بانو ذرا دَرِ خیمہ پر آؤ، عجیب منظر ہے، اندھیرے جنگل میں ذرا روشنی کا سماں دیکھو شہزادی دوڑ کر آئی اس نے دیکھا ایک مسافر جا رہا ہے سر پر خاک ہے پیروں میں کانٹے چبھے ہیں اس کے ہاتھ میں ایک

رومال ہے اس سے ایک نور نکلتا ہے روشنی نکلتی ہے تو صحرا منور ہو جاتا ہے کنیزوں نے آواز دی ہماری شہزادی بلا رہی ہے وہ قریب آیا شہزادی خورشید بانو کہتی ہے کہ یہ بتاؤ کہ اس رومال میں کیا ہے اُس نے کہا کہ دُرِّ بے بہا ہے کہا یہ کیسا موتی ہے اتنا بڑا موتی ہم نے نہیں دیکھا ہمارے ہاتھ فروخت کر دو اس کی قیمت کیا ہے رو کر کہتا ہے زمین و آسمان اگر بیچ دیے جائیں تو اس کی قیمت نہیں ہو سکتی اچھا اگر یہ بتاؤ میں اس کی رونمائی میں ساری کنیزیں سارا زر و جواہر اور ساری دولت تمہیں دے دوں تو تم دکھا دو گے کہا میں نے قسم کھائی ہے نجف سے پہلے رومال نہیں کھولوں گا، اگر تو دیکھنا چاہتی ہے تو نجف میرے ساتھ چل خورشید بانو کہتی ہے آج کی رات تو میرا مہمان بن جا کل صبح ہم سب تیرے ساتھ وہاں چلیں گے اور اس دُرِ بے بہا کی زیارت کریں گے مسافر مان گیا اس کے لیے خیمہ خالی کرا دیا گیا۔ وہ مہمان ہوا، رات آئی کنیزوں نے کہا شہزادی کھانا کھا لو کہا نہ مجھے بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے یہاں تک کہ کنیزوں نے کہا شہزادی سو جایئے، کہا آنکھ بند کر کے لیٹ گئی غنودگی آ گئی سامنے دیکھا عیسیٰ نبی اللہ کھڑے ہیں اور کہتے ہیں خورشید بانو نبی کا نواسہ تیرے گھر مہمان ہے، تو سو رہی ہے، سمجھ میں نہیں آتا یہ مسافر کون ہے، کنیزیں کہتیں ہیں جا کر ہم معلوم کرتے ہیں کہ یہ مسافر کون ہے، خورشید بانو کہتی ہے، ہم کنیزوں کے ساتھ خود چلیں گے خیمہ میں گئی تو دیکھا مسافر تھکا ہوا تھا سو رہا تھا لیکن سینہ پر رومال کو رکھے ہوئے جس سے نور پھوٹ رہا تھا اور آواز آ رہی تھی السلام علیک یا امیر المومنینؑ خورشید بانو نے آواز سنی دوڑ کر رومال کو اٹھایا، اسے لیکر اپنے خیمہ میں چلی، کنیزوں نے حلقہ بنایا، بیچ میں رومال رکھا اور اب جو رومال کھولا تو دیکھا کہ ایک زخمی کا سر ہے، کٹا ہوا گلا ہے، تیروں اور تلواروں کے زخم چہرے پر نظر آئے، ایک بار آواز دی، کسی پیاسے کا سر ہے، کسی مظلوم کا سر ہے، لیکن

عیسیٰؑ نے مجھے خبر کیوں دی، تو ایک بار کنیزوں نے کہا ارے ماتم کیسے کریں، اس کا نام نہیں معلوم، خورشید بانو کہتی ہے، اے سر تو بڑا برگزیدہ ہے، بتا تو کس کا سر ہے، آواز آئی میں فاطمہؑ کا لال ہوں علیؑ کا نورِ نظر ہوں، محمدؐ کا فرزند ہوں پیاسا حسینؑ ہوں، یہ سننا تھا کہ خورشید بانو اور کنیزوں نے ماتم کرنا شروع کیا ہائے حسینؑ کہہ کر حلقہ بنایا، ماتم کرتے کرتے جب گر گئیں تو اک بار فیصلہ کیا کہ بالوں کو چوبِ خیمہ سے باندھ کر ماتم کرو، سب نے بالوں کو چوب خیمہ سے باندھ کر ماتم کیا یہاں تک کہ بال رسیوں میں رہ گئے اور زمین پر گر گئیں جب صبح مسافر کی آنکھ کھلی دیکھا کنیزیں بیہوش ہیں، سر کو اٹھانا چاہتا تھا خورشید بانو کی آنکھ کھل گئی، ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تو اسے لے کر نہ جا، ہم بھی چلیں گے، سب کو ہوش میں لائی خورشید بانو کہتی ہے چلو، خورشید بانو اور کنیزیں چلیں اور وہ مسافر سر کو لیکر آگے آگے چلا، اک بار اللہ نے جبرئیلؑ امین کو حکم دیا کہ جس کا جنازہ نہ اُٹھ سکا اُس کا سر نجف جارہا ہے، انبیاء سے کہو سرِ حسینؑ کے پیچھے پیچھے چلیں، تمام انبیاء چلے تمام ا جنا چلے، نجف کے قریب جب یہ جلوس سر حسینؑ کا پہنچا، ہائے حسینؑ کی صدا بلند کرتا ہوا، جب نجف کا دروازہ کچھ دور رہ گیا تو دو بزرگ سامنے سے آئے انہوں نے آکر کہا اے سُلیم سرِ حسینؑ ہم کو دے دے، اس نے کہا تم کون ہو انہوں نے کہا ہم آدمؑ اور نوحؑ ہیں اُس نے کہا نہیں جس سے قسم کھائی ہے اُس کے حوالے کروں گا، اک بار سر لیکر آگے بڑھا، قبر کے قریب پہنچا آواز دی، اے میرے مولا علیؑ میں آپ کے بیٹے حسینؑ کا سر لے آیا ہوں، میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، ابھی یہ کہہ رہا تھا، کہ قبر سے دو ہاتھ بلند ہوئے، آواز آئی اے سُلیم یہ فاطمہؑ کے ہاتھ ہیں آنکھوں کو بند کر لے، ماں اپنے بیٹے کا سر مانگ رہی ہے، اے میرے لال حسینؑ تجھ پر کیا گزر گئی ہائے میرے پیاسے حسینؑ۔

❁❁❁❁

ساتویں مجلس

تاریخِ شیعیت

......: جرأتِ اظہارِ حق :......

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

ساری تعریفیں اللہ کے لئے درود وسلام محمدؐ وآلِ محمدؐ کے لئے

انجمن رضائے حسینی کے زیرِ اہتمام الوداعی عشرے کی ساتویں تقریر آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں۔ عنوان کا آپ کو علم ہے۔ ہم مسلسل تاریخِ شیعیت پر گفتگو کر رہے ہیں، تاریخِ شیعیت درحقیقت اسلام کی صحیح تاریخ ہے۔ اس میں انبیاءؑ کا ذکر ہم نے کیا اور علمائے کرام کا ذکر بھی کیا۔ ہم نے یہ بتایا کہ تاریخِ شیعیت ہمیشہ اقلیت ہی کے پاس رہی اور ہمیشہ اُن دشمن اور درندہ صفت عناصر کے نرغے میں رہی جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے تھے۔ مگر اُن کا اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ دُنیا اصحاب کا تذکرہ بڑے زور وشور اور اہتمام سے کرتی ہے۔ تاریخِ شیعیت نے بتایا اصحاب کسے کہتے ہیں اور وہ ہمیشہ گنتی کے افراد ہی رہے، جہاں تک محبوں کا تعلق ہے اُن کی ایک بڑی تعداد ہر دور میں رہی، ہر قوم میں رہی کبھی ظاہر ہوئی کبھی تقیہ کی چادر میں چلی گئی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی دور تاریخِ شیعیت سے خالی نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ جب حُجّتِ خدا ہر آن موجود رہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اُس کے ساتھ ساتھ تاریخ شیعیت نہ رہے۔ تاریخ شیعیت ہر دور میں ارتقاء پذیر رہی ہے اور یوں صدیوں کا

سفر انتہائی نا مساعد حالات میں طے کرتی ہوئی آپ تک پہنچی ہے۔اب آپ اس کے ارتقاء کے لئے کیا کر رہے ہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں یہ آپ کو معلوم ہوگا۔ایک ذاکر کی حیثیت سے میں اپنے فرائض کامل خلوص اور نیک نیتی سے ادا کر رہا ہوں اور انشاء اللہ ادا کرتا رہوں گا۔ یہ تلاش کرنا کہ ظہورِ اسلام کے وقت شیعیت کیا تھی اور بعد واقعۂ کربلا شیعیت کیا رہی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ جہاں شیعہ افراد یعنی سادات جا رہے ہیں وہ شیعیت لے کر جا رہے ہیں، مگر وہ آبادیاں اور علاقے پکار رہے ہیں کہ نہیں شیعیت وہاں پہلے سے موجود تھی۔عیسیٰؑ کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے عیسائی راہبہ کے پاس شیعیت موجود تھی۔ افریقہ کے گھنے جنگل، تہذیب نا آشنا، وحشی اور حبشی کہلانے والے بھی شیعیت کو جانتے تھے۔ انگریز تو اب وہاں پہنچا ہے۔ ہارون کے دور میں افریقہ سے خون آشام حبشی غلام لائے گئے اور اس بات پر تیار کیا گیا کہ یہ جو قید خانے میں قید ہے اسے ہلاک کرنا ہے، وحشی قوم جو جانتی بھی نہیں کہ یہ کون ہے ہمارا کام آسانی سے اور خاموشی سے ہو جائے گا۔ اُن سے لکڑی کے تختے پر تلوار چلانے کی مشق کروائی گئی کہ چادر دیکھنا اور تلوار چلا دینا، شراب کے نشے میں دُھت تیار کر کے قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ وہ لاغر قیدی سفید چادر اُوڑھے لیٹا تھا، تلواریں اُٹھیں اور قریب تھا کہ چل جاتیں کہ ایک بار اِمام نے منہ سے چادر ہٹائی، بس چادر کا سرکنا تھا کہ وحشیوں کی جیسے ہی نظر چہرۂ امام پڑی تلواریں ہاتھوں سے چھوٹیں اور سب وحشی جوانوں نے امام کے قدموں پر سر رکھ دیئے اور ہاتھ باندھ کر معافی کے طلب گار ہوئے، دربار میں آئے، ہارون نے پوچھا کیا ہوا، کہا کس انسان کے قتل کے لئے تو نے ہمیں بھیج دیا، کہا کیوں؟ تم اسے کیا جانو، تم افریقہ کے جنگلوں میں رہنے والے، حبشیوں نے کہا ہم اِسے خوب جانتے

ہیں، یہ ہمارا مسیحا ہے، ہمارا دیوتا ہے، ہمارے جنگلوں میں، ہمارے ملک میں جب بارش نہیں ہوتی، ہم پریشان ہوتے ہیں اور قحط کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں تو یہ جوان آتا ہے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتا ہے تو بارش ہوتی ہے۔ اے بادشاہ یہ ہمارا محسن ہے، ہم اپنے محسن پہ تلوار نہیں اُٹھا سکتے، دیکھا آپ نے شیعیت کا سفر، کس سرزمین پر یہ پیغام کیسے پہنچا اور قدرت نے صدیوں پہلے وہاں کیسے عام کیا، یہ ایک طویل داستان ہے، پیغام دو راستوں سے چلا، ایک پوشیدہ اور ایک اعلانیہ، جو پوشیدہ طور سے چلا وہ علماء کا راستہ تھا، لیکن کچھ ایسے سورما اور جیالے تھے جنہوں نے وقت نہیں دیکھا، حالات سے نہیں گھبرائے، حکمرانوں کا رعب و دبدبہ نہیں دیکھا، وقت کے تقاضے اُن کا دامن تھام رہے تھے، مگر وہ آگے بڑھتے رہے نہ کوئی ان کی زبان کو روک سکا، نہ ان کے بڑھتے ہوئے قدم کسی رکاوٹ کو خاطر میں لائے، نہ ان کے قلم کوئی روک سکا، اُن کا نام تاریخ میں ہے ادیب اور شاعر، کسی مصلحت سے کہیں تقیہ کرتے نظر نہیں آتے، وہ ہمت قدرت نے عطا کی، وہ جذبہ قدرت نے عطا کیا تھا کہ بزمِ علیؑ میں پروان چڑھنے والا ادب، خود غور کریں، آپ ادب اور شاعری سیکھنے سے نہیں آتی، یہ سب قدرت کا عطیہ ہوتا ہے اور اگر کوئی سہارے کے لئے اُستاد بنا لے تو اُس کا ادب نکھر جاتا ہے، اُس کی زبان نکھر جاتی ہے، اُس کی شاعری میں فصاحت و بلاغت کے عناصر آجاتے ہیں، اسلوب بیان منزلِ ارتقاء کی طرف بڑھتا ہے، کہ جہاں علیؑ جیسا مدرس و ادیب و شاعر منبر سے درس دے رہا ہو تو اُس بزم کے ادیب کیسے ہوں گے اور وہ شاعر کیسے ہوں گے۔ جہاں قرآن کی آیات کے جلو میں ادب پروان چڑھے، جہاں نہج البلاغہ کے خطبے سلسبیل و کوثر کے چشمے بہا دیں، وہاں ادب کیسے پرورش پا رہا تھا، وہاں عالم یہ تھا کہ زبان کھل جائے تو ادب بولنے لگے، پھول جھڑنے لگیں،

اشعار سانچے میں ڈھلنے لگیں، وہاں صرف زبان کھلنے کی دیر تھی اب چاہے وہ قلم ہو یا خطبہ، نظم ہو یا نثر ہو، مناظرہ ہو یا مباہلہ ہو، دیکھئے فلسفہ یونان سے چلا عرب آیا تو یونان نے جو فلسفہ دنیا کو دیا تھا مسلمانوں نے اُس فلسفے کو بعینہٖ نہیں لیا، بلکہ اُسے جانچا، پرکھا، اصول بدلے، اسے ڈھال کر ایسا علم بنایا کہ وہ علم، دیکھئے اب اسلامی فلسفے کی تعریف، وہ علم جو عقلی دلائل سے بحث کرے اور حق کی فتح کی راہ ہموار کرے اُسے کہتے ہیں علمِ کلام، جو اُس علم کو استعمال کرے اُسے کہتے ہیں متکلم، ہندوستان میں سب سے بڑے علمِ کلام کے ماہر قاضی نور اللہ شوستری گزرے ہیں۔ دوسرا نام علمِ کلام کا ہے، مناظرہ، مناظرہ کرنے والا مناظر ہم نے یہ مفہوم نکالا، جہاں تبرّا ہو اُسے مناظرہ کہتے ہیں، نہیں مناظرہ توحید پر بھی ہوتا ہے، ائمہ کے مناظرے موجود ہیں، جو عقلی دلائل سے حق کو ثابت کرے وہ مناظر اور وہ بحث مناظرہ، تبرّا مناظرہ نہیں ہے۔ مناظرے کے معنی حقائق کو بیان کر دینا چاہے وہ اللہ کے لئے ہوں، نبیؐ کے لئے ہوں یا امام کے لئے، سمجھ رہے ہیں نا آپ، یہ علم بزمِ علیؑ میں پروان چڑھا تھا اور بزم میں بیٹھنے والا ہر صحابی ادب سے بھی واقف تھا، نثر و نظم سے بھی واقف تھا، مجمعے کا مزاج بھی سمجھتا تھا اور علمِ کلام و مناظرے میں بھی کمال رکھتا تھا۔ وہ بولے تو علم بولے وہ خاموش ہو تو چہرے سے جلالتِ علم آشکار ہو۔ یہ ہے علیؑ کے صحابہ کی تعریف، اسی لئے مدینہ چھوڑا تھا، کوفہ بسایا تھا اور اس لئے کوفہ بسایا تھا کہ مدینے والے تعلیم سے دور جا رہے تھے، جہاں سیاست پلنے لگتی ہے علم گھٹنے لگتا ہے اب بڑے ملکوں کی خواہش ہے کہ چھوٹے ملکوں کے گلی گلی کوچے کوچے سازش کے جال اتنے پھیلاؤ کہ جوان نسل اپنے مشن اور مقصد سے دور ہو جائے، یہی ہو رہا ہے نا، ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ سیاست میں زبان لڑا کر، منافقتیں کر کے ہم ترقی کر رہے ہیں، نہیں تم

گمنامی کے غار میں گرتے جا رہے ہو، دین سے کوئی واسطہ نہیں، جو قوم ہو اُس کے لئے یہ بات کہہ رہا ہوں، فرقہ ہو، کہیں بھی ہو، اگر سیاست میں پروان چڑھ رہا ہے، منافقتیں پرورش پا رہی ہیں تو اُس کا علم سے کوئی واسطہ نہیں ہے، وہ نہ علم سے واقف نہ حدودِ علم سے واقف، نہ ادب سے واقف، نہ نظم ونثر سے واقف، حد ہے کہ وہ زبان سے بھی ناواقف ہوتا ہے۔ اُسے نہ مناظرے کا پتہ، نہ خطابت کا پتہ، وہ کیا منبر کی عظمت کو سمجھے اور مجلس کی ادا کو جانے، کوئی ہوں شیعہ ہو یا سنی، جہاں علم کے ادارے پہیہ جام کریں وہاں علم کہاں، جب جم گیا پہیہ تو علم کا چکر چلے گا کیسے؟

(صلوٰۃ پڑھیے)

علم کا دائرہ ہر آن رواں ہے، جنبش میں ہے، تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے، آپ اُسے جام کر رہے ہیں، آپ اب جام کر رہے ہیں، قدرت نے پہلے ہی دلوں پہ تالے لگا دیئے۔ جام تو ہو چکا پہیہ۔ جہاں جاری ہے آج بھی جاری ہے، جہاں علم کو روکا جائے گا وہ اہلبیت ہے، جہاں علم جام کیا جا رہا ہے علم کے دھارے ہوتے ہیں علم کا دھارا کبھی رُکتا نہیں، صدیاں گزر گئیں اس دھارے کو کوئی روک نہ سکا، یہ راستہ خود بناتا ہے اور راستہ اس طرح بنائے کہ جمل کی لڑائی ختم ہوا اور ملک شام سے خط آ جائے، جہاں سے پہلی بار پہیہ گھوما تھا، خط آ گیا کیا رُعب اور دبدبہ دکھا رہے ہو، ہم آ گئے اگر صفین کے میدان میں تم کہاں ہو گے؟ اور تمہارا لشکر کہاں ہوگا اور تم نے جو کچھ کیا ہے، اتنے مسلمانوں کو قتل کیا ہے ہم تم سے انتقام لیں گے، خط کا جواب لکھا، خط سن لیا آپ نے یہ علم نہیں بول رہا تھا، خط لکھوایا کاتب سے، ہمارے لشکر کی راتیں رسولؐ کے لشکر کی راتیں ہیں، ہمارے لشکر کے دن رسولؐ کے لشکر کے دن ہیں، بدر و اُحد و خندق و خیبر و حنین میں ہم تمہارے باپ دادا سے لڑے تھے، اب تم لڑنے آؤ

گے تو کیا، یہی بازو تھے، جنہوں نے بدر واُحد وخندق وخیبر میں عَلَم اُٹھایا، اِن بازوؤں کی طاقت ختم نہیں ہوئی، اُسی طرح بازو پہ عَلَم بلند ہے، آ ؤ تلوار کا پانی گھٹا نہیں، زور ویسا ہی ہے، آج بھی ساٹھ سال کی عمر میں پورا عرب تنہا ابو طالبؑ کے بیٹے سے لڑنے آئے تو ابو طالبؑ کا بیٹا سب پر فاتح رہے گا۔ خط میں ادب کا ایک حصہ ہے، آج بھی خطوطِ غالبؔ کورس کا حصہ بنے ہیں، عربی میں ہمیشہ خطوط کو ادب میں شامل کیا گیا، تاریخ شیعیت کی گواہی ہے، علیؑ سے بہتر خطوط اب تک تاریخ میں کسی نے نہیں لکھے، نہج البلاغہ کا دوسرا حصہ گواہ ہے، علیؑ کے خطوط محفوظ ہیں اور عجیب خط ہیں، خط لکھ گیا، کون لے کر جائے گا، دیکھیے میں اُس راہ سے جا رہا ہوں جہاں علمِ کلام، مناظرہ، ادب میں نثر و نظم ہر ثقافت و تہذیب شیعیت کی آپ کے سامنے اپنی شکل میں آئے، سلسلہ ایک ہے لیکن عنوانات آپ کے سامنے کئی آتے جائیں گے اور آپ انشاء اللہ ان چیزوں کو اپنے ذہنوں میں محفوظ پا کر بہت خوش ہوں گے، محظوظ ہوں گے، خط کون لے کر جائے گا، مزاج علیؑ کے سمجھنے والے، پرکھنے والے جانتے تھے کہ ہم کھڑے ہو جائیں گے تو علیؑ بٹھائیں گے نہیں تو وہی اُٹھے جسے علیؑ طلب کر رہے ہوں، اتنے مزاج آشنا، ادبی ماحول میں ڈھل کر امام اُمت کے مزاج کو سمجھے، اُمت امام کے مزاج کو سمجھے، یہ تھوڑی ہے کہ خلیفۂ وقت کہے ہم کبھی کبھی بہک جاتے ہیں، غلط راہ پر آ جائیں تو تم سیدھی راہ پر لگا دینا، اُمت سے بھیک نہیں مانگتے، بلکہ معصومینؑ کہہ رہے ہیں ہم تمہیں صراطِ مستقیم پر لے کر چل رہے ہیں، ہم اس لئے لے کر چل رہے ہیں کہ ہمیں کسی صراطِ مستقیم کی ضرورت نہیں، جملہ پسند آئے گا ہمیں کسی صراطِ مستقیم کی ضرورت نہیں، ہم خود صراطِ مستقیم ہیں۔ (صلوٰۃ)

طرماح بن عدی بن حاتم طائی کھڑے ہو گئے، حاتم طائی کے پوتے، طویل

القامت کہ اونٹ پر بیٹھیں تو زمین پر خط دیں، آواز بلند کریں تو بلند ترین عمارت میں آواز گونج اُٹھے، خط لے کر ہم جائیں گے، ہاں تم لے کر جاؤ گے، کون ہیں طرماح، بزمِ علیؑ کے بہترین ادیب، بہترین نقاد، علم کلام کے ماہر، مناظرے کے ماہر، یہ نہیں کہا بیٹھ جاؤ، علم کی چھاؤں میں علیؑ نے دیکھا چہرے کو پرکھا اور خط دے دیا۔ اب یہاں سے آپ ایک ایک عمل دیکھتے جائیں کہ ہر عمل مرضی امام سے باہر نہیں ہے، کیوں بٹھایا نہیں، خط دیا، جان رہے تھے کہ جو کچھ کرے گا میری مرضی پہ کرے گا، تو اب جو خط ہاتھ میں لیا تو عمامہ اتارا، سر پہ خط رکھا، عمامہ پہن لیا، پہلے قدم پہ بتایا اس خط کی جگہ کہاں ہے، جیب میں نہیں، سر پر جگہ ہے، اس خط کی، خط لے کر چلے اونٹ پر بیٹھے، دمشق میں قصر کے قریب پہنچے، قصر کے باغ میں عَمرو عاص، شرجیل، مروان سب ٹہل رہے تھے، یہ سب معاویہ کے وزراء ہیں، مشیرِ خاص ہیں، دیوار سے سر نظر آیا کہ اتنا لمبا آدمی اونٹ پہ بیٹھا ہے، جھانک کر دیکھا تو صراپے نے بتایا کہ کوفہ سے آیا ہے، کہا کوفے کا مسافر ہے، آؤ مذاق کریں، ظاہر ہے اونٹ پہ بیٹھے ہیں اور لمبے ہیں تو مذاق اُڑانے کے لئے جو جملہ کہا تو یہی تھا کہ اے شیخ! آسمانوں کی بھی کچھ خبر ہے۔ آسمان کی طرف دیکھا کہا ہاں بلندیوں میں قوتِ پروردگار ہے، فضا میں ملک الموت ہے، زمین پر امیر المومنینؑ ہے اور موت کا فرشتہ جلد تمہاری طرف آ رہا ہے، بڑھتا جا رہا ہے، علمِ کلام شروع، مناظرہ شروع، نثاری شروع، ادب شروع، شاعری شروع، گھبرا گئے، کہا بڑا تیز معلوم ہوتا ہے، پیغام بھیجو، آنے والا سفیر ہے، پتہ چلا، کہا تیاری کرو، دربار سجا دو، دربار سجانے کا دستور پرانا تھا شام میں، رعب ڈالنے کے لئے جو دربار الٰہی کی جلوہ فرمائیاں دیکھے تھے ان مادی سجاوٹوں سے کیا متاثر ہوتے۔ دربار سجانے والے دربار سجاتے رہے، وہ تو آخری بار سجا جس کو علیؑ کی بیٹی نے خاک میں

ملا دیا۔ اُس کے بعد پھر کبھی شام میں دربار نہیں سجا، اُس سے پہلے بارہا سجا، مگر جب بھی سجا ساری سجاوٹیں خاک میں مل گئیں۔ دربار سجا، سرخ قالین بچھنے لگے، کرسیاں بلند ہونے لگیں، کہا تشریف لے چلیئے، باغ میں، جب آپ کو طلب کیا جائے گا تو آپ دربار میں جائیں گے۔ باغ میں پہنچے تو بنی امیہ کا لباس سیاہ تھا، سارے فوجی سیاہ لباس میں اور ایک چبوترے پر ولی عہد، کون، یزید، چاروں طرف پہرہ، ایک بار سیاہ لباس میں سارے سپاہیوں کو دیکھا، کہنے لگے کیا جہنم کی فوج آ گئی ہے، دوزخ کی فوج آ گئی ہے، کہا یہ تو دربان ہیں سلطان کے باڈی گارڈ (Bodyguard) ہیں، کہنے لگے کون سلطان ابن سلطان، وہ سامنے تشریف فرما ہیں ولی عہد بہادر، کہنے لگے چہرے سے تو منحوس ابن منحوس لگ رہا ہے، تم اس کو سلطان ابنِ سلطان کہہ رہے ہو، اُس کی تیوریوں پہ بل پڑ گئے، اس نے کاہے کو کبھی ایسا جملہ سنا تھا، گھبرا گیا اور دوڑ کر باپ کی طرف گیا، جملے پہنچائے گئے، کہا اُسے جلدی ہمارے پاس لاؤ، دربار میں پیش کیا گیا، پہنچے قالین نظر آیا، جوتیاں اُتار کر بغل میں دبا لیں، کہا جوتیاں یہیں رکھ دیجیے، کہا نہیں چوری ہو جائیں گی، ارے یہاں کون چرائے گا، تمہیں کیا پتہ ابو ہریرہ چرا لے جائیں گے، ابو ہریرہ تو مدینے میں رہتے ہیں، کہا معجزے سے آ کر چرا سکتے ہیں، اس کے پاس کہاں معجزہ ہے کہا معجزہ نہیں ہے تو پھر یہ کیسے مانتے ہو کہ سات ہجری میں پیدا ہوئے اور قال رسولؐ اللہ کہتے ہیں، ساری حدیثیں اُنہوں نے کیسے سن لیں، وہ تو چھوٹے تھے، جب رسولؐ وفات پا گئے، یا تو وہ معجزہ نہیں یا پھر یہ معجزہ نہیں، اب بتائیں کیا گفتگو کی جائے اس سے، کہا آئے کیوں ہو؟ کہا ہم اپنے مولا کا خط لائے ہیں، کہا امیر المومنین کو سلام کرو، کہا مومن ہم ہیں ہم نے اسے امیر بنایا نہیں تو امیر کس بات کا بن گیا، یہ ہے علمِ کلام، کاہے کا امیر المومنین، کہنے لگے وہ

خط کہاں ہے کہنے لگے ہمارے پاس ہے، دے دو، خط، کیسے دے دوں میں تو یہاں سے آگے بڑھ ہی نہیں سکتا، یہ دیکھئے وہ وہیں تخت پر ہے، کھڑے ہو گئے، ہم تو یہاں سے آگے نہیں بڑھیں گے تو پھر خط کیسے ملے گا، کہا ہم کیا جانیں، منگوا لو، کہنے لگے میرا بیٹا آ رہا ہے اس کو دے دو، یہ مجھے لا کر دے دے گا، کہنے لگے جب شیطان سے خوش نہیں تو اس کی اولاد سے کیسے خوش ہو سکتے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں کیسے علیؑ کا خط دے دیں، شیطان کی اولاد کے ہاتھ میں علیؑ کا خط کیسے دے دیں، کہا اچھا وزیر کو دے دو خط، عمرو عاص کھڑا ہے، لا کر مجھے دے دے گا، کہا جب ملک میں ظلم و جور ہوتا ہے تو وزیر پہلے چور ہوتا ہے، اُس کے ہاتھ میں کیسے خط دے دوں، چور کے ہاتھ میں خط کیسے دے دیں، کہا اچھا یہ غلام آ رہا ہے، اس کے ہاتھ میں دے دو، کہا غلام جو ہے خرید مالِ حرام ہے علیؑ کے مال پر غاصبانہ قبضہ کیا، اُس سے غلام خریدا، مال بھی حرام، غلام بھی حرام، حرام کے ہاتھ میں خط کیسے دے دیں، کہا یہ تو بتاؤ خط ملے گا کیسے؟ کہنے لگے بس ایک ہی ترکیب ہے چند زینے اُدھر سے اُترو، چند قدم ہم اِدھر سے آگے بڑھیں، پھر تم اُدھر سے اترو ہم ادھر سے بڑھیں، جہاں پر دونوں مل جائیں خط ہم آپ کو دے دیں گے، چار و ناچار تخت سے اُٹھے ایک قدم آگے بڑھے، وہ ایک زینہ اترے یہ ایک قدم بڑھے، آخری زینے پر جب وہ آ گئے تو یہ دور کھڑے ہو گئے، عمامے سے خط نکالا اُنہوں نے جھک کر خط لیا اور ابھی واپس تخت کی جانب نہیں گئے تھے کہ ایک قہقہہ لگایا، دربار گونج گیا، چکرا کر واپس ہوئے کہا ہنسے کیوں؟ کہا ہنسا اس پر کہ سیاست کے نمائندے بنتے ہو، علیؑ کے ادنیٰ غلام کے آگے ہتھیار سارے گر گئے، کہا اس میں کیا سیاست تھی، کہا یہی اگر تم سمجھ جاؤ تو سیاست الٰہیہ کو نہ سمجھ جاؤ، کہا بھئی کیا سیاست تھی، کہا اگر میں یہ کہتا کہ یہ امیر المومنین کا خط ہے استقبال کے لئے

کھڑے ہو جاؤ تو تم کبھی نہ کھڑے ہوتے۔ میں نے مولائے کائنات کے خط کا تم سے استقبال کروایا، تخت سے اتروالیا، جھکوادیا، تب خط دیا ہے۔ بتایئے کیا جواب ہے جس دربار میں علیؑ کا ایک غلام پورے دربار کو عاجز بنادے تو اگر گھر والے آ گئے تو دربار کا کیا ہوگا؟ یہ بتایا، اس علم نے، اس ادب نے کہ اب وہ بھی آنے والے ہیں جن کے گھر سے یہ ادب بٹتا ہے وہ آئیں گے تو تجھے پتہ چلے گا، تیری اولاد کو پتہ چلے گا، خط لیا، پڑھا، کاتب کو بلایا، کہا جواب لکھو۔

علیؑ تم کیا مقابلہ کرو گے ہمارے لشکر کا اور ہمارے لشکر کا کیا مقابلہ ہے جس طرح آسمان پر ستارے بکھرے ہوئے لاتعداد ستارے، ہمارا لشکر بھی انہی ستاروں کی مانند ہے، ایک قہقہہ پہلے سے بلند لگایا، کیوں ہنسے کہا ہنسی تیری بیوقوفی پر آ گئی یہ کوئی جملہ لکھوایا تو نے کیوں اپنے حساب سے ادب کا بہترین شاہکار پیش کیا تھا، کہا یہ کون سا جملہ لکھوایا، تو اگر تیرا لشکر ستاروں کی مانند ہے تو میرا مولا آفتاب کی مانند ہے، قرآن آواز دے رہا ہے وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو ستارے ڈوب جاتے ہیں۔ تیرا لشکر جب میدان میں آئے گا تو آفتاب طلوع کرے گا تو تیرا لشکر کہاں نظر آئے گا۔ کہا جملہ کاٹ دو، دوسرا لکھو، علیؑ میرا لشکر سرسوں کے دانوں کی مانند ہے، وہ سرسوں اونٹوں پر کوفے سے لے کر دمشق تک بار ہے اور سرسوں زمین پر بکھری ہے اور ہر سرسوں کے دانے پر ہمارا سپاہی زمین پر بکھرا ہوا ہے۔ ایک اور بلند قہقہہ لگایا، کہا اب کیوں ہنسے، کہا یہ بھی کوئی جملہ ہے کہا بھئی اب کیا بات ہوگئی، کہا اگر تمہارا لشکر سرسوں کے دانوں کی مانند ہے تو علیؑ نے ایک مرغِ اصیل پال رکھا ہے۔ جس کا نام ہے مالکِ اشتر، جب میدان میں آتا ہے دانے چن چن کے کھاتا ہے اور پوٹوں میں جمع کرتا جاتا ہے۔ صلوٰۃ پڑھیے!

کہا یہ بتاؤ چپ بیٹھنے کا کیا لو گے کہا جو دو گے لے لیں گے، کہا دس ہزار دینار کی تھیلیاں لا کر دی جائیں، تھیلیاں لا کر سامنے رکھ دی گئیں اور چاہئیں، دے دو، کہا اور دس ہزار دے دو اور چاہئیں دے دو، تیس ہزار ہو گئیں اب تیسرا دس ہزار آنے میں دیر ہو گئی، اِدھر اُدھر دیکھنے لگے اور کہا وہ کون سا مال ہے جو نہ تجھے نظر آ رہا ہے نہ مجھے وہ تو منگا لو، آ گیا مال آ گیا، کہا چُپ بیٹھنا تا کہ ہم خط لکھوا دیں کہا تم خط لکھوا نہ سکو گے، علیؑ کے خط کا جواب کوئی لکھوا نہیں سکتا، جو چاہے لکھوا دو، عمرو عاص نے کہا مال ملا شکریہ نہیں ادا کرو گے، کہنے لگے کوئی اس کے باپ کا مال ہے، علیؑ کے مال پر قابض ہے، صوبہ علیؑ کا، خود مختار بن بیٹھا ہے، مال علیؑ کا ہے، شکریہ کو نے جا کر علیؑ کا ادا کروں گا، کا ہے کا شکریہ دونوں جیبوں میں تھیلیاں بھر لیں، مزہ آ جائے گا آپ کو جب طرمّاح نکل گئے دربار سے تو معاویہ نے پورے دربار پر نظر ڈالی، وزیر عمرو عاص کو دیکھا اور کہا کہ تم میں ایک بھی ایسا نہیں اگر سفیر بنا کر بھیجوں، تو نہ یہ ادب ہے، نہ یہ مناظرہ ہے، نہ یہ کلام، میری طرف داری ایک بھی نہیں کر سکتا، جملے سنیں گے وزیر اعظم کے اُس نے کہا ہاں ہاں کیوں نہیں ہو سکتا تھا اگر تو بھی علیؑ کی طرح رسولؐ کا قریبی رشتہ دار ہوتا اور حق پر ہوتا تو تیرے پاس بھی ایسے ہی ہوتے، اور اب جملہ سنئے کہا اُس نے اتنے تیر دل پر نہیں چلائے تھے، ایک تیر تیرا اذیت کا باعث بن گیا، وزیر اور حاکم میں لڑائی ہو رہی ہے، خود چلے گئے، ادب چھوڑ گئے، مناظرہ چھوڑ گئے، جھگڑا چھوڑ گئے، ایسے تھے علیؑ کی بزم کے ادیب، نثار، مناظر، علم کلام یہ نہ صرف مرد تھے، سورما تھے، شجاع تھے، یہ مرد تھے نہیں علیؑ کی بزم میں پرورش پانے والی ادنیٰ کنیزیں بھی ایسی تھیں، بھئی یہ تاریخِ شیعیت ہے سب عورت مرد بچے سب آتے ہیں، اس میں اور سنتے جایئے بزم میں پرورش پانے والی عورتیں صفّین کی لڑائی ختم ہوئی، ستائیس عورتیں

جنگ صفین میں علیؑ کی طرف سے آئی تھیں اور ان کا کام صرف یہ تھا کہ چادریں اوڑھ کر ناقہ پر کھڑے ہو کر رجز پڑھتی تھیں، تقریریں کرتی تھیں اور لشکر کو تیار کرتی تھیں، اُن میں سے ایک خاتون کا نام ہے عروہ بنتِ حارث یہ حضرت علیؑ اور رسولؐ خدا کی چچازاد بہن ہیں اُنہیں دربار میں بلالیا گیا، آئیں عمرو عاص سے معاویہ نے پوچھا ان کو پہچانتے ہو، عروہ بنتِ حارث کو پہچانتے ہو، کہا نہ بھولوں گا، امیر میں وہ دن کہ سیاہ چوڑے حاشئے کی چادر اوڑھے ہوئے یہ ناقے پہ کھڑی تھیں اور وہ فصاحت و بلاغت تھی کہ لگتا تھا علیؑ کا لشکر آگ میں کود پڑے گا، ان کی تقریریں سن کر، کہا وہ تقریر کسی کو یاد ہو تو بتاؤ، لوگوں نے کہا ہمیں یاد ہے معاویہ نے مڑ کر کہا عروہ وہ تقریر ہمیں سناؤ گی، کہا وہ تقریر اور ایسی تمام تقریریں تیاری کر کے نہیں کرتی تھی، یہ دل کی آواز تھی، سنئے گا، بزمِ علیؑ میں پلنے والی عورتیں بول رہی ہیں، وہ دل کی آواز تھی، پھر صفین کا لشکر جمع ہو، ستاروں کی مانند اصحاب آئیں، مالکِ اشتر تلوار لے کر آئیں، میرا مولاؑ آفتاب بن کر طلوع کرے، ناقہ لایا جائے میں سوار ہوں تو میں وہ تقریر سناؤں، اب نہ وہ صفین کا میدان، نہ میرا مولا، نہ وہ لشکر اب وہ تقریر نہیں ہو سکتی۔ اب وہ تقریر کرنا میرے لئے ناممکن ہے، کہا اچھا، یہ بتاؤ تمہاری تقریر نے ایسا کچھ کر دیا تھا کہ مالک اشتر مجھے قتل کئے بنا نہ چھوڑتا آج اگر میں تمہیں قتل کر دوں، تو کونسا کمال کرے گا، محبتِ علیؑ میں کتنے سر گئے ایک سر اور چلا جائے گا، یہ کوئی تیرا کارنامہ نہ ہوگا، ہاں میرا کارنامہ ہوگا کہ میں اس محبت میں ثابت قدم رہوں گی، عمرو عاص نے کہا زیادہ بولو نہیں، تمہیں بولنا بہت آتا ہے، بڑی زبان چل رہی ہے تو پلٹ کر کہا، خاموش بیٹھ بھول گیا جب پیدا ہوا تو پورے مکے میں مشہور ہوا کہ چھ آدمیوں نے دعویٰ کیا تھا میرا بیٹا ہے، تو بولے گا، خاموش کر دیا، ایک بار مروان بولا دیکھو اس طرح کی گفتگو دربار

میں امیر کے سامنے نہ کرو، کہا بڑے میاں تم تو چپ بیٹھو کہ تمہاری کرنجی آنکھیں یہ بتا رہی ہیں کہ تم حرب کے بیٹے نہیں ہو، میں جانتی ہوں تم سفیان بن حارث بن کلدہ کے بیٹے ہو اور تمہاری ماں منیٰ میں حبشی غلاموں کے ساتھ بدکاریاں کرتی پھرتی تھی۔ مروان کو بھی چپ کرایا، خاموش کر دیا، دربار پر اوس پڑ گئی، شجرے کھلنے لگے، شجرۂ خبیثہ کے ورق اُلٹنے لگے تو ہاتھ جوڑ کر کہا، خدا کے لئے دمشق چھوڑ کر چلی جاؤ اور جو مانگو وہ دیں گے اور سنو جتنی دولت ہم دے رہے ہیں کہا کبھی علیؑ نے دی، کہا اُس کی کیا یاد دلا دی آنکھ میں آنسو آ گئے، کہ ہم جس شہر اور جس قبیلے میں تھے وہاں کے عامل نے ذرا سی زیادتی کی تھی تو ہم پہنچ گئے تھے، نہ دربانوں نے روکا، نہ سپاہیوں نے روکا، ہم خلیفۂ وقت کے مکان میں چلے گئے، مولا مصلّے پر تھے سلام پھیرا، مڑ کر دیکھا عروہ! کیسے آئیں، کہا عامل نے زیادتی کی مصلّے پر بیٹھے بیٹھے قلم اُٹھایا، کاغذ اُٹھایا اور لکھا خدا کا خوف کھاؤ علیؑ خدا کا بندہ تمہیں خط لکھ رہا ہے، اس عورت کی فریاد سے کہیں تم پر عتاب نہ آ جائے، دے دو اس کا حق کبھی عروہ کو پریشانی نہیں ہوئی، مولا نے وہ عزت عطا کر دی جو دولت سے بڑھ کر تھی اور پھر میرا بھائی تھا غور کیا آپ نے اسی بزم کی پلنے والی بلکہ اس بزم کا پلنے والا رسولؐ حلیمہ کی گود میں پلا، غور نہیں کیا، صرف گود میں پلے ہیں، رسولؐ کسی کا دودھ نہیں پیتا سوائے معصومہ کے، آمنہؑ کے سوا کسی کا دودھ نہیں پیا، حلیمہ نے صرف پالا ہے دودھ نہیں پلایا، حلیمہ کی بیٹی حرہ بنت حلیمہ سعدیہ، مرتبہ یہ دیا رسولؐ نے حلیمہ کو کہ آئیں ایک بار مدینے میں آئیں، مکہ میں تو قحط پڑا تھا، تو جنابِ خدیجہؑ کے پاس بھجوا دیا اور جب پہنچیں تو حلیمہ کے پاس، اپنی عبا بچھا دی، خدیجہؑ استقبال کے لئے اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں، میرے والی کی پالنے والی دائی آ گئی ہے اور جاتے جاتے بھیڑ بکریاں اور اونٹ حلیمہ کے ساتھ کیئے اور کہا جب

بھی ضرورت ہو تو خدیجہؑ کو بھولنا نہ۔ یہ احترام ہے خدیجہؑ کی نظر میں رسولؐ کی دائی کا، اُن کی بیٹی حرّہ حجاج کے دور تک حیات رہی اور حجاج کا یہ کہنا اور اعلان کرنا کہ نامِ علیؑ نہ لو، کہا اچھا پابندی لگائے گا، یا علیؑ کہنے پہ پابندی لگائے گا تو سہی، سر ہل رہا ہے، کمر جھکی ہوئی ہے، عصا کا سہارے کئے ہوئے زمانے کو بتاتی چلیں کہ اگر سب تقیہ میں چلے جائیں تو علیؑ کی ادنیٰ کنیز شاہراہ پر آئے گی اور عصا کی آواز کے ساتھ اپنی پوری آواز سے کہتی چلیں یا علیؑ، یا علیؑ، یا علیؑ، یا علیؑ پورے نوے سال کی بوڑھی یا علیؑ کہہ رہی ہے اور آپ جیسے جوان چپ بیٹھے ہیں، سپاہی دوڑے کہا یہ کلمہ منع ہے، پابندی ہے، کہا پکڑ کر لے چلو، کہا تمہاری بہت شکایتیں مل رہی ہیں، آج تم نے شاہراہ پر پھر یا علیؑ کہا، حجاج کو دیکھا نگاہیں اُٹھا کر، وہ بوڑھی آنکھوں کا جلال، کہا میں نے سنا ہے تو خلفاء پر علیؑ کو فوقیت دیتی ہے، کہا تو نے غلط سنا ہے، تو نے جھوٹ سنا ہے، تو کہا کیا کچھ اور مسئلہ ہے، کہا ہاں تو نے غلط سنا، تو کہہ رہا ہے میں علیؑ کو خلفاء پر فوقیت دیتی ہوں، تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے میں آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، ہر نبی پر اپنے مولاؑ کو فضیلت دیتی ہوں، تو کس کی باتیں کر رہا ہے، آنکھیں پھٹ گئیں، تب تک معاملہ غنیمت تھا، اوراق کھل گئے، علم الکلام کے، ادب کا خزینہ کھلنے لگا، کہا دلیل کہا قرآن، کہا سناؤ، کہا پڑھا نہیں قرآن، قدرت نے آواز دی اے آدمؑ درخت کے پاس نہ جانا، ہم نے ممنوع قرار دیا، منع کیا تھا چلے گئے، کھا لیا ورنہ گندم منع کیا تھا چلے گئے، علیؑ کو قدرت نے منع نہیں کیا تھا کہ گیہوں نہ کھانا پھر بھی ساری حیات جَو کھا کر گزار دی، بتا افضل کون، کہا ظاہر ہے علیؑ افضل ہیں، حجاج کا دربار اُس بوڑھی عورت اُس کی شجاعت، اُس کی ہمت، اُس کے جاہ وحشم سے لرز رہا تھا، وہ بول رہی تھی قرآن سے دلیلیں دے رہی تھی، کہا نوحؑ سے کیسے افضل ہیں علیؑ، کہا قرآن نے آواز نہیں دی،

نوحؑ اور لوطؑ کی بیبیاں کافرہ تھیں، اُنہوں نے اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ خیانتیں کیں، علیؑ کی بیوی فاطمہؑ جیسی، افضل کون؟ کہا ہاں مان گیا، نوحؑ سے افضل، لوطؑ سے افضل، ذرا یہ تو بتاؤ ابراہیمؑ سے افضل کیسے، کہا قرآن نہیں پڑھا ابراہیمؑ نے کہا پردے سامنے سے ہٹا دے، دکھا مردوں کو زندہ کیسے کرتا ہے۔ اللہ نے پوچھا یقین نہیں ہے، کہا ہے مگر یقین میں اضافہ چاہتا ہوں، ابراہیمؑ کو یقین تھا اضافہ چاہتے تھے، علیؑ نے آواز دی پردے سارے ہٹا دیئے جائیں یقین جہاں ہے وہیں رہے گا، افضل کون؟ میرا مولاؑ علم الیقین، حق الیقین، عین الیقین تینوں منزلوں پر فائز تھا۔ کہا موسیٰؑ سے افضل کیسے، کہا شبِ ہجرت نکلے خوف کھا رہے تھے ڈر رہے تھے، قدرت نے آواز دی موسیٰؑ ڈرو نہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، خوف زدہ نہ ہو، ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہجرت کی شب موسیٰؑ ڈر گئے، جو چالیس تلواروں کے سائے میں سو گیا افضل کون؟ کہا علی افضل ہیں موسیٰؑ سے، کہا داؤدؑ سے افضل کیسے؟ کہا یاد نہیں وہ دو آئے تھے فیصلہ کرانے والے ایک کے پاس بھیڑوں کا گلہ تھا ایک کے پاس انگوروں کا باغ تھا، اُس آدمی کی بھیڑوں نے انگوروں کے باغ کو چر لیا، فیصلہ طلب کیا اس کا باغ لے لو تم اس کی بھیڑیں لے لو، سلیمانؑ پانچ سال کے تھے کہا بابا فیصلہ غلط ہو گیا، کہا تو پھر، سلیمانؑ نے کہا اُس کی ملکیت بھیڑیں ہیں، اس کی ملکیت زمین ہے، آپ اس کی پوری ملکیت اِس کو دے رہے ہیں، جبکہ بھیڑوں نے صرف فصل کھائی ہے کہا تو پھر فیصلہ کیا ہوگا کہا ایک سال کے دودھ کی آمدنی اس باغ والے کو دلوا دیجئے، نبی تھے داؤدؑ فیصلہ نہ کر سکے، بیٹے نے فیصلہ دیا، رسولؐ نے آواز دی اگر علیؑ مسند قضا پر بیٹھیں، یہودی آئے تو توریت سے فیصلہ دیں، زبور والے کو زبور سے فیصلہ دیں، انجیل والا آئے تو انجیل سے فیصلہ دیں، قرآن والا آئے تو قرآن سے فیصلہ دیں۔ علیؑ سے بہتر ہماری

اُمت میں فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔ افضل کون؟ کہا سلیمانؑ سے افضل کیسے، کہا سلیمانؑ نے کہا ملکِ عظیم دے دے، اللہ نے مُلکِ عظیم دے دیا، علیؑ نے کہا جا اے دنیا میں نے تجھے تین بار طلاق دی، میری نظر میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ادنیٰ ہے تو وہ ملک مانگیں یہ دنیا کو ٹھکرا دیں، اُسے ادنیٰ بنا دیں، تو سلیمانؑ سے افضل، کہا عیسیٰؑ سے کیسے افضل، کہا وہ نہیں پڑھا، مریمؑ بیت المقدس میں تھیں دعا کی کہ اے پروردگار اس گھر میں رہوں، آواز آئی مریمؑ کہاں ہو یہ خدا کا گھر ہے، جاؤ وہاں صحرا میں درخت کے نیچے، عیسیٰؑ فرات کے کنارے درخت کے نیچے پیدا ہوئے، مریمؑ مادرِ عیسیٰؑ کو بیت المقدس اللہ کے گھر سے واپس کیا گیا، علیؑ کی ماں آئیں تو دَر بنا آ جاؤ، کون افضل ہے؟ عجیب بات ہے جب عیسیٰؑ اور علیؑ کا ذکر آتا ہے تو بہت سے علم الکلام کے نمونے نظر آنے لگتے ہیں، مشاعرہ تھا حیدر آباد دکن میں اور ٹرین پر جا رہے تھے، یاس یگانہ چنگیزی، جوشؔ، فراق سارے شعراء بحث چل رہی تھی علیؑ افضل ہیں یا عیسیٰؑ افضل ہیں، سب بحث کر رہے تھے جوشؔ چادر تانے سو رہے تھے، کافی دیر جب گزر گئی، چادر ہٹائی اور کہا فیصلہ ہو گیا، کیسے وہ نبی ہیں یہ امام ہیں، کہا فیصلہ میں کرتا ہوں، یہ بتاؤ عیسائی عیسیٰؑ کو کیا کہتے ہیں، کہا خدا کا بیٹا، کہا نصیری علیؑ کو کیا کہتے ہیں، کہا خدا تو کہا بتاؤ باپ بڑا کہ بیٹا، علمِ کلام ہے، منطق ہے، ادب ہے۔ (صلوٰۃ)

ان کا عقیدہ بھی باطل ان کا بھی باطل، یہاں ادب باطل راہوں سے حق کو منواتا ہے، یہ ہے علم اور یہ ہے ادب، حرہ نے آگے بڑھ کر کہا اب کیا خیال ہے یا اور آیتیں پڑھوں، کہا جاؤ ہم نے تمہیں امان دی۔ یہ ہے علیؑ کے دربار میں پرورش پانے والی، اب جنہوں نے دربار نہیں دیکھا صرف محبت کی غیب میں علیؑ کو تصور میں دیکھا، اب اُن کا عالم دیکھیے، کس کو نہیں معلوم تھا کہ علیؑ نے منبر کوفہ سے سلونی کہا تھا۔ ایک ضعیفہ

بہت چاہتی تھیں علیؑ کو، گھر سے نکلیں، مسجد جامع مسجد بغداد تک پہنچیں، امام جمعہ نماز پڑھا کر خطبہ دے رہے تھے، آواز دی "سلونی" پوچھ لو اس سے پہلے کہ میں تم میں نہ رہوں، آواز گونجنے لگی، سودا لینا بھولیں، بازار سے رُخ موڑا مسجد میں داخل ہوئیں، مجمعے کو چیرتی ہوئی منبر تک پہنچ گئیں، کہا پوچھوں کہا اسی لئے تو کہا ہے پوچھ، کہا یہ بتاؤ ایک محلے میں دو مسلمان رہتے ہوں، دونوں پڑوسی ہوں ایک اُن میں سے مر جائے تو دوسرے پر کیا ہے کہا اُس پر واجب ہے غسل دے، کفن دے اور دفن کرے، کہا اور اگر ایک مسلمان ہو اور ایک کافر ہو اور کافر مر جائے، کہا مسلمان پر کوئی واجب نہیں ہے کہ وہ کافر کا جنازہ اُٹھائے، لیکن اگر مسلم مر جائے اور دفن نہ کرے تو دوسرے مسلم پڑوسی پر عذاب کیا جائے گا، کہا بتاؤ مدینے میں حضرت علیؑ اور حضرت عثمان پڑوسی تھے یا نہیں، تین دن جنازہ پڑا رہا علیؑ نے دفن کیوں نہ کیا؟ بھئی علمِ کلام ہے، کھول کے تو نہیں پڑھ سکتا، دلیل تو پہلے ہی دے دی، آپ دلیل کا انتظار کر رہے ہیں! بات پوری ہو گئی، اب دلیل تھوڑی آئے گی، اُنہوں نے کہا نکالو اسے عورت مردوں کے مجمعے میں کیسے آ گئی؟ نامحرم! کیوں آئی مجمعے میں، ابھی تک فقہ کا خیال نہیں آیا تھا، خوش ہو رہے تھے کہ پوچھ رہی ہے اب جب پوچھ لیا تو مردوں کے مجمعے میں نامحرم کیوں آ گئی، کہا اچھا ہوا تم نے ایک اور مسئلے کی طرف ہمارا ذہن منتقل کر دیا، کہا کیا مطلب؟ کہا اگر میں اس مجمعے میں آ گئی تو کیا ہوا، کہا فقہ کا مسئلہ ہے اگر اپنی مرضی سے آئی تو جہنم میں جلے گی اور اگر شوہر کی مرضی سے آئی ہے تو تیرا شوہر بھی جہنم میں جلے گا، کہا جمل میں جو آئی تھیں اپنی مرضی سے آئی تھیں، کہا کیا خیال ہے، چپ لگ گئی پھر بولیں سلونی کہنے والے، ذرا یہ تو بتا دے کہ یہ سر پہ جو عمامہ باندھا ہے جو تو روز باندھتا ہے اس کے پیچ کتنے ہیں، یہ سنا بے ہوش ہو کر منبر سے نیچے گر پڑا، علیؑ کی ایک ادنیٰ

کنیز نے بتایا، سلونی کہنا آسان نہیں، بے ہوشی کے دورے پڑ جاتے ہیں، علم کا دعویٰ آسان نہیں تو یہ تھیں علیؑ سے محبت رکھنے والی ادنیٰ کنیز، طول ہو جائے گا مختصر کر رہا ہوں، امام جعفر صادقؑ کے عہد کی ایک کنیز حُسنیہ نام ہے، باپ نے کہا اگر بیٹا ہوتا تو رزق کا سہارا بنتا، کہا بابا بیٹا بن جاؤں گی، کہا کیسے کہا امام کے گھر میں پلی ہوں، دیکھئے کتنا ناز ہے، اُس سے کہا امام کے گھر کی کنیزی کی ہے، کہا تو پھر کیا دربار ہارون رشید میں مجھے کنیز بنا کر فروخت کر دیجئے، لے کر باپ چلا، ہارون کے دربار پہنچا، پیش کی، ہارون کو کنیزوں کا بڑا شوق تھا، ادیب اور شاعر غلام کنیزیں خریدنے کا، ادبی ذوق بڑا تھا، مگر باطل تھا، حافظہ بھی بڑا تیز تھا، غلاموں کا حافظہ تیز، کنیزوں کا حافظہ تیز، اور ترکیب یہ تھی کہ جب شعراء قصیدہ پڑھنے آتے تھے تو قصیدہ پڑھا فوراً ہارون کہتا تھا ارے یہ قصیدہ تو پرانا ہے، میرے غلام کو یاد ہے، وہ ایک بار سنتا تھا پورا قصیدہ یاد ہو جاتا تھا جلدی سے غلام سنا دیتا تھا، انعام نہیں دیتا تھا، بھگا دیتا تھا اور کنیز کی یہ عادت تھی کہ اگر دوبارہ سن لے تو اُسے یاد ہو جاتا تھا، ایک بار شاعر نے سنایا ایک بار غلام نے کنیز کے لئے دو بار ہو گیا، یاد ہو گیا کہا یہ قصیدہ میری کنیز کو بھی یاد ہے، سنا دے اور ہارون کی اپنی عادت یہ تھی جو چیز تین بار سن لیتا تھا وہ اُسے یاد ہو جاتی تھی، پہلے شاعر نے سنایا پھر غلام نے سنایا، پھر کنیز نے سنایا تو بولا یہ تو مجھ کو بھی یاد ہے، شاعر شرمندہ ہو کر چلا جاتا، بڑے شعراء ذلیل ہوئے، ایک تھا علیؑ والا اُس کو سارا چکر پتہ چل گیا تو اُس نے کہا قصیدہ لکھ کر لایا ہوں، کہا سناؤ، کہا نہیں ایک شرط ہے، جس چیز پر قصیدہ لکھا ہے اتنا ہی تول کر زر و جواہر دے گا، سنگ مرمر کی سِل پر لکھوا کے لایا تھا اور اونٹ پہ لدی ہوئی تھی، اب ہارون کو کیا پتہ کیا کیا ہے اس نے، کہا ہاں ہاں! سوچا ہرن کی کھال وال پر لکھا ہوگا، دے دیں گے تول کے، سناؤ، کہنے لگا شاعر کہ جتنے

قصیدے ہوتے ہیں غلام، کنیز کو بھی یاد ہوتے ہیں، کہا ہاں بالکل، اگر پرانا ہوتا تو کنیز غلام کو یاد ہوتا، کہا ایک شعر پڑھ رہا ہوں، اُس نے شعر پڑھا تو بولے یہ سنا ہوا قصیدہ ہے غلام نے کہا ہاں سنا ہوا ہے تو شاعر بولا تو دوسرا تم سنا دو، پول کھل گیا، ہارون شرمندہ ہوا، کہا بھائی تم انعام لے لو، کہنے لگا وعدہ یاد ہے بولے ہاں یاد ہے کہا غلاموں کو بھیجئے میں قصیدہ اونٹ پر سے اترواؤں، سل آئی تو لاگیا سل کو دیکھ کر ہارون حیران ہوگیا۔

تو اب بتایئے ایسے دربار میں کنیز بکنے آئی اُس گھرانے کی پلی ہوئی، پردے کے پیچھے وہ آئی اُس نے کہا خوبی کیا ہے، میں کیسے خریدوں، باپ نے کہا اس میں اتنی خوبیاں ہیں جو سوال کرے جواب دیتی ہے، حیران ہو کر پوچھا جو سوال کہا ہاں جو بھی سوال ہو کہا اگر علماء اس سے پوچھیں؟ کہا جتنا بھی بڑا عالم ہو یہ سوال کا جواب دے گی درہم و دینار طے ہوگئے، وہ پردے کے پیچھے آ گئی، کہنے لگے یحییٰ بن اکثم ہمارا سب سے بڑا عالم ہے اُس سے سوال جواب ہوگا، تب میں پرکھوں گا کہ کنیز علم کے کس مرتبے پر ہے۔ یحییٰ بن اکثم آ گیا، دربار پہنچ گیا، ہارون نے کہا ہاں بھئی شروع ہو تو حُسنیہ نے کہا تو پوچھے گا یا میں پوچھوں، یحییٰ بن اکثم نے کہا میں پوچھوں گا، کہا پوچھ، تو یحییٰ بن اکثم اپنے حساب سے بڑی کوڑی ڈھونڈ کے لایا تھا کہ پہلے ہی وار میں قتل کروا دیتا تھا، خلیفہ تھا عباسی سوال کیا، کہا یہ بتاؤ علیؑ افضل تھے یا عباس افضل تھے۔ بعدِ رسولؐ اب خلیفہ عباس بن عبدالمطلبؑ کی اولاد سے اب اگر وہ کہتی کہ علیؑ افضل تھے تو وہ مار کر بھگا دیتا ہارون قتل کروا دیتا، اور اگر عباس کو افضلیت دیتی ہے تو عقیدہ جاتا ہے تو کہنے لگی تجھے اس سے کیا دونوں چچا بھتیجے تھے اگر چچا افضل تو بھتیجے کو ناز اگر بھتیجا افضل تو چچا کو ناز یہ گھر کی باتیں ہیں تجھے اس سے کیا، تو کیوں اس جھگڑے میں

پڑتا ہے، کہا اچھا یہ بتاؤ وراثت کا دعویٰ عباس نے کیا تھا علیؑ کے سامنے حق پر کون تھا، عباس رسولؐ کے وارث تھے یا علیؑ بولی تو یہ وراثت کے چکر میں کیوں پڑ رہا ہے تجھے اس سے کیا لینا دینا، کہا نہیں بتاؤ، وارث کون تھا؟ کہا یہ بتا، داوؑد کے پاس دو آدمی آئے تھے باغ اور بھیڑوں کا مسئلہ لے کر وہ دونوں کون تھے، کہا فرشتے تھے، کہا کیوں آئے تھے کہا وہ تو داوٗد کو بتانے آئے تھے کہ فیصلہ یوں کرنا چاہیئے، کہا دونوں فرشتوں میں حق پر کون تھا، کہا دونوں معصوم ملک تھے، دونوں حق پر تھے، صرف داوٗد کو غلطی بتانا چاہتے تھے کہا یہاں بھی یہی مسئلہ تھا، دونوں حق پر تھے، لڑتے ہوئے آئے تھے خلیفہ کے پاس، اُس کو صحیح راستہ بتانے کہ وارث کون ہے، دونوں حق پر تھے، اب بتایئے کیا ہو، عجیب پریشانی، تین ہزار سوالات کیئے، اُس نے جس میں سے چند ایک جوابات تاریخوں میں ہیں، آخر میں جب اس کی باری آئی تو یہ تو منہ لٹکا ہی چکے تھے، قیامت آ ہی چکی تھی ڈر رہے تھے کہ پوچھے گی تو کیا کریں گے لیکن دیکھئے پہلا ہی سوال اُس نے ایسا کیا کہ یہ بتاؤ کہ یہ جو وضو کرتے ہو اُلٹا وضو کیوں کرتے ہو، یاد رکھیئے ہارون کے زمانے میں وضو پر بحث چل رہی تھی کہ رسولؐ کا وضو کیا تھا، وہاں سے اُس نے سوال اُٹھایا تاکہ ہارون کے کان کھڑے ہو جائیں اور فقہ سمجھا دیں، اِمام کے گھر کی کنیز ہے، جس نے فقہ جعفری کا ڈنکا بجایا اُس کے گھر کی کنیز فقہ بتا رہی ہے، کہا وضو اُلٹا کیوں کرتے ہو، کہا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، پانی روؤں کی جڑوں میں پہنچ جائے، کہنے لگی تو غسل کرتے وقت کیا اُلٹے لٹک جاتے ہو، مزاح بھی، ادب بھی، مناظرہ بھی، علمِ کلام بھی، کنیز ایسی ہے۔(ایک صلوٰۃ پڑھیئے گا)

اب سوچیئے گھر والے کیسے ہوں گے تو پشت ہا پشت سے یہی عالم تھا ادب پروان چڑھا، پورا عرب قصیدہ کہے تو اُس عہد کے بنی ہاشم کے سردار کو دکھا لے تو رائج

کرے، کلاب ہوں، عبد مناف ہوں، قصی ہوں، ہاشم ہوں یا عبدالمطلبؑ اس لئے کہ عرب میں سب سے بڑا شاعر بنی ہاشم کا سردار ہوتا تھا، اجداد کا یہ عالم تو بارہویں پشت میں نزار، وقت قریب آیا، چار بیٹے چھوڑے، چاروں کو بلا کر بارہ وصیتیں کیں اور کہا ان پر عمل کرنا، اگر آپ وصیتیں پڑھیں تو پتہ چلے صدیوں پہلے اسلام کیسے پروان چڑھ رہا تھا، اجدادِ رسولؐ میں، وصیتیں لکھوا کر کہا کہ اگر آپس میں نزاع ہو جائے تو یمن کے بادشاہ کے پاس چلے جانا وہ فیصلہ کروانے بھیج رہے ہیں، فیصلہ نہیں کروانے بھیج رہے ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ پورا عرب اور یمن سردار کو پہچان لے، جب یہ زبان کھلے علمِ کلام میں چلے، چاروں بھائی فیصلہ کروانے، راستے میں دیکھا اونٹ کی مینگنیاں ایک جگہ ڈھیر پڑی ہیں، ایک طرف مکھیاں اُڑ رہی ہیں، ایک طرف مچھر اُڑ رہے ہیں، جگہ جگہ سے گھاس نچی ہوئی ہے تو ایک بھائی نے کہا ادھر سے اونٹ گزرا ہے کہا ہاں اونٹ تو گزرا ہے لیکن ایک آنکھ سے کانا بھی تھا، ایک بولا دم بھی کٹی تھی تیسرے نے کہا اُس پر کھٹائی اور مٹھاس دونوں بار ہیں، چوتھے نے کہا بھاگا ہوا تھا، یہ باتیں کرتے چلے جا رہے تھے مالک اونٹ کا جو پیچھے پیچھے آ رہا تھا قریب آ گیا اور پوچھا تم نے ہمارا اونٹ دیکھا، کہنے لگے اونٹ تو نہیں دیکھا، لیکن یہ پتہ ہے کانا ہے، دم کٹا ہے، بھاگا ہوا ہے، اُس پر مٹھاس اور کھٹاس دونوں لدی ہیں، وہ حیران ہوا کہا کہ دیکھا نہیں مگر جو کچھ بتا رہے ہو یہ سب تو صحیح ہے، تمہیں یہ سب باتیں کیسے معلوم ہیں، جب تم نے دیکھا نہیں اس نے کہا کہاں جا رہے ہو، کہا یمن کے بادشاہ کے پاس، کہا چلو وہیں تمہاری شکایت کریں گے اور اونٹ تم ہی سے نکلوائیں گے۔ دربار پہنچے بادشاہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، کہا فیصلہ سوچ کر کریں گے یہ تو سردارِ عرب کے بیٹے ہیں، ہم ان کی خاطر کریں گے، سرپوش آیا، گوشت روٹیاں ایک

بھائی نے کہا کہ روٹی نجس عورت نے پکائی ہے، دوسرے نے کہا یہ جو انگور کا شربت آیا ہے اس کی بیل قبر پہ لگی ہے، تیسرے نے کہا یہ جو بھیڑ کا گوشت پک کر آیا ہے اس بھیڑ نے کتیا کے دودھ پر پرورش پائی ہے، چوتھے نے کہا یہ بادشاہ جو ہے یہ صحیح النسب نہیں ہے، بادشاہ کے کان کھڑے ہو گئے ابھی ایک ہی مسئلہ تھا، اونٹ والے کا یہ دوسرا مسئلہ پیش ہو گیا، بادشاہ نے کہا یہ اونٹ کا مسئلہ کیا ہے کہا مسئلہ کیا ہے گھاس کا میدان ہے اونٹ کی عادت ہے ادھر بھی چرتا ہے اُدھر بھی چرتا ہے، لیکن جب ایک آنکھ ہوتی ہے تو ایک ہی طرف چرتا ہے، کہا اور یہ مینگنیوں والی بات کہا اگر دم ہوتی ہے اونٹ کے تو مینگنیاں بکھیرتا ہوا چلتا ہے، اگر دُم کٹی ہوئی ہو تو ایک ہی جگہ ڈھیر کر دیتا ہے، کہا یہ مٹھاس اور کھٹاس کا پتہ کیسے چلا، کہا داہنی جانب مکھیاں اُڑ رہی تھیں، بائیں جانب مچھر، مکھیاں مٹھاس پہ اور مچھر کھٹاس پہ اُڑتا ہے کہا کہ اور بھاگے ہوئے کا پتہ کیسے چلا، کہنے لگے اونٹ کی عادت ہے پورا میدان صفایا کر کے جاتا ہے، تو بھاگتے میں چرتا ہے تو چھوڑتا جاتا ہے، سب حیران پورا دربار، کہا یہ بغیر دیکھے کیسے ہر چیز بتا دیتے ہو، اُس وقت معجزے کا تصور ہی نہیں ہے، عجیب علم ہے، کوئی وجود ہے اس علم کا جو بھی آپ نام دے لیں، یہ نہ جفر ہے نہ نجوم ہے، نہ رمل ہے، تو یہ کونسا علم ہے، اجدادِ رسولؐ کا یہ تاریخ شیعیت کا تسلسل ہے، کہا روٹی کا پتہ کیسے چلا کہ نجس عورت نے پکائی ہے، کہا روٹی کڑوی تھی، تو اگر وہ والی نجاست اگر عورت میں ہو تو روٹی پکانے میں کڑوی ہو جاتی ہے اور یہ انگور کی بیل قبر پہ لگی تھی یہ کیسے پتہ چلا، کہا جیسے ہی شربت سامنے آیا ہم پہ حزن طاری ہو گیا، ہم سمجھ گئے قبر پر کے انگور کی بیل کا ہے اور یہ بھیڑ کا کیسے پتہ چلا کہ کتیا کا دودھ پیا کہا بھیڑ کے گوشت میں چربی اوپر اور گوشت نیچے ہوتا ہے اور کتیا کے گوشت میں چربی کے اوپر گوشت ہوتا ہے، جب

بوٹیاں سامنے آئیں تو چربی کے اوپر گوشت تھا، سمجھ گئے تو کہا اور یہ ہمارے بارے میں کیسے پتہ، کہا ماں سے پوچھ جا کے ماں کے پاس گیا، کہا تجھے یہ کیسے معلوم ہو گیا، تیرا باپ اس صلاحیت سے محروم تھا، میں نے ایک شخص کو اپنا نفس دے دیا کہ وارثِ تخت چاہئے تھا، پوچھنے لگی تجھے پتہ کیسے چلا، کہا وہ نزار کے چار بیٹے آئے ہیں، عاجز کیا ہوا ہے اُنہوں نے، کہا جا کے پوچھ کیسے پتہ چلا، آیا پوچھا کیسے یہ پتہ چلا کہا میزبان اگر مہمان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہ کھائے تو وہ صحیح النسب نہیں ہوتا۔ (ایک صلوٰۃ پڑھئے گا)

یہ اجدادِ رسولؐ ہیں، تو سوچئے اس نسل میں آنے والے عبدالمطلبؑ کیا ہوں گے اور ابوطالبؑ کیا ہوں گے اور یہ ادب کا تسلسل جب نہج البلاغہ تک پہنچے گا اولاد تک پہنچے گا، اصحاب تک پہنچے گا، جس کے سارے نمونے میں آپ کے سامنے پیش کر چکا تو کیا عالم ہوگا، نثر تھی، یہ علم الکلام، اور یہ نظم ہے ابوطالبؑ کا دیوان، جب زید شہید سے پوچھا گیا کہ آپ کے گھر کے بچے ابتدائی درسیات میں کیا پڑھتے ہیں تو کہا نظم میں دیوانِ ابوطالبؑ نثر میں فاطمہ زہراؑ کا خطبۂ فدک، یہ ابتدائی درس ہے بنی ہاشم کے بچوں کا، اب سوچئے کہ خطبۂ زہراؑ ادب کی کن عظیم المرتبت بلندیوں پر ہے اور کہاں دیوانِ ابوطالبؑ ہے، بچے وہ پڑھیں تو ادب سیکھیں، تو گھر کے بچے جوان ہو کر کیسے ہوں گے، کیا عالم ہو اور رسولؐ کو چھوڑ کر گھر کا ہر فرد شاعر، علیؑ، فاطمہؑ شاعرہ، حسنؑ شاعر، حسینؑ شاعر، سیّد الساجدینؑ شاعر، ہر امام شاعر، علیؑ کا ہر بیٹا شاعر، ہر بیٹی شاعرہ جعفر نثار بھی ادیب بھی، مقرر بھی، شاعر بھی، جعفر کا بولنا، معاویہ کو عقیلؑ کا اپنے علم سے عاجز کر دینا، بڑی مثالیں ہیں اور اکثر مجلسوں میں دے چکا، جب گھر والوں کا یہ عالم ہے تو بزم میں بیٹھنے والے شعراء کیسے ہوں گے۔

غدیرِ خم کے میدان میں، جب سب مبارک باد دے چکے اور لوگ آ کر کہیں حسان قصیدہ نہیں کہا، کیا کہوں اُس کے لئے جس کے لئے زبانِ رسالت سب کہہ چکی، جب رسولؐ یہ کہہ دیں کہ اس کی تلوار بدر میں نہ ہوتی، اُحد میں نہ ہوتی، خندق میں نہ ہوتی، خیبر میں نہ ہوتی یہ حسان بول نہیں رہے تھے، اب شعر شروع ہو گئے تھے، فی البدیہہ کہا اُس کی کیا تعریف کروں، قصیدہ شروع ہو گیا تھا، یہ بدر میں لڑا، یہ اُحد میں لڑا، یہ خندق میں لڑا، یہ خیبر میں لڑا، یہ صفین میں لڑا، اب اس کی کیا تعریف کروں، جس نے فتح مکہ کے روز دوشِ رسولؐ پر جہاں مہرِ نبوت تھی قدم رکھ دیئے، معراج ہو گئی، یہ حسان بول رہے تھے، غدیر کا میدان حسان کے اشعار گونج رہے تھے، یہ وہ شاعری تھی جو غدیر کے میدان میں شروع ہوئی، تاریخِ شیعیت کا ایک حصہ ہے شاعری بھی، تو اگر سیّد الساجدینؑ آ جائیں خانہ کعبہ میں اور ولی عہد بار بار چاہے کہ جا کر حجرِ اسود کو چوم لے لیکن مجمع پیچھے پھینک دے، حاجی آگے نہ جانے دیں تو ایسے میں وہ چمکتی ہوئی پیشانی والا، وہ آفتاب جیسا چہرہ لئے ہوئے وہ احرام پہنے ہوئے، دوش پہ چادر ڈالے ہوئے، نور پھیلاتا ہوا، اب جو بڑھا تو مجمع کائی کی طرح پھٹنے لگا، لوگ دور ہٹنے لگے، بیچ میں راستہ بنا، وہ جوان چلا، سیدھا حجرِ اسود کو جا کر بوسہ دیا، وہ واپس چلا، راستہ قائم رہا، ہشام حیران ہو گیا، ہم ولی عہد ہیں، ہم حکمران ہیں، ہمیں راستہ نہیں ملتا، یہ جوان کون تھا، پہلو میں فرزدق کھڑا تھا، تو نہیں پہچانا تو جان کر انجان بن رہا ہے، تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے، تو پہچانتا ہے ہشام اور تیرے پہچان کے انکار کر دینے سے کیا ہو جائے گا، کہ دنیا اِسے پہچانے تو نہ پہچانے فرزدق کا قصیدہ شروع ہوا یہ وہ ہے کہ کعبہ کی دیواریں جس کا انتظار کرتی ہیں، مکہ کا ذرّہ ذرّہ اسے سلام کرتا ہے، زم زم اسے سلام کرتا ہے، یہ عرفات کا بیٹا ہے، یہ مشعر الحرام کا بیٹا ہے،

یہ رُکن یمانی کا بیٹا ہے، یہ خانہ کعبہ کا فرزند ہے تو اسے نہیں پہچانتا اسے منیٰ کے ذرّات پہچانتے ہیں، اسے عرفات کے ذرّات پہچانتے ہیں، فی البدیہہ قصیدہ کہہ رہا تھا، ہشام دم بخود تھا، اُدھر قصیدہ تمام ہوا، ہمارے دربار کا شاعر اور اُس کی مداحی، قید میں ڈال دو، عرصہ گزر گیا قید خانے میں ایک دن غلام چلا تو پیغام بھیجا، میرے مولا کو سلام کہنا، فرزدق قید میں کب تک رہے گا، کہا ہمارے شاعر نے اب تک پیغام نہیں بھیجا تھا، آج پیغام ملا ہے دو رکعت نماز پڑھی، دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے، ادھر دعا ختم ہوئی ادھر قید خانے کا دروازہ کھلا، فرزدق آزاد ہوا، سیدھا امام کے پاس آیا، سر جھکا کر بیٹھ گیا، امام نے فرمایا کہ فرزدق ہم نے سنا کہ ہماری محبت میں تمہارا گھر تاراج کر دیا گیا، تم قید میں تھے۔ غلام کو آواز دی کہ وہ جو پینسٹھ ہزار درہم کی تھیلی رکھوائی تھی وہ لاؤ، تھیلی آئی کہا عمر میں اگر چھیاسٹھواں سال ہوتا تو چھیاسٹھ ہزار درہم دیتا، جتنی عمر ہے اتنے ہزار درہم ہیں، لے جاؤ کہا آقا مدح اس لئے نہیں کی تھی کہا ہم آلِ محمدؐ جو راہِ خدا میں دے دیں وہ واپس نہیں لیا کرتے، یہ ہیں فرزدق اور یہ ہے کمیت، عرب کا بڑا شاعر، کمیت اسدی، دربارِ حکومت کا شاعر، لیکن جب یہ سنا کہ واقعہ کربلا پر مرثیے نہیں ہو پائیں گے، تو دربار سے بگڑ کر اُٹھا اور مرثیہ پڑھتا ہوا بغداد سے مدینے کی شاہراہوں پر چلا، مدینہ پہنچا تو سارے مدینے میں گھوم گھوم کر مرثیہ پڑھتا رہا، شام ہو گئی، شاہراہوں پر مجلسیں شروع ہو گئیں، جلوس نکل آیا، مدینہ کے لوگ گھروں سے باہر نکل آئے، کمیت کے مرثیے سن کر لوگ رونے لگے، کربلا کا ذکر، مدینے میں کہرام جب محلّہ بنی ہاشم میں آیا گھروں کے دروازے کھل گئے، چھوٹے چھوٹے بچے باہر نکل آئے، کمیت کو چاروں طرف سے گھیر لیا، کمیت کا مرثیہ ختم ہوا، شام ہوئی، بچوں نے کمیت کا دامن تھاما، امامِ محمد باقرؑ کی خدمت میں آئے اور کہا، آقا یہ ہمارا شاعر

ہے، آپ نے فرمایا ہم نے مرثیہ سنا ہم بہت روئے اس نے بڑی خدمت کی، ایک چادر لاؤ، چادر لائی گئی، چھوٹے بچوں نے چادر کے کونے تھام لئے کہا گھر میں لے جاؤ، چادر واپس آئی، امام نے چادر کو لپیٹا، کہا ہم لٹ گئے، اگر زمانہ ہم سے چھین نہ لیتا مالِ دنیا تو ہم اور عطا کرتے جو تھا وہ دے دیا، اس کو قبول کرلو اب جو چادر کھولی تو منہ پر طمانچے مارے، شہزادیوں کے زیور، کسی نے گلے کا گلوبند، کسی نے ہاتھ کے کڑے، کسی نے کان کے آویزے بھیجے تھے مداحِ حسینؑ کے لئے، یہ شہزادیوں کا نذرانہ تھا۔ تقریر خاتمہ پر پہنچ گئی، اسی تسلسل کے ساتھ پھر فضائل ہوں گے، کل تقریر اُردو تک پہنچے گی، آج ہم عربی تک ہیں، رونے لگا منہ پہ طمانچے مارتا تھا کہتا تھا شہزادیوں کے زیور لے جاؤں، پردے سے آواز آئی، کنیز نے بتایا شہزادیاں کہتی ہیں راہِ خدا میں دے چکے ہم یہ مال واپس نہیں لیں گے، اے حسینؑ کے شاعر یہ لے جا، یہ لے جا تو تقریر ختم ہوئی، کل امام ششم کا عہد پڑھوں گا، لیکن اچانک ساتویں امام کے عہد پر تقریر ختم کر رہا ہوں، کل یہاں تک عرض کیا تھا کہ جشن کے وہ آنے والے اور وہ قیدی امام جس کی عمر قید خانے میں گزر گئی لیکن نہ اُمت سے غافل، نہ پیغامِ شیعیت سے غافل اور نہ عزاداری سے غافل، ہارون کے دربار میں جشن نو روز تھا، نذرانے پیش ہوتے، دولت کا ڈھیر لگ جاتا، جب دولت کا انبار لگ گیا، تو کہا قیدی کو لاؤ، قیدی آیا اور کہا کیوں بلایا ہے، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں، قیدی دربار میں آ گیا، یہ کیسا جشن ہے، کہا جشنِ نو روز ہے کہا ہمارے جد علیؑ کے فرمان میں یہ جشنِ غدیر ہے لیکن تجھے غدیر سے کیا واسطہ، یہ کیسا جشن ہے ہارون الرشید نے کہا ایرانیوں کو خوش کرنے کے لئے کہا اچھا ہمیں کیوں بلایا ہے، کہا یہ نذرانوں کے ڈھیر، یہ دولت کا انبار، دیکھا کہا میں کیا کروں، کہا تم کو دیتا ہوں، دیکھئے

شاہی بول رہی ہے، قیدی کو اور مجبور بنانا چاہتی ہے، لیکن یہ قیدی وہ ہے کہ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے باوجود اس کی حریت فکر کو قید نہیں کیا جا سکتا۔ اس تسلسل کو قید نہیں کیا جا سکتا، کہا یہ مال تمہارا ہے، ابھی یہ کہہ رہا تھا کہ ایک شخص دربار میں داخل ہوا کہا اجازت ہے، اپنا نذرانہ پیش کردوں، کہا اب آیا ہے کہا مجھے دیر ہوگئی۔ میں مُنشد ہوں، عربی میں مُنشد اُسے کہتے ہیں جو دوسرے شاعروں کا کلام یاد کر کے سنائے، کہا میرا دادا شاعر تھا، مداحِ حسینؑ تھا، میں نے سنا کہ میرا امام دربار میں آیا ہے، تجھے نذرانہ دینے نہیں آیا میں اپنے آقا کو نذرانہ دینا چاہتا ہوں، امام مخاطب ہوئے، کہا ہاں ہاں میرے بھائی نذر پیش کردے، کہا اپنے دادا کا ایک شعر سنانا چاہتا ہوں، اُس کا مفہوم یہ ہے کہ کربلا میں حسینؑ گھوڑے پر بیٹھے تھے، چاروں طرف سے تیروں کی بارش تھی، تلواریں اور نیزے چل رہے تھے، لیکن وہ تیر، وہ نیزے وہ تلواریں میرے حسینؑ کے جسم کی عظمتوں کو نہ چھین سکے، عظمتیں اُسی طرح برقرار رہیں، امام سن کر رونے لگے، جا تیرے اس شعر کے بدلے میں یہ ساری دولت تجھے نذر کردی، ہارون ذلیل ہوگیا، حسینؑ کی مدح میں ایک شعر امام سنیں تو شاہی کے سارے خزانے خاک میں مل جائیں۔ امام نے بتایا کہ حسینؑ کی مدح میں کی جانے والی شاعری کے سامنے شاہی کی قیمت نہیں ہے۔ امام جو قید میں رہ کر یہ بتائے کہ حیثیت کیا ہے وہ قید میں تھا اور اس کے گھر پر آفتیں ٹوٹ رہی تھیں، سترہ بیٹے تھے، جتنے بیٹے علیؑ کے اُتنے ہی اس امام کے، سترہ بیٹیاں گھر پر بار بار فوجیوں کے حملے ہوتے ہیں، کس کس طرح بچے ماؤں سے چھین لئے جاتے ہیں، ماں دَر پر کھڑی رہی بچے ماں سے چھین لئے گئے، بغداد کی دیواروں میں چن دیئے گئے، اُنہی میں سے ایک بچے کے لئے تاریخ بغداد لکھنے پر مجبور ہے کہ چودہ سال کا بچہ دیوار اُٹھتی جا رہی تھی، لیکن معمار روتا جا رہا تھا، کہتا

تھا سیّد! کیا کروں مجبور ہوں، دیکھ رہا ہوں کیا ظلم ہو رہا ہے، زلفیں ہوا میں اُڑ رہی تھیں، نازنین شہزادہ جب گلے تک اینٹیں آ گئیں، چن دی گئیں، قریب سے ایک مسافر گزرا، آواز دی اے مسافر! اگر مدینے جانا ہو تو ایک پیغام لے جاؤ، میری ماں کو پہنچا دینا، رونے لگا، رُک گیا، کہنے لگا شہزادے ہم تمہارا گھر کیسے پہچانیں گے کہا جب محلّہ بنی ہاشم میں جاؤ گے، جس گھر سے رونے کی مسلسل آواز آئے، سمجھ جانا وہی میرا گھر ہے کہا پیغام کیا ہے، کہا ماں سے کہہ دینا اماں اب انتظار نہ کرنا، اب بیٹا واپس نہیں آئے گا۔ اس آسرے میں نہ جینا کہ کبھی بیٹا آئے گا۔ میں تھک گیا آپ بھی تھک گئے ہوں گے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اسی ذکر پر تقریر تمام کر دوں، شہدائے کربلا کے حالات سنا چکا، چاہتا ہوں کہ بعد کربلا جو شہزادوں، سیّد زادوں پر گزری وہ مختار نامے تک آپ کو سنا دوں، اُس کو بھی محفوظ کیجئے، گھر لوٹا گیا، سپاہی آتے، بچے ماؤں سے چھین لئے جاتے، مائیں گھبرا جاتیں، امام کا ایک گیارہ سال کا بیٹا جس کا نام قاسم تھا، ایک دن سو کر اُٹھا کہا اماں! بابا کب سے گئے اب تک واپس نہیں آئے، اب ہم بابا کو ڈھونڈنے جائیں گے۔ اماں! ہم وعدہ کرتے ہیں کہ یا تو واپس نہیں آئیں گے اور اگر واپس آئیں گے تو بابا کو لے کر آئیں گے۔ ماں نے کہا بیٹا! بہت چھوٹے ہو، راستے کا پتہ نہیں، شہروں سے واقف نہیں، میرے لال کیسے جاؤ گے، کہا اماں خدا کے بھروسے پر مجھ کو بھیج دیجئے۔ حمیدہ خاتون راضی ہو گئیں، بچے کو تیار کیا، زادِ راہ ساتھ کیا، کھانا ساتھ کیا، کھانا ساتھ کیا، دروازے تک آئیں، لپٹا کر پیار کیا، سینے سے لگایا، خدا حافظ کہا، اللہ تیرا نگہبان، جا تجھے خدا کے سپرد کیا، بچہ مڑ مڑ کر کبھی حسرت سے گھر کو دیکھتا، کبھی دروازے کے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتا، راستہ بھٹک گیا اور حلّہ کے اُس علاقے میں جہاں بہشتی آباد تھے وہاں رہنے لگا۔ جب بہشتیوں نے دیکھا

کہ بچہ صالح اور متقی ہے، وہیں کام کرنے لگے وہی پیشہ اپنالیا، مشک میں پانی بھرتے، گھروں میں پانی پہنچاتے، جوان ہو گئے، سردار بہشتی کی بیٹی سے شادی ہو گئی، کچھ دن کے بعد ایک بیٹی پیدا ہوئی، وہ بیٹی جوان ہو گئی، علیل ہوئے، یقین ہو گیا کہ اب زیست کے آثار نہیں ہیں، آپ بہت روئیں گے، بس چند جملے، بعد کربلا سیّد زادوں پر کیسی کیسی مصیبتیں ٹوٹیں، نہ جانے کربلا کے بعد کتنی کربلائیں بنیں۔

وقت آ گیا گھبرا کر بی بی سے کہا ذرا اپنے بابا کو بلاؤ کچھ وصیتیں کرنی ہیں، بی بی روتی ہوئی باہر گئی، واپس آئی، کہا وہ نہیں آ سکتے کہا میں مر رہا ہوں، وہ میری سنتے نہیں کون سا ضروری کام ہے کہ وہ ہماری موت پر نظر نہیں رکھتے اور باہر کسی کام میں مشغول ہیں، زوجہ رونے لگی اور کہا میرے والی، میرے سرتاج، یہ ہم لوگوں کا راز ہے، یہ ہے تاریخ شیعیت اگر یہ والی تاریخ شیعیت پڑھتا تو مسلسل مصائب پڑھنے پڑتے، کہ کن کن منزلوں سے یہ تاریخ گزری ہے، کہاں کہاں سے گزری ہے کہ ہم اپنا راز نہیں بتا سکتے، کہا ہم سے اب کیا راز چھپاؤ گی، ہم تو مرنے والے ہیں، ہم کس سے کہیں گے، کہا اچھا سنو ہم سب کا ایک امام ہے وہ بغداد میں قیدی تھا آج اُس کے مرنے کی خبر آئی ہے، میرے بابا قوم کے سردار ہیں، پوری قوم تعزیت کے لئے آئی ہے، بابا نہیں آ سکتے، امام کا جنازہ بغداد کے پل پر رکھا ہے، بغداد میں ماتم ہے، یہ سننا تھا کہ چیخ ماری، بابا! مجھ سے پہلے چلے گئے، بابا! میں بھی آ رہا ہوں، میں تو آپ کو تلاش کرنے نکلا تھا، قاسم کو چھوڑ کر بابا چلے گئے، بابا بیٹا آ رہا ہے، یہ کہہ کر زوجہ سے کہا کہ اپنے والد سے کہو اب تو چند لمحوں کے لئے آ جائیں، باپ آیا کہا کیا کہتے ہو، کہا ہم تمہیں نہیں بتا سکتے، ہم کون ہیں اس لئے کہ بات عام نہ ہو جائے لیکن ایک وصیت ہے جب میں مر جاؤں مجھے دفن کر کے قبر بنا چکنا اور تعزیت ہو جائے تو میری زوجہ اور بیٹی کو مدینے میں میرے گھر پہ پہنچا دینا، اس لئے کہ میری بیٹی تمہارا لہو نہیں اس کا

لہو بڑا عظیم ہے، اس کو مدینے جانا ہے کہا ہم وصیت پر عمل کریں گے، زوجہ بال بکھرائے چیخ کر روتے ہوئے بولی میرے والی میرے وارث مدینے تو جاؤں گی گھر کیسے پہچانوں گی، کہا محلّۂ بنی ہاشم پہنچ کر بیٹی کو آگے کرنا، بیٹی چلتے چلتے جس دروازے پر رُک جائے سمجھ جانا وہی میرا گھر ہے، یہ لہو اپنا دروازہ پہچانے گا، قبر بنائی، تعزیت ادا ہوئی، ماں مدینے چلی، بیٹی چلی، سیاہ چادر میں، محلّۂ بنی ہاشم میں پہنچیں، کہا بیٹا اب تو آگے چل بابا کی وصیت کے مطابق، بیٹی چلی اور چلتے چلتے ایک دروازے پر رُکی، اور کہا ماں میرا دل کہتا ہے یہ بابا کا گھر ہے، دروازے پر دستک دی، چند عورتیں دروازے پر آئیں، گھر بچوں سے خالی ہو چکا تھا، مرد نہیں تھے، وارث نہیں تھے، عورتوں نے دونوں کو گھر میں بلا لیا صحن خانہ میں ماں بیٹی پہنچیں، عورتیں چاروں طرف حلقہ کر کے کھڑی ہو گئیں، پوچھنے لگیں کہاں سے آئی ہو، کیا نام ہے، کس کی زوجہ ہو، کس کی بیٹی ہو کون بتائے نہ شوہر کا نام معلوم نہ بیٹی کو باپ کا نام معلوم، نہ خاندان کا پتہ، ماں بیٹی خاموش تھیں، پورے محلّۂ بنی ہاشم میں شور ہو گیا کہ اچانک کسی نے کہا ہٹو ہٹو حمیدہ خاتون آ رہی ہیں، امام کی زوجہ آ رہی ہیں، امام کی ماں آ رہی ہے، بیبیاں ہٹنے لگیں، تعظیم کو کھڑی ہو کر سلام کو جھکنے لگیں، بوڑھی خاتون عصا کا سہارا لئے، جھکی کمر، سب کو ہٹاتی ہوئی آگے بڑھی، ایک بار اُس بی بی کو دیکھا، بچی کے چہرے کا نور دیکھا، سینے پر ہاتھ مارا اور کہا پہچان گئی، یہ میرے قاسمؑ کی بیٹی ہے، ارے میرا قاسم چھوٹا سا گھر سے گیا تھا وہ کہاں ہے، بچی نے کہا بابا مر گئے، اپنے بابا کے پاس چلے گئے، میں کہوں گا اے حمیدہ خاتون تمہارا بیٹا قاسم مر گیا، نشانی چھوڑ گیا، ارے کربلا میں قاسمؑ کی ماں اُمِ فروہؑ سے پوچھو، جب حسینؑ نے آ کے کہا لاشہ کہاں ہے، کہا ہم لاشہ تو نہ لا سکے مگر چادر میں گٹھری میں کچھ نشانیاں ہیں۔ ماتم حسینؑ۔

❀❀❀❀

آٹھویں مجلس

تاریخ شیعیت

......:تہذیب وادب اور شیعیت:......

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے اور درود و سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لئے

انجمن رضائے حسینی کے الوداعی عشرے کی آٹھویں تقریر آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں۔ آج میری طبیعت ناساز ہے اور آواز سے آپ کو اندازہ ہو رہا ہوگا، چند تقریریں باقی ہیں اور اپنے عنوان کو کسی منزل تک پہنچانا ہے۔ یہ عنوان ہشت پہلو ہے اور ہر پہلو کے کئی کئی پہلو ہیں۔ مجالس کے عنوانات بنتے چلے جارہے ہیں، اب جس کا دل چاہے ان تشنگیوں کو اپنی خطابت میں پورا کرلے، عنوان سے عنوان بنتے چلے جارہے ہیں جس کا دل چاہے جہاں سے عنوان اٹھالے، یہ ایسا عنوان ہے کہ تقریریں بنانے والوں کیلئے بڑی گنجائش ہے اور خود مجھے بھی اندازہ ہوا کہ اگر یہ عنوان رکھا جائے تو اسلام کیلئے سادات کی قربانیاں اسی سے ایک موضوع بنتا ہے یا اسلام کیلئے علماء کی قربانیاں وہ سب کچھ ہم چھوڑتے ہوئے چلے جارہے ہیں۔ ایک منزل کی طرف ہم کل آگئے تھے کہ تاریخ شیعیت میں ادب کا کیا مقام ہے۔ کل ہم نے تقریر کا آغاز کیا اور شاید آج بھی ہم اس موضوع کو کامل نہ کرسکیں جن موضوعات کو ہم اس وقت پیش کریں گے اُس کے بعد فنِ خطابت تاریخِ شیعیت میں رہ جائے گی اسے کل عرض کریں گے

سوز خوانی ایک حصہ ہے تاریخِ شیعیت کا نوحہ خوانی اور ماتمی انجمنیں اُن کا آغاز ان کا کردار اُن کی خدمات یہ کل عرض کر دیں گے۔ آج کی تقریر کل کے تسلسل کے ساتھ کہ بنی ہاشم عرب میں ادب میں وہ مرتبہ رکھتے تھے کہ اُن کے مقابل تاریخ میں کوئی نہ آسکا اور بس فصاحت اور بلاغت اُن کے گھر کی لونڈی ہو کر رہ گئی تو اس فکر کو جہاں جانا تھا اور جہاں جہاں گئی تو جس نے بھی محبت کی زبان اُس کے گھر کی کنیز بن گئی یہ خدمت کا صلہ تھا کہ برسوں انسان زبان سیکھے تو نہ آئے یہاں محبت ہی پہ عبور حاصل ہو گیا صرف محبت نے یہ صلہ دیا۔ اس لیئے کہ یہاں نظرِ کرم ہو جائے تو کیا سے کیا بن جائے انسان ہمارے اور آپ کے دسویں امام علی نقیؑ کی خدمت میں ہندوستان کا ایک شخص آیا بزم میں اصحاب بیٹھے تھے جنابِ محمد حنفیہؓ کی نسل میں جنابِ ابو ہاشم بھی بیٹھے تھے جو امام کے صحابی تھے اس نے آتے ہی امام سے گفتگو شروع کی تو امام اُس سے ہندی زبان میں باتیں کرنے لگے اصحاب حیران ہو گئے وہ چلا گیا تو ابو ہاشم نے کہا کہ آپ کو ہندی زبان بھی آتی ہے۔ سامنے ایک ٹھیکری پڑی تھی کہنے لگے ذرا اسے اٹھاؤ اٹھا کر امام کو دیا امام نے اُسے زبان پر رکھا کہا اب اس کو اپنی زبان پر رکھو ابو ہاشم نے اُسے اپنی زبان پہ رکھا کہتے ہیں دنیا کی نوے زبانیں بول سکتا تھا روانی سے اور لکھ سکتا تھا جس کا دسواں فرزند ذرا سا لعابِ دہن کسی کو دے دے تو دنیا کی نوے زبانیں بولنے لگے تو اس کا جد رسولؐ اُمی نہیں ہو سکتا جن معنوں میں آپ کہہ رہے ہیں اور اسی لیے ہر معصوم کا ارشاد ہے کہ رسولؐ کے عہد میں جتنی زبانیں رائج تھیں رائج شدہ زبانوں میں بول بھی سکتے تھے اور اُن زبانوں میں لکھ بھی سکتے تھے، معصوم نہ بتائے تو رسولؐ کا کردار اُبھر کر نہ آئے یہی ہیں ہماری مجلسیں اور یہی ہے مجلسوں کی تاریخ کہ جو آج تک عظمتِ رسولؐ کو اس طرح برقرار رکھے ہوئے ہیں جو قرآن کا معیار ہے ان مجلسوں نے رسولؐ کا کردار

اس طرح برقرار رکھا جس طرح قرآن نے برقرار رکھا اور یہ عنوان جو حضرات سنتے ہیں اُن کا شکریہ اور مہربانی جو سن رہے ہیں ہم صرف اُن کیلئے نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ عرصے سے ہمارے بہت سے محقق، ادیب، دانشور جن کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے اُن کی فرمائش تھی کہ ہم کو سمجھائیے کہ شیعیت کیا ہے اور کچھ اور ہمارے قریبی سُنّی دوست کہ آپس میں جب ہم میں بحث ہوتی ہے تو ہم شیعوں کا فیور (favour) کرتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں بتا پاتے کہ شیعیت کیا ہے تو ہم یہ تقریریں اپنے سنّی دوستوں کیلئے کر رہے ہیں آپ لوگوں کیلئے نہیں آپ سن رہے ہیں آپ کی مہربانی آپ کے لیئے نہیں یہ تقریریں یہ بین الاقوامی تقریریں ہیں تعصب سے پاک تبرا سے پاک، مناظرے سے پاک خالص تقریریں جسے سب سنیں اور یہ ریکارڈ پوری دنیا میں جاتا ہے جہاں ذاکر نہیں پہنچتا وہاں ہماری مجلسیں سن کر مجلسیں ہوتی ہیں دس دن محرّم میں کہ ان کے خطوط آتے ہیں کہ آپ کے اتنے عشرے سنے گئے ریکارڈ میں اور اتنے لوگ جمع ہوئے ان خطوطوں کی بھی ایک فائل ہے تو جب ہم مجلس پڑھتے ہیں تو ہماری نظر ہر بات پر رہتی ہے اس لیئے اگر کسی کی سمجھ میں تقریریں نہیں آرہی ہیں تو وہ اپنے شعور اپنے ذہن کو حاضر کر کے سنا کرے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ ہماری تقریریں تعصبات سے پاک ہیں نہ ہم کسی کی توہین کرنا چاہتے ہیں نہ کسی کا مذاق اڑانا چاہتے ہیں نہ ہم کوئی فساد یا شر کی بات کرنا چاہتے ہیں ادب کے دائرے میں جب تقریر ہوتی ہے تو کوئی برا نہیں مانا کرتا دیکھئے آپ کیلئے یہ مشہور ہے کہ آپ کی مجلسوں میں گالیاں بکتے ہیں باہر نکل کر دیکھئے کیا کیا مشہور ہے شامِ غریباں میں یہ کرتے ہیں علم پہ خون چھڑکتے ہیں تو ان غلط فہمیوں کو اس طرح دور کیجئے کہ مجلسوں کو ادبی بنا دیجئے تاکہ وہ آئیں تو پتہ چلے کہ خون کیا ہے، عَلم کیا ہے، پھریرے کا رنگ کیا ہے، شامِ

غریباں میں کیا ہوتا ہے، منبر پر کیا ہوتا ہے، بلکہ یہ مجلس بتاتی ہے کہ سننے کا شعور کیا ہے، بیٹھنے کا شعور کیا ہے، یہ مجلسیں نشست اور برخاست کی تہذیب سکھاتی ہیں، کیسے بیٹھتے ہیں، کیسے اُٹھ کر جاتے ہیں، کیا کہتے ہیں، کیا آپس میں باتیں کرتے ہیں، کیسے ملاقات کرتے ہیں، یہ تہذیب بنائی ہے تاریخِ شیعیت نے، اس سے کوئی انکار نہیں کرتا، جب ادب کی گفتگو ہوگی تو آپ یقین کیجئے کہ عربی ادب ہو یا فارسی ادب ہو یا اُردو ادب ہو، تاریخ لکھنے والوں نے یہی لکھا کہ اس ادب کو پالا ہے شیعوں نے، پروان چڑھایا تاریخِ شیعیت نے اور جب گنتی کی جاتی ہے تو سوا آپ کے کوئی نظر نہیں آتا، یہ کتنا بڑا انعام ہے اور اُس فکر کو اس طرح ادب کی جڑوں میں پلا دیا کہ اُس دائرے سے کوئی نکل جائے تو ادب میں نہ رہے اگر اُس فکر کو اپنائے نہ تو کتاب ادب کی فہرست میں اُس کا نام نہ آئے کتنی حیرانی کی اور عجیب بات ہے یہ کہ اُس کا حقہ پانی بند کر دیا جاتا ہے ادبی برادری سے اگر خالص ادبی فکر سے ہٹ جائے فوراً اُس پر اعتراض ہو جاتا ہے یہ کیا کیا روایت سے ہٹ گئے، ادب کی شاہراہ کو چھوڑ دیا جنگلوں میں نکل گئے جھاڑیوں میں نکل گئے کانٹوں میں چلے گئے کتابیں پڑھ کر دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا یہی وجہ تھی کہ معصوم کی نگاہیں دیکھ رہیں تھیں کہ ادب ہماری کیا خدمت کرے گا اس لیئے جو وقار جو عزت جو محبت شاعروں اور ادیبوں اور نثاروں کو معصومینؑ نے عطا کی کوئی اور نہ پا سکا کوئی نہیں پا سکا عالم ہیں جابر بن عبداللہ انصاری محدث ہیں بڑا مرتبہ ہے رسولؐ سے لیکر پانچویں امامؑ تک تمام معصومونؑ کی بزم میں بیٹھے آکر شکایت کی غربت کی امام خاموش رہے کہا ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم دے دیتے اتنی دیر میں ایک شاعر آ گیا اُس نے قصیدہ سنایا کہنے لگا کہ میں آج کل بہت پریشان حال ہوں امام نے غلام سے کہا وہ حجرے میں جو تھیلی رکھی ہے درہم و دینار سے بھری لے آؤ

اس کو دے دو، اُس کو عطا کر دی گئی وہ چلا گیا جابر نے کہا کہ مولا آپ تو کہہ رہے تھے کہ کچھ نہیں ہے کہا جاؤ حجرے میں جا کر دیکھو گئے تو حجرے میں کچھ بھی نہیں تھا کہا مولا یہ کیا ہے کہنے لگے اُس کا اذن ہے جہاں اذن ہے وہاں جائے اور جہاں اذن نہ ہو وہاں نہ جائے ہم تو اُس کی مصلحت کے تابع ہیں کتنا چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن سوچ اور فکر کے لیئے کتنا عظیم ہے یہاں اتنا خیال کیوں ہے علاّمہ مجلسی نے لکھا بحار میں کہ شاعر آیا اور دروازے پر آیا امام حسینؑ کے اور اُس نے یہ شعر پڑھے جن کا مفہوم تھا کہ مدینے میں داخل ہوئے ہم تو ہم نے ایک ایک سے پوچھا مدینے میں سب سے زیادہ سخی کون ہے تو مسجد سے لیکر بازار تک ہر ایک نے صرف تمہارا نام لیا حسینؑ پورا شہر جس کی سخاوت کی گواہی دے میں اُس کے در پہ آیا ہوں امامِ حسینؑ نے دروازے کی آڑ سے اُس کو درہم و دینار دے دیئے امام حسنؑ نے کہا کہ حسینؑ میں اکثر دیکھتا ہوں شاعروں کو بہت زیادہ عطا کرتے ہو تو آپ نے فرمایا کہ بھیا آپ تو اس بات کے گواہ ہیں کہ نانا کی حدیث ہے کہ تیرا وہ مال بہتر ہے جو تیری عزت اور آبرو کی حفاظت کرے کتنا فکری جملہ ہے اب اس جملے کو ذرا سا پلٹ دیجئے حسینؑ جان رہے تھے کہ جہاں ہماری عزتوں پر حملے ہوں گے وہاں یہ شاعر کھڑے ہو کر اس کو بے عزت کر دیں گے اور یہی ہوا تاریخ میں کہ ہشام نے چاہا تھا کہ انکار کر دے نہیں پہچانتے پہلو میں فرزدق نے کھڑے ہو کر بادشاہِ وقت کو ذلیل کر دیا آج تک ادب میں ہشام ذلیل ہے۔ آپ نہیں سمجھ سکتے اس لیئے کہ آپ اُردو بولتے ہیں آپ عربی کی عظمت کو اس لیئے نہیں سمجھ سکتے کہ ہوگا کوئی فرزدق اور اُس نے قصیدہ کہا ہوگا عرض کروں گا جب تقریروں میں اسرائیل کا محرّم بیت المقدس میں سات محرّم سے مجلسیں شروع ہوتی ہیں تیرہ محرّم تک اور گیارہ محرّم کی صبح کو جو مجلس ہوتی ہے وہ اُس میدان میں ہوتی ہے کہ جس کی ایک سمت جنابِ ابراہیمؑ کا

مقبرہ ہے اور دوسری سمت جنابِ مریمؑ کا مقبرہ ہے اس میدان کیلئے یہ ہے کہ پچاس لاکھ آدمی اس میدان میں آسکتے ہیں وہ میدان گیارہ محرّم کی صبح کو بھرنا شروع ہوتا ہے تو شام تک فرزدق کے مرثیے منبر پر پڑھے جاتے ہیں اسرائیل میں آج سے نہیں برسوں سے یہ قاعدہ ہے بیت المقدس کی مسجد میں مسجدِ بیت المقدس، مسجدِ اقصیٰ میں تفصیل بتاؤں گا کہ کیسے مجلسیں ہوتی ہیں، زنانی مجلسیں کدھر ہوتی ہیں، مردانی مجلسیں کدھر ہوتی ہیں، حیرت ہو جائے گی آپ کو سن کر کہ مسجدِ علیؑ جو ہے اُس میں مردانی مجلس ہوتی ہے، مسجد عمر میں زنانی ہوتی ہے، حیرت ہوتی ہے، مرد ماتم نہیں کرتے اسرائیل کے لیکن عورتیں ماتم کرتی ہیں ان کو ماتم کرنا چاہیئے اُس جگہ اب یہ تاریخ ہے ہم کیا کریں تو فرزدق کے مرثیے آج بھی عرب میں اُسی طرح پڑھے جاتے ہیں جیسے اُردو میں میرانیسؔ کے مرثیے تو جو کچھ کہا تھا محفوظ ہے اور صدیوں تک محفوظ رہے گا معصومینؑ جان رہے تھے اس لیئے اتنی تعظیم دی اتنا احترام کیا سید اسماعیل حمیری ہوں اور چھٹے امام کا دربار بھی امامِ رضاؑ کا دربار ہو دعبل کا آنا اور جب نیا قصیدہ کہیں تو امام کہیں پڑھنا نہیں جب تک میں اجازت نہ دوں حکم امام ہے مامون رشید نے بلا لیا دربار میں کہا نیا قصیدہ سنا دو کہا نہیں سنا سکتے جب تک امام اذن نہیں دے گا۔

شاہی عاجز ہوگئی شاہی کی حقیقت کیا ہے شاعر کہہ رہا ہے نہیں سنائیں گے جب تک اذن نہ مل جائے اتنی دیر میں دربانوں نے اطلاع دی کہ ولی عہد شہزادہ آرہا ہے امام آئے مامون اُٹھ کر اِستادہ ہو گیا، درباری کھڑے ہو گئے، امام تشریف فرما ہو گئے، کہا ہاں دعبل اجازت ہے قصیدہ سناؤ کہا ہاں اب سنائیں گے، دیکھا آپ نے یہ امامت ہے یہ شاہی ہے دولت یہاں سے ملتی ہے وہاں سے نہیں ملتی پھر بھی اذن کا طلب گار ہے بادشاہ کے کہنے پر شعر نہیں سناتا امام جانتا تھا کہ شاعروں کا کردار کیا

ہوگا اور جہاں وہ کردار نظر نہ آئے تو پھر وہ شاعر نہیں ہے بلکہ بھانڈ ہے اس سے زیادہ تعریف نہیں ہوسکتی شاعر وہی ہے جو معصومؑ کے اذن کا طلب گار ہو کسی صدی میں ہو کسی زبان کا ہو اس لیئے کہ فکر وہی فکر ہے ادب اُسی کا نام ہے دعبل نے قصیدہ سنایا امام نے قصیدہ سنا اٹھ کے کھڑے ہو گئے دوش سے عبا اتاری دعبل کے دوش پر ڈال دی یہ نہیں کہا کہ درہم و دینار دیجیئے خوش ہو گیا معصوم کا لباس مل گیا لیکن انعام بھی ملا کہا یہ ساٹھ ہزار دینار ہیں بڑے کام آئیں گے دعبل اور یہ عبا بھی کام آئے گی اور لو یہ رومال بھی تمہیں دیتا ہوں یہ بھی کام آئے گا چلے راستے میں چلے تھے کہ ڈاکوؤں نے حملہ کیا پورا قافلہ لٹ گیا دعبل کا بھی سارا سامان لٹ گیا افسوس صرف اس کا تھا کہ امام کا لباس چلا گیا دیناروں کی فکر نہیں تھی اکیلئے چلے جا رہے تھے لُٹے پٹے راستے میں دیکھا کہ گھوڑے پر ایک سوار چلا آ رہا ہے اور ایک شعر پڑھتا جا رہا ہے واقعۂ کربلا پر اور روتا جا رہا ہے دعبل نے اُس کو روک لیا کہا تم کون ہو کہا ہم اس علاقے کے مشہور گروہ ڈاکوؤں کے فلاں آدمی ہیں کہا تو یہ شعر کس کا پڑھ رہے ہو کہا یہ تو دعبل کا شعر ہے، تم کیا جانو دعبل کو، کہا ہم سب جب رات میں بیٹھتے ہیں تو دعبل کے مرثیے پڑھ کر روتے ہیں، کہا دعبل کو پہنچانتے ہو، کہا نہیں کہا میں ہوں دعبل، گھوڑے سے کود پڑا، شعر سناؤ ،وہ والا قصیدہ سناؤ ،وہ مرثیہ سناؤ ،دعبل نے سنانا شروع کیا ،کہا ہاں تم دعبل ہو ،کیا چاہتے ہو، کہا تمہارے ساتھیوں نے جو مال لوٹا ہے، اُس میں امام کا لباس ہے، وہ واپس کروا دو، فوراً گیا سارا مال دعبل کا لیکر اُنھیں واپس کر دیا، قم تک آئے تھے کہ یہاں پہلے ہی اطلاع ہو گی کہ دعبل امام کی عبا لے کر آ رہے ہیں، جدھر جدھر دعبل جاتے تھے لاکھوں کا مجمع پیچھے پیچھے ہر ایک یہ کہتا تھا یہ اتنی دولت لے لو عبا ہمیں دے دو پورا قم پکار رہا تھا دعبل نے کہا کہ کتنی ہی دولت کیوں نہ دے دو یہ لباس نہیں دیں گے

تو لوگوں نے کہا کہ پھر جسم پہ رہنے بھی نہیں دیں گے ایک ٹکڑا بچا ٹکڑے تقسیم ہو گئے ،لوگ اپنی قبروں میں لے جانے کیلئے لے گئے ان ٹکڑوں کے بھی کئی ٹکڑے ہوئے اور ایک ٹکڑا لے کر گھر آئے تو بیٹی جو نابینا تھی اُس نے کہا کہ امام نے اب کے بھی کچھ نہیں دیا جیسے ہی اُس نے کہا کہ امام نے بھی اب بھی کچھ نہیں دیا تو وہ ٹکڑا اُس کی آنکھوں پر رکھ دیا ٹکڑا اہٹا آنکھوں میں روشنی آئی کہا دیکھا کیا دیا، تو نے دیکھا کہ امام کیا عطا کرتے ہیں آنکھوں کو نور دیتے ہیں دل کو روشنی دیتے ہیں دماغ کو فکر دیتے ہیں جانے کے بعد بھی آج تک رزق تقسیم کر رہے ہیں دنیا پوچھتی ہے کہ شہیدوں کو جو رزق ملتا ہے وہ تقسیم کیسے ہوتا ہے یہ وہی رزق ہے جو مجلسوں میں بٹ رہا ہے کانوں کا رزق، آنکھوں کا رزق، دماغ کا رزق، دل کا رزق قلب کا فکر کا رزق، ہر ایک نہیں بانٹ سکتا نہ ہر ایک بانٹ سکتا ہے نہ ہر ایک حاصل کرسکتا ہے جس کے نصیب کا ہے وہی حاصل کرتا ہے اور جہاں بٹا تو اتنی شان سے بٹا کہ ایران میں بٹا اب بانٹتے ہوئے یہ نہیں دیکھا کہ شیعہ ہے یا سنی، شیرازیؔ تم بھی لے جاؤ، سنائیؔ تم بھی لے جاؤ، قاآنیؔ تم کو بھی دیں گے فردوسیؔ تم کو بھی عطا کریں گے اور شمس تبریز تمہیں کیا چاہئے لو تم کو بھی عطا کرتے ہیں بوعلی شاہ قلندر تم کو بھی عطا کرتے ہیں، امیر خسرو تم کو بھی عطا کرتے ہیں، سرمد تمہیں بھی عطا کیا، یہ کوئی تاریخِ شیعیت کے رُکن نہیں ہیں یہ سارے نام جو آرہے ہیں یہ آپ کے عقیدے کے لوگ نہیں ہیں، لیکن جب تعریف کرنے پر آئے تو کلام سامنے رکھ کر دیکھ لیجئے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ فرق نظر نہیں آئے گا مر گئے تو شیعوں نے کہا ہمارے ہیں، سنیوں نے کہا ہمارے ہیں، جب شیرازیؔ مرے شیعہ کہتے تھے شیعہ تھے اور سنی کہتے تھے سنی تھے کلام آج پکار رہا ہے کہ دیکھو کیا تھے ہر ایک چاہتا تھا ہم اپنے طریقے سے دفن کر دیں یہ ہے ادب جب تک جیئے ہر فرقہ نے اپنا مانا دیکھئے کس طرح عزت

دیتے ہیں معصوم کس طرح عزت دیتے ہیں اور وہ ادب امیر خسرو تک آیا تو امیر خسرو کے زندگی کے اتنے پہلو ہیں اتنے گوشے ہیں کہ آپ حیران رہ جائیں گے گاؤں میں نکل جائیں تو پہیلیاں بجھائیں فارسی کہنے پر آئیں تو فارسی میں کہیں عربی کہنے پر آئیں تو عربی میں کہیں پوربی میں کہیں، ہندی کہنے پر آئیں تو ہندی میں کہیں سنسکرت کہنے پر آئیں تو اُس میں کہیں راگ رنگ کی بات ہو تو سب کے راگ خاموش ہو جائیں اتنے پہلو ہیں خسرو کی زندگی کے اردو ادب کا پہلا شاعر امیر خسرو پہلا شاعر بھجن گائے جائیں، بادشاہ کے دربار میں تو پھر اس کا توڑ نہیں تھا مسلمان کے پاس خسرو نے کہا ہم جواب دیں گے تو ایک چیز بنائی اس کا نام رکھا قولِ رسول پانچ قولوں کا انتخاب کیا کہا یہ قول بھجن کا جواب ہے پہلا قول "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ" دیکھئے قول سے لفظ بنا ہے قوالی یعنی وہ قوالی نہیں جو "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ" سے شروع نہ ہو کیوں اب وجہ بتا رہا ہوں کیوں فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے سیدہ شباب اہل الجنۃ یہ حدیثیں چنی تھیں خسرو نے اور بیٹھے تھے لیکر تان پورا کہ ایسا راگ بنائیں دیکھئے بھائی محسن یہاں موجود ہیں اور یہ موسیقی کے ماہر ہیں اِن سے آپ پوچھ سکتے ہیں سات راگ ہوتے ہیں ہر راگ کی راگنیاں ہوتی ہیں اور اُن کی تعداد ستاسی اٹھاسی تک جاتی ہے ایک پرندہ ہے ققنس چھوٹا سا پرندہ ہوتا ہے اس کی منقار میں کئی ہزار سوراخ ہوتے ہیں اور اپنی زندگی میں ایک ہی سوراخ سے ایک ہی آواز نکالتا ہے اور جتنے راگ دنیا میں ہیں ہر سوراخ سے ایک ایک راگ زندگی میں نکالتا ہے سب سے آخر میں جو راگ نکلتا ہے وہ ہے دیپک راگ، جب دیپک راگ وہ گاتا ہے تو آگ اُس پر گرتی ہے وہ جل جاتا ہے اور اسی طرح جلا ہوا راکھ کی صورت میں، شب میں اُسی طرح اپنے گھونسلے میں رکھا رہتا ہے جب پہلی بارش کا پہلا قطرہ اُس راکھ پر پڑتا ہے تو اُس راکھ میں ایک انڈہ

بنتا ہے اُس انڈے سے دوسرا ققنس نکلتا ہے بڑے بڑے موسیقار اُس پرندے کی تلاش میں اس لیئے رہے کہ صرف دیپک راگ مل جائے اور کہتے ہیں کہ اکبر کے نورتن کا ایک رتن تان سین تھا جس نے اُس پرندے کو پایا تھا دیپک راگ پایا تھا کہ گاتا تھا تو پانی میں آگ لگاتا تھا اب جب سوز خوانی کا ذکر ہوگا تو تفصیل اُس میں عرض کروں گا ۔راگنیاں اتنی راگنیاں اور ہندو موسیقی کا ماہر ہے خسرو کیلیئے بڑی مشکل تھی تاروں کو چھیڑا راگ بنانے لگے کئی ہزار راگنیوں میں سے ایک راگنی بنانی ہے تاریخ ادب میں لکھا کہ خسرو نے جب راگ بنایا تو تاروں سے آواز نکلی ''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ''یہی وجہ ہے کہ جب وہ شروع کرتے ہیں تو پہلے ''مَنْ کُنْتُ مَوْلَا'' سے شروع کرتے ہیں وہ راگ جو خسرو نے بنایا، شیعہ ہو یا سنی ہو، شروع یہیں سے کرے گا، آپ نے دیکھا تبلیغ اپنے راستے خود تلاش کرتی ہے تاریخ شیعیت تاروں پر دوڑتی ہے میر انیسؔ نے کہا تھا گھوڑے کیلیئے کہ جس طرح بجلی کی صدا تار پر دوڑے۔صدا اُس وقت سو سال پہلے جب تاروں کا بھی وجود نہیں ہے اور صدا تاروں پر نہیں دوڑی تھی خسرو نے سات سو سال پہلے پیغام کو تار پر دوڑا دیا تو آج تک وہ پیغام ہر محفل میں عام ہے اور اُسے بلاتفریق مذہب وملت ہر ایک سنتا ہے اور آغاز میں ہی سننا پڑتا ہے جس کے رسولؐ مولا اس کے علیؑ مولا، یہی تو اختلافی مسئلہ ہے کہ فرقے بن گئے آج وہی پیغام اس طرح عام ہو کہ سب سنیں کل ڈیڑھ لاکھ سن کر بھول گئے تھے آج کروڑوں سن رہے ہیں کیسے سنوایا ادب نے سنوایا یہ ادب کا احسان ہے امیر خسرو اُردو کے پہلے شاعر ہیں اور قلی قطب شاہ دکن میں اُردو ادب کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ہے پورا دیوان مدحتِ اہل بیتؑ سے بھرا ہوا اُس کے عہد کے مشہور شاعر وجہی اور غواصؔی بیجاپوری، بیجاپور کا حکمراں علی عادل شاہ شاہی تخلص کرتا ہے۔پورا دیوان مدحتِ اہل

بیتؑ سے بھرا ہوا۔ دکن کا دور پورا ادب کا دور ہے اور وہ قدر دانی ادب کی کہ قلی قطب شاہ کے دَور کا مشہور مرثیہ نگار جو سب سے بڑا مرثیہ نگار ہے مرزا تخلص کرتا ہے عاشور کے دن اُسے قتل کر دیا جائے تو تاریخ ادب میں یہ ہے کہ قطب شاہ نے علم اور تعزیوں کا جلوس اُس کے گھر کی طرف مڑوا دیا اور کہا اس کے گھر کی طرف سے جلوس جائے گا آگے آگے تعزیئے تھے، سب سے پیچھے مرزا کا جنازہ تھا تاریخ نے لکھا کیا احترام ہے کیا ادب ہے کیا عزت ہے مدّاحِ حسینؑ کی اگر سب کچھ بیان کروں تو بڑا وقت ہو جائے گا لیکن یہ عزت مل رہی تھی اس لیئے شاعر یہ جانتا تھا کہ ہم کائنات کی فطرت کی ہر شے کی مدح کر دیں لیکن ہمیں تو قیر نہیں ملے گی جب تک اس دربار میں سر نہیں جھکائیں گے ہر ایک جانتا تھا وہ دور جب آبرو اور یکرنگ شمالی ہند میں محمد علی شاہ کا دور ہے اور وہ دور بھی بیتا سودا اور میر تقی میر کا دور آیا۔ یعنی آج سے ڈھائی سو سال پہلے میں جلدی جلدی آگے نکلتا جا رہا ہوں۔ سودا نعمت خان عالی کے نواسے ہیں کون نعمت خان عالی اورنگزیب کا وزیر اعظم تاریخ یہ ہے کہ ہر بادشاہ نے مجبوراً اپنا وزیر اعظم ہمیشہ شیعہ کو بنایا عجیب تاریخ ہے یہ یعنی جہاں بھی آپ دیکھیں گے بنی عباسیوں کے سارے وزیر اعظیم علقمی تک ہندوستان میں جب اورنگزیب کا دور ختم ہوا تو ساداتِ بارہہ آگئے پھر اُنہیں کا دور چلتا رہا وزارتوں میں کیوں معلوم تھا بادشاہ کو کہ حکومت بادشاہ کا دماغ نہیں چلاتا وزیر کا دماغ چلاتا ہے اور دماغ صرف ایک کے پاس ہوتا ہے محاورے ہیں بھئی سمجھنا آپ کا کام ہے نعمت خان عالی کیا ظلم ہے کیا جبر ہے کیا پابندیاں ہیں وہ وزیر ہے اُسے کون روکے گا اُس نے کہا کہ نوروز کا جشن ہو رہا ہے تمہارے یہاں جشن ہوتا ہے جو اکبر نے ایجاد کیا ہے ہم مولا علیؑ کی نیاز دیتے ہیں۔ دیکھئے وزیر ہے اب بادشاہ کو تو آنا پڑے گا، وزیر کے ہاں نیاز میں سارے وزراء آئے تخت پہ نیاز سجی رکھی تھی کہا بھئی

خصوصیت کیا ہے نعمت خان عالی اورنگزیب نے پوچھا کہا خصوصیت یہ ہے کہ جب ہم نیاز دیتے ہیں تو مولا علیؑ کا پنجہ اس پہ بن جاتا ہے، نیاز قبول ہو جاتی ہے نیاز ہوئی پنجے کا نشان اُبھرا کہا ہاں بھئی اب بتایئے سب سٹ پٹا گئے ہوں گے جو اورنگزیب کو ورغلائے ہوئے تھے اُن کا کیا عالم ہوگا انھوں نے کہا کہ ہمارے یہاں بھی ایسا ہوتا ہے آپ جس کی چاہے نیاز میں آجایئے کتنے پنجے آپ کو دکھادیں اب یہ نہیں اندازہ ہے کہ جہاں پنجے کو بدعت سمجھا جائے وہاں پنجہ بنے گا کیسے یہ نہیں سوچا جہاں پنجے کو احترام سے دیکھا جائے گا پنجہ وہیں بنے گا نا اُنھوں نے کہا اچھا ہم آئیں گے اب نعمت خان عالی کو تو معلوم ہے وزیر ہیں کہ کہاں نیاز ہوگی تو وہاں پہلے سے وہ کتیا چھانٹ کر لائے جس کے بہت سے بچے تھے اب آپ کو معلوم ہے نا جتنے نام آتے ہیں اُن میں ایک نام کا ترجمہ وہ بھی ہے پہلے سے بٹھا دیا لاکر، نیاز کیلئے اندر گئے تو نظر اُس پر پڑی اور نگزیب نے کہا یہ کیا ہے نعمت خان عالی نے کہا خود بھی آئے ہیں مع اہل وعیال آئے ہیں۔شام سے آئے ہیں، مع اہل وعیال آئے ہیں، یہ ہے تاریخ ادب کا حصہ تو وزیر جہاں اس دماغ سے کام کرلے تو پورا ملک شاہی کچھ بھی ہو ادب کیا پکارے گا ادب کیا کہے گا شاعر کو معلوم ہے۔ایسی شخصیت کے نواسے ہیں سوداؔ کسی پر غصہ آجائے تو بس اتنا کہہ دیں کہ میرا قلم دان لانا تو پورا دہلی تھرا جائے کہ اگر سوداؔ کا قلم دان آگیا نوکر کا نام تھا غنچہ کسی سے ناراض ہوئے تو فوراً پکارتے تھے غنچہ ذرا میرا قلم دان لانا بس قلم دان چلا اور وہ معافی مانگنے آگیا کہ معاف کردیجئے قلم ہاتھ میں نہ لیجئے گا کیوں غزل تو کہتے تھے مرثیہ تو کہتے تھے مثنوی کہتے تھے ایک ایسی چیز کی ایجاد کی جو سوداؔ کی ایجاد ہے پتہ ہے کیا چیز ہجونگاری جسے آپ اصطلاع میں آپ ہجو بولتے ہیں ہجو نہیں ہے، ح، ج، و ہجونگاری تو ہجونگاری جو تھی وہ سوداؔ کی ایجاد تھی تو بس ڈرتے اس لیئے تھے دہلی والے کے اگر

ناراض ہو گئے ہیں اور قلم آ گیا تو پورے دہلی میں گائی جانے لگے گی ہجو ہر آدمی اس بدنامی سے ڈرتا تھا کسی نے کہہ دیا کہ جو یزید تھا وہ حق پر تھا اُس دور کے ایک مشہور مولوی نے کہہ دیا بس سننا تھا کہا لاؤ قلم دان تو یہاں سے شروع کیا تھا تمہاری فقہ میں تو کوّا حلال ہے اب جو ہجو شروع کی تو اب سوچئے گا کہ شام تک دہلی میں کیا عالم ہوا اُس مولوی کا تو وہ شاعر ہے سوؔدا کہ جس کا ادب تمکنت اور وقار اُردو ادب کو عطا کرے اور اُسی دور میں ایک ایسا بھی شاعر جو بڑا مسکین ہے بڑا معصوم ہے لیکن بڑی بڑی شاہیاں گھٹنے ٹیک دیتی ہیں اس کے کردار کے آگے آصف الدولہ نے دہلی سے بلایا آئے دربار میں آئے بڑی توقیر، بڑی عزت، لیکن اتفاق سے ایک دن غزل سنانے لگے میر تقی میرؔ اور یہ حوض کی مچھلیوں سے کھیلنے لگے تو میر نے کہا کہ آپ تو مچھلیوں سے کھیل رہے ہیں غزل نہیں سنیں گے کہا جو شعر مخاطب کرنے والا ہوگا تو ہم اپنے آپ مخاطب ہو جائیں گے غزل لپیٹی اور چلے آئے تو دربار میں نہیں گئے دیکھئے یہ ہے وقار پھر اتنے بڑے بادشاہ کے دربار میں نہیں گئے، سواری نکلی مسجدِ تحسین کی سیڑھیوں پر بیٹھے تھے انشا نے کہا میرؔ بیٹھے ہیں سواری روکی گئی، بادشاہ نے کہا میرؔ صاحب آپ تو ایسے ناراض ہوئے کہ لوٹ کر نہ آئے، کہا شارع عام پر باتیں کرنا شرفاء کا طریقہ نہیں ہے۔ شاہی کو ادب جواب دے رہا ہے، تو پوری زندگی گئے نہیں دربار میں، حد یہ ہے کہ دوست نے جس مکان میں لے جا کر رکھا وہ پائیں باغ میں کمرہ تھا۔ مہینوں گزر گئے تو ایک دن دوست نے آکر کہا کبھی کھڑکی کھول کر دیکھا کتنا خوبصورت باغ ہے کہنے لگے اس باغ سے فرصت نہیں جو مدحتِ آلِ محمدؐ کا باغ ہے، وہ باغ کیا دیکھوں، اِس باغ کو کون دیکھے فرصت کہاں ہے چھ دیوان لاکھوں شعر غزل کو آبرو عطا کی، شہنشاہِ غزل بن گئے۔ اُردو ادب میں میرؔ سے بڑا غزل گو اب تک پیدا نہیں ہوا ڈھائی سو سال میں سر مار مار کر لوگ

حیران ہو گئے میرؔ کی سطح کو نہ پا سکے اب تک میرؔ کی غزل گوئی تک کوئی پہنچ نہیں سکا اور وہ غزلیں کہ کسی بھی مذہب وملت کا ہو میرؔ کو پڑھنے پر مجبور ہے درس میں شامل اور صرف یہاں کے درس میں نہیں برصغیر میں نہیں بلکہ جہاں جہاں اس وقت اُردو پہنچ چکی ہے اٹلی میں، امریکہ میں بعض یونیورسٹیز میں، جاپان میں، ترکی میں جہاں جہاں اُردو پڑھائی جا رہی ہے وہاں میرؔ پڑھائے جاتے ہیں میرؔ پڑھائے جائیں اور میرؔ یہ بتائے جائیں کہ تمہیں یہ پڑھنا پڑے گا اس لیئے کہ یہ زبان بنائی ہے اور جب زبان بنائی ہے تو مدد اُن سے مانگی ہے جب مدد اُن سے مانگی ہے تو حق نمک ادا کیا ہے تو اب جب دیوان کو شروع کریں گے تو یہاں سے شروع کریں گے پہلی غزل یہ ہوگی۔ (شعر)

تجھے بھی یار اپنا یوں تو ہم ہر بار کہتے ہیں   وے کم ہیں وے لوگ جن کو یار کہتے ہیں

اب یہ یار کا مسئلہ ڈھائی سو سال پہلے ادب میں میرؔ نے صاف کر دیا اب عید میلاد النبیؐ آ رہا ہے اس لفظ کے استعمال کا میر تقی میرؔ نے اپنی غزل میں صاف بات کی کہ اُردو ادب میں یار کسے کہتے ہیں۔

تجھے بھی یار اپنا یوں تو ہم ہر بار کہتے ہیں   وے کم ہیں وے لوگ جن کو یار کہتے ہیں

عجب ہوتے ہیں یہ شاعر بھی ہم اُس فرقے کے عاشق ہیں   جو بے دھڑک کے بھری محفل میں یہ اسرار کہتے ہیں

سگِ کو میرؔ ہم اُس شیرِ حق کے ہیں
جس کو سب نبی کا خویش بھائی حیدرِ کرار کہتے ہیں

دوسرا دیوان، اب دوسرے دیوان کو شروع کیا:

جو معتقد نہیں ہے علیؑ کے کمال کا   ہر بال اُس کے تن کا ہے موجب وبال کا

عزت علیؑ کی قدر علیؑ کی بہت ہے دور   مورد ہے ذوالجلال کے عز وجلال کا

پایا نبیؐ نے جا کے علیؑ کو کچھ اُس جگہ   جس جا نہ تھا لگاؤ گمان و خیال کا

فکرِ نجات میرؔ کو کیا مدح خواں ہے وہ اولاد کا علیؑ کی محمدؐ کی آل کا

تیسرا دیوان ہے "گفتگو باغِ فدک جڑ فساد کی" یہ غزلوں میں باتیں ہورہی ہیں یہ بین الاقوامی غزلیں ہیں قصیدہ اور ہے رباعی اور ہے مثنوی اور ہے غزل میں یہ باتیں کررہے ہیں میرؔ حیران کررہے ہیں۔

ہے گفتگوئے باغِ فدک جڑ فساد کی جانے ہے جس کو علم ہے دیں کے اصول کا

اصولی بحث غزل میں ہورہی ہے۔

ہے گفتگوئے باغِ فدک جڑ فساد کی جانے ہے جس کو علم ہے دیں کے اصول کا

دعویٰ تو حق شناسی کا ہوئے تو اسقدر پھر جان بوجھ کر یہ حق تلف بتولؑ کا

اگر حق شناسی ہوتی تو بتولؑ کی حق تلفی نہ ہوتی۔

وہ مقتدائے خلق جہاں اب نہیں ہوا پہلے ہی تھا امام نفوس و عقول کا

تاریخ پکارے ہم نے بنایا تو بنا، نہیں ادب پکارے جب اللہ نے نفسوں کو خلق کیا عقلوں کو خلق کیا تب اس کو امام بنایا تھا۔ اوّل و ماخلق اللّٰہ عقل (ترجمہ) وہی تھا عقل اوّل وہ عقلوں کا امام تھا۔

وہ مقتدائے خلق جہاں اب نہیں ہوا پہلے ہی تھا امام نفوس و عقول کا

ہے متحد نبیؐ و علیؑ و وصی کی ذات یاں قول مستند نہیں ہر بوالفضول کا

غور کریں غزلوں میں میر تقی میرؔ یہ گفتگو کریں:

سہل ہے میر کا سمجھنا کیا ہر سخن اُس کا ایک مقام سے ہے

سر خوش انجام والے ہی ہیں جن کو اقتداء اولین امام سے ہے

عقیدت دیکھئے اوّلین امام سے ہے، ورنہ دنیا کی جو امامت ہے وہ میرؔ کی نظر میں بس اتنی ہی تھی۔

مسجد میں ہوا آ کے امام آج کہاں سے کل تک تو یہی میرؔ خرابات نشیں تھا

وہ امامت اور ہے یہ امامت اور ہے اور غزلوں میں:

یہ خال و خط یہ نگاہیں یہ آفتیں کچھ ایک بلا یہ زلفِ پریشان ہی نہیں

دیکھئے شعر ہے غزل کا اور مطلع جو دیا مزاج دیکھئے کہا ہے شعر کا یہاں خال و خط یہ نگاہیں یہ آفتیں کچھ ایک بلا یہ زلفِ پریشان ہی نہیں غزل کا مزاج یہ ہے آپ حیران ہو جائیں گے مطلع کیا دیا۔

جو حیدری نہیں اُسے ایمان ہی نہیں

دیکھئے غزل کا شعر وہ ہے اور مطلع یہ ہے یہاں سے غزل شروع ہو رہی ہے اور دوسرا ایسا کہہ دیا کہ تاریخ لکھی ہے اب تک کی اس عہد میں مصرع پڑھئے اور حیران رہ جائیں کب کی باتیں کہاں کہہ دیں۔

جو حیدری نہیں اُسے ایمان ہی نہیں وہ ہو شریفِ مکہ پر مسلمان ہی نہیں

شریفِ مکہ آئے تھے ذوالفقار علی بھٹو نے بلایا تھا دیکھا ہوگا آپ نے بھی اُن کو کہ شریف مکہ کسے کہتے ہیں کہ اگر حملہ ہو جائے خانہ کعبہ پہ تو عباپلیٹ کے فرار ہو گئے سے، میرؔ کب کہہ گئے ڈھائی سو سال پہلے:

جو حیدری نہیں اُسے ایمان ہی نہیں

وہ ہو شریفِ مکہ پر مسلمان ہی نہیں

یہ ہیں اُردو ادب کے سب سے بڑے غزل گو شاعر میر تقی میرؔ جن کا دیوان شیعہ بھی پڑھے سنی بھی پڑھے تو وہابی بھی پڑھے، اہلِ حدیث بھی بچ کے کہاں جائے گا اور جسے میرؔ سے محبت ہے، اُردو زبان سے محبت ہے، وہ میرؔ کو پڑھے بغیر زبان نہیں سیکھ سکتا زبان نہیں آ سکتی اُسے یہ میرؔ ہیں ہٹایئے اگر کہئے کہ شیعہ ہو گئے ہوں گے تو غالبؔ کو کیا

کہیں گے آپ اور میرؔ اگر اودھ آ گئے تھے اور معاشرہ وہی تھا تو غالبؔ تو کبھی دہلی سے نکلے ہی نہیں تھوڑی دور کلکتے چلے گئے چند دنوں کیلئے ساری زندگی دہلی میں گزاری میرؔ تو لکھنؤ میں مرے شاید بادشاہ کے زیرِ اثر آ گئے ہوں خیال آ جائے غالبؔ کسی کے زیرِ اثر تھے اس لیئے کہ پورا شہر غالبؔ کا ہم عقیدہ نہیں ہے کہیں سے آواز آتی ہے غالبؔ کیا تم نصیری ہو۔ ایسے ایسے خط غالبؔ کے پاس آئے ہیں لیکن یہ غالبؔ کا کمال تھا کہ کبھی نہ غیض میں آئے نہ کبھی غصے میں آئے کہا اچھا ہوا پوچھ لیا عقیدے کے اظہار کا موقع تو مل گیا تاریخ ادب تو ترتیب پا گئی اُس وقت خط لکھنے والوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ غالبؔ کے خطوط کورس میں شامل ہو جائیں گے۔ خطوطِ غالبؔ اردو ادب کا حصہ بن جائیں گے، حمزہ خان نے علاؤالدین سے لکھوایا کہ میری طرف سے لکھ دیجئے غالبؔ کو کہ اب بوڑھے ہو گئے ہو اب تو شراب چھوڑ دو حق پہ آ جاؤ ایک سطر قیامت ہو گئی جواب لکھا کہ حمزہ خان سے کہہ دو۔ سنئے گا بھئی غور سے، یہ خط غالبؔ کا کورس میں شامل ہے، لاہور سے قسط وار خطوط غالبؔ نامعلوم کتنے ایڈیشن چھپ چکے ہیں ایم۔ اے کورس میں تو غالبؔ کے سارے خطوط پڑھائے جاتے ہیں چند خطوط میٹرک (matric) میں اور انٹر (Inter) میں پڑھائے جاتے ہیں اور یہ حمزہ خان کے جواب میں خط بھی شامل ہے کورس میں پڑھ سکتے ہیں آپ کتابوں میں خطوطِ غالبؔ میں حمزہ خان دہلی کے بنیوں اور لونڈوں کو جمع کر کے مسجد میں مسائلِ حیض و نفاس میں غوطے مارنا اور ہے ولائے آلِ محمدؐ اور ہے، حمزہ خان سنو تم نے کیا چھیڑ دیا، ہم سے تم کیا بات کرو گے اور ہمیں تم کیا نصیحت وعظ کرو گے سنو ہم علیؑ کو پہلا امام مانتے ہیں اور اس کے بعدِ ثم حسن اور ثم حسینؑ تا مہدیؑ بارہ امام کو مانتے ہیں اور نبیؐ کو معصوم جانتے ہیں امام کو بھی معصوم جانتے ہیں اور عجیب آخری جملہ لکھوایا آخری جملہ بڑا عجیب جملہ ہے۔ شاید میرے

گناہوں کے بارے میرا معبود ان عقائد کے باوجود مجھے دوزخ میں ڈال دے تو میں خوش ہوں گا اس لیئے کہ میں وہاں دوزخ کی آگ کا ایک کندہ بن کر آگ کو اور بھڑکاؤں گا تا کہ دشمنِ اہلِ بیتؑ اور جلے۔ وہاں بھی خدمتِ ولائے آل کروں گا، اگر جہنم میں چلا گیا، کون لکھے گا اس جرأت کے ساتھ کہ ہم ادب کا حصّہ بن رہے ہیں ہمیں یہ پرواہ نہیں ہے، مشاعرے میں کون کون بیٹھے ہوئے ہیں، بادشاہ کیا کہتا ہے، یہ شعراء جو بیٹھے ہوئے ہیں، یہ مومن خاں مومن بیٹھے ہوئے ہیں، جنہوں نے سیّد احمد کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کون سیّد احمد، سید احمد جنہوں نے انگریزوں سے جنگ کی اور ہندوستان میں وہابیت کے بانی ہیں سید احمد عبدالوہاب کی فکر لے کر عرب سے آئے تھے افغانستان سے جنگ چھیڑی تھی لڑتے ہوئے انگریزوں سے مارے گئے امام کہلاتے تھے مومن خاں مومنؔ اُن کے ہاتھ پر بیعت تھے وہابی تھے مومن خاں مومن لیکن غالبؔ نے یہ نہیں دیکھا کہ مومن بیٹھے ہیں حسرتی بیٹھے ہوئے ہیں یہ علائی بیٹھے ہیں یہ شیفتہ بیٹھے ہیں یہ سب ہمارے ہم عقیدہ نہیں ہیں نہ ہوں تو سہی جو ہمارے عقیدے کی بات مومنؔ بھی نہ کرنے لگے تمہارے جیسے نہیں بنیں گے تمہیں اپنا جیسا بنالیں گے۔ یہ ہے مداحِ آلِ محمدؐ کا کردار تم سب کو ایک دن اپنا جیسا بنالیں گے تو بیعت تو کی تھی مومنؔ نے لیکن غالبؔ نے آواز دی کہ مومنؔ ایک دن ہمارا جیسا بننا پڑے گا مجبور ہو گئے مومن خاں مومنؔ یہ کہنے پر اپنے دیوان میں۔

گمراہ نے کس راہ سے بیعت چاہی ۔۔۔ مردک نے شہنشاہ سے بیعت چاہی

خدا کی قسم ہمارے کسی شاعر نے کبھی شعر میں گالی نہیں استعمال کی نہ غالبؔ نے نہ میرؔ نے نہ میر حسنؔ نے، نہ سوداؔ نے، نہ انشاؔ نے، نہ مصحفیؔ نے، نہ جرأتؔ نے، نہ انیسؔ نے، نہ دبیرؔ نے، نہ عزیزؔ نے نہ آرزوؔ نے نہ صفیؔ نے کسی نے نہیں آپ کو پورے دیوان

میں کوئی لفظ گالی کا نہیں ملے گا، مومن خاں مومنؔ ایسے سرشار ہو گئے کہ دشمنِ اہلِ بیتؑ کے لیئے یہ لفظ فارسی کا استعمال کیا مردک لغت دیکھو تو پتہ چلے کہ مردک کے معنی کیا ہیں، قدرت نے چاہا کہ اُس کی زبان سے یہ لفظ آئے، مردک نے شہنشاہ سے بیعت چاہی، گمراہ نے کس راہ سے بیعت چاہی، صنعت دیکھیئے گا، صنعت دیکھتے جایئے، گمراہ گُم کو ہٹایئے تو راہ بن جائے گا گمراہ نے کس راہ سے بیعت چاہی اور چوتھے مصرعے تک یہ صفت چل رہی ہے اور اس کے بعد پورے سورہ کا استعمال اس منزل پر کیا مومن نے "تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ" اس کے ہاتھ ٹوٹ جائیں دیکھیئے پہلے مصرعے میں گالی استعمال کی مومن خاں مومنؔ نے جو وہابی ہیں، تیسرے مصرعے میں کونسا استعمال کیا، ہاتھ ٹوٹیں تو اللہ نے کوسا ہے نا کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں، اس کو کہاں پر ہاتھ کے ساتھ استعمال کیا "تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ" اس کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور مومن کیا کہتے ہیں:

مردک نے شہنشاہ سے بیعت چاہی
گمراہ نے کس راہ سے بیعت چاہی
مصداق ہوا معنئ تَبَّتْ کا یزید

اب کمال شاعر کا یہ ہے ہاتھ کو لایا ہے تو چوتھے مصرے میں اگر وہاں دشمن کا ہاتھ ہے تو یہاں ممدوح کا ہاتھ ہونا چاہیئے دوسری آیت قرآن کی اٹھائی کہ اللہ کا ہاتھ نبی کے ہاتھ پر ہے یہ بیعت کر رہے ہیں رسولؐ تمہاری نہیں اللہ کی بیعت کر رہے ہیں مومن کی نظر کہاں تک پہنچی:

مصداق ہوا معنئ تَبَّتْ یَدَآ کا یزید
فرزندِ یدِ اللہ سے بیعت چاہی

اللہ کے ہاتھ سے بیعت طلب کر رہا تھا اس لیئے قرآن آواز دے رہا تھا اُس کے ہاتھ ٹوٹ جائیں جب مومن ایسا ہے تو اب غالبؔ کیسا ہوگا جب مومن خاں مومنؔ مدح کرنے پر آئیں تو شمشیر برہنہ بن جائیں ادب میں تو پھر غالبؔ کیسے ہوں گے اور بارہا پڑھا ہے پھر عرض کر دوں کہ دیوان میں رباعی رکھ دی پبلشر نے کہا نہیں چھپے گا دیوان یہ رباعی نکال دو، کہا چھپے یا نہ چھپے رباعی دیوان میں ہی رہے گی، وہ دن آج کا دن دیوان سے ان اشعار کو خارج نہ کیا جا سکا۔

شرط است کہ بہرِ ضبطِ آداب رسوم

دین میں اچھی باتوں کو قائم رکھنے کیلیئے رسموں کو آداب کو، تہذیب کو، قائم رکھنے کیلیئے ایک شرط ہے اسلام میں، صرف ایک شرط بزرگوں کا ورثہ رہ جائے، شرط پوری کرو،

شرط است کہ بہرِ ضبطِ آداب رسوم
خیزد بعد از نبی امامِ معصوم

آداب و رسوم کی شرط یہ ہے کہ اگر چاہتے ہو ادب رہ جائے، دین رہ جائے، رسومات رہ جائیں، تو ضروری ہے کہ نبی کے بعد امام معصوم آئے۔ کیسی شرط لگادی لیکن دعویٰ کی دلیل بھی پیش کر دی، قرآن سے جب مومن خاں مومنؔ اپنی دلیل قرآن سے لاسکتے ہیں تو غالبؔ اپنی دلیل قرآن سے کیوں نہ لاتے، قرآن سے آیت اٹھائی ترجمہ کیا:

زِ اجماع چہ پرسی با علیؑ باز گر آئی

اگر علیؑ کے دربار میں آنا ہے تو اجماع کی باتیں نہ کرو الیکشن ہو گیا تھا وہ جیت گئے تھے اس لیئے علیؑ کو نہیں مانا یہاں الیکشن نہیں ہوتا ووٹنگ نہیں ہوتی یہاں اجماع نہیں ہوتا

یہاں:

زِ اجماع چہ پرسی باعلی بازگر آئی

مہ جائے نشینِ مہر باشد نہ نجوم

یہاں عالم یہ ہے جب آفتاب ڈوب جاتا ہے تو چاند آتا ہے سورج کا جانشین بن کر اور تارے سورج کے جانشین نہیں بنتے۔ میرے اصحاب تاروں کی مانند ہیں جس کی تقلید کرو گے راہِ مستقیم پا جاؤ گے نہیں سورج کا جانشین کوئی ستارہ آج تک نہیں بنا آفتاب جائے تو وہیں سے چاند طلوع ہو جائے بلافصل آتا ہے چاند سورج کے پیچھے تو یہی تو قرآن نے کہا تھا: "وَالشَّمْسِ وَضُحٰھَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰھَا" قسم ہے سورج کی جب وہ روشن ہو اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے پیچھے آئے۔ یہ رسالت ہے وہ امامت ہے ستارے جانشین نہیں بنتے یہ غالبؔ کی آواز تھی اور اب جو نسخہ حمیدیہ جو امروہے سے دریافت ہوا اور امروہے سے آکر دہلی میں بھی چھپا اور دہلی سے آکر لاہور میں بھی چھپا اور لاہور میں طفیل محمد نے جو "نقوش" کے ایڈیٹر تھے مرحوم نے غالبؔ نمبر نکالا تو بہت خوبصورت کافی ضخیم نسخۂ حمیدیہ شائع کیا وہ جب منظرِ عام پر آیا تو پتہ چلا جانے کیا کیا اردو دیوان سے نکال دیا گیا، وہ سب مل گیا امروہہ میں اور وہ نسخۂ امروہہ کہلاتا ہے، ہندوستان میں نسخۂ امروہہ سے پڑھ رہا ہوں:

لغزشِ پا کو ہے بلد، نغمۂ یا علیؑ مدد

عجیب شعر کہا غالبؔ نے دیوان میں نہیں ہے، نسخۂ امروہہ سے پڑھ رہا ہوں

لغزشِ پا کو ہے بلد، نغمۂ یا علیؑ مدد

اِدھر قدم لڑکھڑائے زمین نے قدم تھام لئے اس لیئے کہ زبان پہ یا علیؑ مدد آ گیا تو جب لغزشِ پا ہو تو یا علیؑ کا نغمہ قدموں کو سنبھال لیتا ہے یہ تو ہے پہلا مصرع:

لغزشِ پا کو ہے بلد ، نعرۂ یا علیؑ
گر ٹوٹے آئینہ اسد سبحہ کو خوں بہا سمجھ

اب یہ غالبؔ کا کلام ہے، جانے کیا کہہ دیا کہ اگر دل کا آئینہ ٹوٹ جائے تو کیا کریں قدم کانپیں گے تو یا علیؑ پکاریں قدم سنبھل جائیں اور اگر شیشہ دل کا چکنا چور ہو جائے تو اب دل کیسے جڑے قدم سنبھالنا آسان ہے دل کی کرچیوں کو جوڑنا مشکل ہے غالبؔ نے نسخہ بتایا ''گر ٹوٹے آئینہ اسد سبحہ کو خوں بہا سمجھ'' اُس کا خون بہا اگر دینا ہے تو تسبیحِ فاطمہؑ پڑھ دل نہیں ٹوٹ سکتا ہے اور اگر ٹوٹ جائے تو جڑ جاتا ہے ''اللہ اکبر، الحمد اللہ، سبحان اللہ'' اسی لیے عبادت میں شامل کر دیا، قلوب کو بچا لیا تسبیحِ فاطمہؑ دیکر قدموں کی لغزش کو بچا لیا یا علیؑ مدد دے کر ادب کی بات چھیڑی جائے تو جانے کیا کیا ہے جواب تک منظر عام پر نہیں آسکا اس لیئے کہ آپ کی مجلسیں ادبی نہ رہیں تبرّوں کا مرکز بن گئیں مناظروں کا مرکز بن گئیں اگر ادب کے دائرے میں گفتگو ہوتی تو کل یہی وجہ تھی کہ صدیوں پہلے مجلسوں میں ہندو بھی آئے سنی بھی آئے ڈپٹی نذیر احمد یہ کہیں کہ صبح کو نکلا الہ آباد میں تو دیکھا بازار بند ہو گئے عدالت بند ہو گئی کیا ماجرا ہے آج چھٹی کا دن تو نہیں تو کسی نے کہا کہ آپ کو نہیں معلوم میر انیسؔ الہ آباد آئے ہوئے ہیں حیدر آباد دکن سے واپس آرہے تھے تو یہاں روک لیا ہے نواب نے مجلس پڑھیں گے ڈپٹی نذیر احمد مورخ ادب ہیں وہ لکھتے ہیں، میر انیسؔ آئیں تو پورا شہر بند ہو جائے اور جدھر مجمع جا رہا ہے جب پوچھیں کدھر جا رہے ہو میرؔ صاحب کو سننے جا رہے ہیں جانے والوں میں قید نہیں ہے شیعہ ہیں سنی ہیں ہندو ہیں بس جانا ہے اور ان کو سننا ہے ادب کی راہ سے بلایا کربلا پہنچا دیا۔ ادب کی راہ سے بلایا امامت کی طرف پہنچا دیا عقائد کی طرف پہنچا دیا کس کس شان سے پہنچایا معراج جسمانی تھی یا روحانی مرثیے میں بتائیں

گے اس طرح بتائیں گے اس شان سے بتائیں گے۔

معراج سے جو شہ کو ملا رُتبۂ اعلیٰ یہ پایہ کسی اور پیمبر نے نہ پایا

اب اس میں روحانی کی کیا گنجائش ہے واضح کر رہی ہے بات

معراج سے جو شہ کو ملا رتبۂ اعلیٰ یہ پایہ کسی اور پیمبر نے نہ پایا

اللہ سے جو قربِ نبیؐ تھا وہ کہوں کیا قوسین کا ہے فرق جہاں رتبۂ ادنیٰ

جبریلِ امیں کو بھی نہ واں دخل کی جا تھی

یا احمدِؐ مختار تھے یا ذاتِ خدا تھی

آیت پڑھیے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی O فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی O فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ...... بلند ترین مقام جو تھا ادنیٰ وہاں پہنچا دیا اردو میں ادنیٰ کہتے ہیں انتہائی ادنیٰ ہے یہ عربی میں بلند اُردو میں ادنیٰ پست کیوں، یعنی نبیؐ جہاں پہنچا وہ کائنات کا سب سے بلند مقام تھا، لیکن جب زیرِ قدم آیا تو نبیؐ کے آگے ادنیٰ ہو گیا کتنی عظیم فکر ہے معراجِ فکر کو دیکھیے:

اللہ سے جو قربِ نبیؐ تھا وہ کہوں کیا قوسین کا ہے فرق جہاں رتبۂ ادنیٰ

جبریلِ امیں کو بھی نہ واں دخل کی جا تھی

یا احمدِؐ مختار تھے یا ذاتِ خدا تھی

منظر کھینچ دیا عظمت بتا دی، جسمانی معراج ثابت کر دی، آیت کا ترجمہ کر دیا، مرثیہ ”لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب“ ہے مرثیہ لیکن کتنے گوشے نکالے خیبر بھی لائے:

لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب بخشا علم رسولِ خدا نے علی کو تب

بات کہاں سے شروع ہو رہی ہے اور یہ جناب زینب کی زبان سے میر انیس

کہلوا رہے ہیں، عونؑ و محمدؑ کو خیبر کی لڑائی سنا رہی ہیں، شبِ عاشور کہاں فضائل نکالے شہزادی کی زبان سے بچوں کے سامنے۔

لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب بخشا علم رسولِؐ خدا نے علیؑ کو تب

مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرِ ربّ دربند کر کے قلعہ کا بھاگی سپاہ سب

اُکھڑا وہ یوں گراں تھا جو درسنگِ سخت سے

جس طرح توڑ لے کوئی پتہ درخت سے

وہ خیبر کے دَر کا وزن، یہ انیسؔ کی سبک رفتاری جس طرح توڑ لے کوئی پتہ درخت سے، وہ معراج یہ خیبر کس کس راہ سے لائے، کدھر کدھر سے لائے، تلوار کی تعریف کی تو تلوار کو کردار بنا دیا، بڑا مشکل ہے بے جان میں روح پھونک دینا لیکن انیسؔ جانتے تھے کہ یہ امام کی تلوار ہے۔ چمکتی بھی ہے اور بولتی بھی ہے گھٹتی بھی ہے بڑھتی بھی ہے۔ زمانے کو کیسے سمجھائیں کہ یہ کربلا کا کردار ہے تو اس طرح کردار بنایا، کبھی پیراک بنایا، کبھی ہوا کی رفتار کا ہمسر کہا، کبھی دلہن بنایا، بڑا مشکل ہے کہ کربلا کی لڑائی میں یہ غزلیت آجائے یہ تغزل کی چاشنی آجائے اور تلوار کو دلہن بنا دیں اور جب دلہن بنائیں تو مجبوری یہ تھی کہ عاشور کے دن دولھا کہاں سے لائیں، یہ انیسؔ کا معجزہ ہے کہ عاشور کے دن کی لڑائی، تلوار دلہن بن گئی، تو دولھا بھی موجود تھا۔

زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اُسے کہنا معشوق بنی سرخ لباس اُس نے جو پہنا

خون میں نہائی ہوئی تلوار معشوق بنی، سرخ لباس اُس نے جو پہنا۔

جوہر تھے کہ پہنے تھی دلہن پھولوں کا گہنا اِس اَوج میں وہ سَر کو جھکائے ہوئے رہنا

تلوار کا خم بھی بتا دیا اور دلہن کی تعریف یہ ہے کہ سر جھکا ہوا ہو تو وہ دلہن ہے کہاں کہاں سے مضمون لائے۔

سیبِ چمنِ خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولہا کی بغل میں

گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے — چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارہ جیسے
روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے — دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے

وہ کمالات دیکھائے انیسؔ نے اور تقریر کو خاتمہ پر لاتے ہوئے اور کل انشاء اللہ یہیں سے عرض کریں گے جو سلسلہ رہ گیا ہے وہیں سے بات شروع ہوگی مدحِ حسینؑ میں آجائیں بڑا مشکل ہے عاشور کے دن مدح لکھنا یہی تو لکھتے ہیں نا کہ تلوار ایسے چل رہی تھی، گھوڑا ایسے دوڑ رہا تھا۔ نہیں بتایا کہ ہم حسینؑ کا سراپا اپنے ادب کا حصّہ بنا دیں گے اور جب شروع کیا یہ حسینؑ کے سر کے بال ہیں، یہ پیشانی ہے، یہ ناک یہ آنکھیں ہیں، یہ رخسار ہیں، یہ ہونٹ ہیں، یہ گلا ہے، یہ سینہ ہے، یہ شکم ہے، یہ پیر ہیں، یہ ثباتِ قدم ہیں، چالیس چالیس بند ایک ایک عضوِ انسانی پر، کمال کیا سائنس بھی بھر دی، نفسیات بھی بھر دی، فلسفہ بھی دے دیا، منطق بھی دے دیا، حسّیات بھی دے دیئے، صوتیات بھی دے دیئے، نا معلوم کتنے علوم کو لا کر ایک جگہ اکٹھا کر دیا یہی تو وجہ ہے کہ آج دنیا کا ہر نقاد یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ کائنات کے ادب میں اتنا علم شاعری سے کسی نے نہیں دیا جس طرح میر انیسؔ نے دیا۔ کون لکھتا ہے حسینؑ کی آنکھوں پر کون تبصرہ کر سکتا تھا یہ انیسؔ کا کمال تھا کہ وہ معرفت بھری آنکھیں وہ نورانی آنکھیں میدان میں آئے تو دو آنکھوں پر لاکھوں کے لشکر کو روکے ہوئے تھے۔ کتنی بہادر تھیں یہ آنکھیں فاطمہؑ کے جانی کی کتنی روشن آنکھیں تھیں، کتنی خوبصورت تھیں آنکھیں، کتنی صفات تھیں کون بتائے گا انیسؔ نے کہا سنو آنکھیں بہت دیکھی ہیں تم نے ہم بتاتے ہیں کہ ہمارے امام کی آنکھیں کیسی تھیں۔

آنکھوں کو کہئے عین تو عین خطا ہے یہ

ترپن صفات حسینؑ کی آنکھوں کی لکھیں اور اکثر کہا ہے میں نے کہ شیکسپیئر نے تیئس صفات آنکھوں کی لکھیں، تیرہ صفات عبدالطیف بھٹائی نے لکھیں، ملٹن نے بائیس بائیس لکھیں، فردوسی نے یعنی تیس سے آگے کوئی نہیں بڑھا میر انیسؔ نے حسینؑ کی آنکھوں کی ترپن صفات بتائیں نو اشعار:

آنکھوں کو کہیے عین تو عینِ خطا ہے یہ پردے نہ کیوں ہوں سات کہ نورِ خدا ہے یہ

آنکھ میں سات پردے ہوتے ہیں آج پتہ چلا ہے کہ سات پردوں میں ہے آنکھ۔

آنکھوں کو کہیے عین تو عینِ خطا ہے یہ پردے نہ کیوں ہوں سات کہ نورِ خدا ہے یہ

سب کو ہے چشم داشت کہ عینِ عطا ہے یہ بیمار خود پہ سب کے مرض کی دوا ہے یہ

سرخوش ہے جام اِن کی جو الفت کا پی گیا

دیکھا نگاہِ لطف سے جس کو وہ جی گیا

دیکھا آپ نے یعنی راہب نے صرف یہی کہا تھا فرزند عطا کر دیجئے رسولؐ نے کہا تھا مقدر میں فرزند نہیں ہے حسینؑ چھوٹے تھے کہا ہم نے بیٹا دیا، جس پر نظرِ لطف پڑ جائے تو سات بیٹے عطا کرتے ہیں، غور کیا بیت دیکھ رہے ہیں آپ:

آنکھوں کو کہیے عین تو عینِ خطا ہے یہ پردے نہ کیوں ہوں سات کہ نورِ خدا ہے یہ

سب کو ہے چشم داشت کہ عینِ عطا ہے یہ بیمار خود پہ سب کے مرض کی دوا ہے یہ

سرخوش ہے جام اِن کی جو الفت کا پی گیا

دیکھا نگاہِ لطف سے جس کو وہ جی گیا

ترپن صفات دیکھئے گا اور انیسؔ کی روانی دیکھئے گا۔

احسان بھی، حیا بھی، مروّت بھی قہر بھی خود موت بھی حیات بھی، امرت بھی زہر بھی

بینا بھی نکتہ سنج بھی دانائے دہر بھی　　تسنیم بھی بہشت بھی کوثر کی نہر بھی

سر شرم سے جھکائے ہے نرگس ریاض میں

جنّت سواد میں یدِ بیضا بیاض میں

آہو شکار و تیر و کماں دار و شیر گیر　　ہشیار و خوش نگاہ و سخن سنج و دل پذیر

خوں ریز و جاں سِتاں وِ دلآ ویز و بے نظیر　　قبضے میں ابروؤں کی کمانیں مژہ کے تیر

جس سادہ دل کو ان کی سیاہی کی یاد ہو

ناخواندہ بھی اگر ہو تو روشن سواد ہو

ذرّہ نواز و زہد نما صاحبِ امتیاز　　طنّاز و شرمگیں و گراں خواب و سرفراز

حق بین و پاکباز و خدا بین و بے نیاز　　بیدار و داغ دیدہ و خونبار و غم طراز

گِرد اس کے پھر یہ کعبۂ ایماں کا طوف ہے

بس اے انیسؔ بس نظرِ بد کا خوف ہے

بس نظرِ بد کا خوف ہے، اگر نظرِ بد کا خوف نہ ہوتا تو قلم کہاں تک چل کر جاتا اور بتا دیا کہ کاغذ پر قلم نہیں چل رہا ہے یہ ہم نقشۂ کربلا دے رہے ہیں ہم بتا رہے ہیں کہ دیکھو پھر سواری آ رہی ہے یہ انیسؔ تھے وہ دبیرؔ تھے کہ دونوں کے قلم نصرت میں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے　　رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے　　ہر قصرِ سلاطینِ زمن کانپ رہا ہے

شمشیر بہ کف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو

جبریلؑ لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

یہ عباسؑ کی لڑائی تھی تو حسینؑ کی لڑائی کیسی لکھی ہوگی، سوچئے آپ اور جب لڑائیاں

ایسی لکھ دیں، آمد ایسی لکھ دی تو رخصت کیسی لکھی ہوگی اور پھر شہادت کیسی لکھی ہوگی:

پیارے نہ تھے حسین علیہ السلام کے لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے
تھرّا رہے تھے پاؤں شہہ تشنہ کام کے سر دوش پر تھا زینبؑ عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن علیؑ اکبر گزر گئے
ہم ایسے سخت جاں ہیں کہ اب تک نہ مر گئے

پُرسا تمہیں شہیدوں کا دینے کو آئے ہیں کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہیں
پیٹے ہیں خاک اڑائی ہے آنسو بہائے ہیں یہ ہم تمہارے لال کے خوں میں نہائے ہیں
سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود میں
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں

سر بارِ دوش ہے ہمیں رخصت کرو بہن اب عنقریب خیمۂ عصمت ہیں تیغ زن
مردے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن پامال ہو نہ لاشۂ فرزندِ صف شکن
محجوب ہم ہیں قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی نہ ہو علیؑ اکبر کی روح سے

یہ سن کے بی بیوں کے جگر پر چھری چلی زینبؑ زمیں پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
سرِ خفی جہاں کے ہیں سب آپ پر جلی جاتا ہے سرکشوں میں یہ کونین کا ولی
بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

یا مصطفیٰؐ بلا میں پھنسا ہے تمہارا لال یا شیر ذوالجلال دکھاؤ انہیں جلال
یا فاطمہؑ میں لٹتی ہوں بکھراؤ سر کے بال یارب اُلٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال
پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا رہوں
بھائی کو اپنے لے کے میں جنگل میں جا رہوں

فرمایا شہؑ نے صبر بہن چاہیے تمہیں　　خالق کی یاد سرّ و علن چاہیے تمہیں

لب پر رضا، رضا کا سخن چاہیئے تمہیں　　جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیئے تمہیں

ہر بار پوچھتے تھے سبب آہِ سرد کا

شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا

دیکھا یہ کہہ کے بالی سکینہؑ کو پاس سے　　لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردوں اساس سے

طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے　　بولی وہ تشنہ کام شہِ حقؑ شناس سے

کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے

صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہؑ نے ہاں یہ سفر نا گزیر ہے　　آؤ گلے لگو کہ یہ صُحبت اخیر ہے

اب آرزوئے قربِ خدائے قدیر ہے　　تنہا ہیں ہم سپاہِ مخالف کثیر ہے

طے ہو یہ مرحلہ جو عنایت خدا کرے

جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

جانا ہے دور شب کو جو آ نا نہ ہو ادھر　　ضد کر کے روئیو نہ ہمیں چاہتی ہو گر

پہلے پہل ہے آج شب فرقت پدر　　سورہیو ماں کی چھاتی پہ غربت سے رکھ کے سر

راحت کے دن گزر گئے یہ فصل اور ہے

اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے

یتیمی کا مفہوم سکینہؑ کو شامِ غریباں کے وقت معلوم ہوا، جب سکینہؑ ایک ایک کو پکار رہی تھی، نہ عباسؑ تھے نہ علی اکبرؑ تھے، نہ حسینؑ تھے۔ منہ پر طمانچے پڑے، گلے میں رسی تھی، کربلا سے کوفہ، کوفے سے شام تک بچی تڑپتی ہوئی گئی، کبھی بابا کو پکارا، کبھی چچا کو پکارا، قید خانے میں ہر رات بابا کو پکارنا، پکارتے پکارتے تھک جاتی چپ ہو جاتی تو

خواب میں آ کر بابا تسلی دیتے ایک رات بابا آئے تو کہا بیٹی بس اب رونے کے دن ختم ہو گئے آؤ سکینہؑ بابا بلا رہا ہے۔اب جو آنکھ کھلی کہا پھپھی اماں بابا ابھی یہاں کھڑے تھے کہا بیٹا بابا کہاں، ابھی پکار رہیں تھیں کہ سرِ حسینؑ ہوا کے دوش پر چلا، قید خانے کا تالا ٹوٹ کر گرا، اور سرِ حسینؑ سکینہؑ کی آغوش میں آیا بچی نے سر پہ سر رکھا۔

سر کی جبیں پہ جبیں اپنی دھر کے رہ گئی
کلمہ پڑھا بلائیں لیں اور مر کے رہ گئی

بارِ الٰہی اس عبادت کو قبول فرما۔

❀❀❀❀

نویں مجلس

تاریخِ شیعیت

......فنِ خطابت اور شیعیت:......

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ساری تعریفیں اللہ کے لئے درود وسلام محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لئے

انجمن رضائے حسینی کی جانب سے الوداعی عشرے کی نویں تقریر آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں، دو تقریریں رہ جاتی ہیں کل کی اور پرسوں کی، پرسوں بعد مجلس شب بیداری انجمن کی جانب سے منعقد ہوگی۔ کل سے ہم چونکہ جناب مختار کے سلسلے کو شروع کریں گے۔ اس لئے ہم چاہتے تھے کہ اس عنوان کی تلخیص آپکے سامنے پیش کر دیں۔ وہ حضرات جو سلسلے سے سنتے رہے مجالس تو اُن کے لئے تو کوئی دِقت کی بات نہیں، لیکن وہ جو درمیان سے شامل ہوئے، ظاہر ہے اُن کے لئے تقریروں کی درمیانی چیزیں دِقت کا باعث بن گئی ہیں تو اُس کے لئے میں نے عرض کیا تھا کہ لکھ کر جو سوالات آئیں گے، صرف اُن کے جوابات دیئے جائیں گے، زبانی گفتگو ضائع جاتی ہے، اُس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، جتنی چاہے بحث کریں آپس میں اور سمجھ میں آئے یا نہ آئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں نے یہ بات بار بار عرض کی ہے کہ شعورِ مجلس میں یہ بات لازمی ہے کہ تقریر جب کبھی بھی سنیں تو جزیات میں نہ اُلجھیں بلکہ یہ دیکھیں کہ اس تقریر کا لُبِ لباب کیا تھا، مقصدِ تقریر کیا تھا، وہ اہم چیز ہے اب جزیات

نہیں، یہی سوچتے رہ جانا کہ دعبل کو ڈاکوؤں کا گروہ مل گیا اور اُس نے دعبل کو لوٹ لیا اور بعد میں اُسی گروہ کا ایک آدمی مرثیے کا ایک شعر بھی پڑھتا چلا جا رہا تھا اور وہاں تھا تو اب اسی میں اُلجھ گئے مقصد یہ نہیں تھا مقصد یہ تھا تقریر کا کہ معصومینؑ نے شاعروں کو کیا عزت بخشی، یہ موضوع نہیں ہے کہ وہ ڈاکو کیوں رو رہا تھا، کیا وہ شیعہ تھا تو کیا ڈاکو بھی شیعہ ہوتے ہیں، اب یہ تو آپ کے دماغ کی کارستانیاں ہیں، میں کیا کروں، یہ تو آپ کی سوچ ہے کہ آپ اُس میں کھو جائیں اور ڈاکو کو سوچنے لگیں، بھئی ڈاکو کیا دنیا کا کوئی بھی انسان محبِ اہل بیت ہوسکتا ہے۔ آپ کسی پہ پابندی تو نہیں لگا سکتے اور یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ شیعہ ہونا بہت مشکل ہے، جن لوگوں نے شروع سے تقریریں سنی ہیں ان کو اندازہ ہوگا کہ یہ بات میں نے پہلے کہہ دی تھی کہ شیعہ کی تعریف اور ہے محب کی تعریف اور ہے، ہر آدمی شیعہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، محب ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے، کہ اُسے ولا ہے، اہل بیتؑ سے محبت ہے تو اگر آپ اس طرح دیکھنے لگ گئے کہ وہ ڈاکو کیوں مرثیہ پڑھ رہا تھا تو کیا آپ نے مارشل لاء (Martial law) لگا رکھا ہے کہ ڈاکو مرثیہ نہیں پڑھ سکتا، کیا پابندی لگائی آپ کے پاس کیا معیار ہے۔ ڈاکٹر اگر ایسی چیز ہے جو انسانیت پر احسان کرتا ہے اور اگر آپ کا کوئی ڈاکٹر ڈاکوؤں کا دوست ہو تو کیا آپ اُس کو شیعیت سے خارج کر دیں گے، نکال دیں گے، آپ نہیں نکال سکتے، اسی طرح ہماری قوم کے جو افراد جو لڑ کے وہ باتیں کر رہے ہیں جو نہیں ہونی چاہئیں تو کیا آپ اُنہیں اپنی قوم سے خارج کر دیں گے، وہ تو کہتے پھریں گے ہم شیعہ ہیں، آپ کسی پر پابندی نہیں لگا سکتے کہ یہ کیوں ہو گیا، ایسا کیوں کر دیا، یہ سب چیزیں سوچ کو محدود کرتی ہیں اور دماغ اتنا کھلا ہوا ہونا چاہئے، فکر اتنی ارتقاء پر ہونی چاہئے کہ جہاں فکر کی پرواز بلندیوں کی جانب ہو، پستی

کی طرف سوچ اور فکر نہ جائے اور ان تقریروں اور مجلسوں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ ذہن کی گرہیں کھلتی جائیں اور علم بڑھتا جائے، ہر آن علم میں اضافہ ہو، یہی وجہ ہے کہ ہمارا دارو مدار دین کا ملت کا منبر سے وابستہ رہا، ہر صدی میں اور جو وقار جو عزت منبر کو تاریخِ شیعیت نے عطا کی وہ اسلام کا کوئی مکتبۂ فکر نہ دے سکا۔ منبر ایجاد ہے تاریخِ شیعیت کی اور آپ کو منبر دنیا میں کہیں نظر نہیں آئے گا، کسی مذہب، کسی ملت کے پاس آپ کو منبر نہیں ملے گا، منبر صرف اور صرف ہو گیا تاریخِ شیعیت کا ایک حصہ، اور منبر کا وجود اُس وقت ہوا کہ جب آدمؑ تخلیق پائے اور پہلا خطبہ عالمِ نور سے خلقت انسانی کے بعد دیا گیا، وہی منبر بیت معمور میں نظر آیا، جب راحیل ملک نے خطبۂ عقدِ علیؑ و زہراؑ پڑھا، عرشِ اعظم پر تو اُس وقت منبر عالمِ نور میں نظر آیا، وہاں عالمِ نور میں راحیل خطبہ پڑھ رہا تھا، مسجدِ نبویؐ میں رسولؐ عقد کا خطبہ پڑھ رہے تھے، ایک منبر یہاں تھا، ایک منبر وہاں تھا۔ جو منبر رسولؐ کے لئے بنا، اُس کی خصوصیت یہ تھی کہ چار زینے تھے، آخری زینے کو عرشہ بولتے ہیں، عرشہ ذرا چوڑا ہوتا ہے تو عرشے پہ بیٹھنا ذاکر کے لئے منع ہے، یعنی آخری زینے پہ، یہ آدابِ منبر ہیں کہ فنِ خطابت میں ان چیزوں کا بھی خیال رکھا جاتا ہے، یہ بڑی اہم باتیں ہیں تو رسولؐ عرشے پر بیٹھتے تھے، اُس کے بعد سلسلہ جب شروع ہوا تو ایک زینہ چھوڑا، پھر کوئی اور آیا ایک اور چھوڑا پھر کوئی اور آیا اُس نے ایک زینہ چھوڑا، زینہ کیا چھوڑا بلکہ زینہ ہی ختم ہو گیا تو دری بچھا کے زمین پر بیٹھنے لگے، اب جب علیؑ آئے تو انتظار تھا، پچیس برس سے کہ اب جو آئے گا وہ کہاں بیٹھے گا، تو اب ظاہر ہے جن کے ذہن پست تھے جو اپنی سوچ کو زمین کی گہرائیوں میں لے جانے کے عادی تھے، وہ تو یہی سوچ رہے ہوں گے کہ گڑھا کھدے گا، اُس کے نیچے بیٹھیں گے، زینے تو ختم ہو چکے تھے، زمین پر تو بیٹھ ہی

رہے تھے، کمبل نمدہ بچھا کے تو اُن کی سوچیں یہی تھیں کہ اب کہاں بیٹھیں گے، زینے تو ختم ہو گئے لیکن لوگوں نے جب یہ دیکھا ہزاروں کے مجمعے نے کہ سارے زینے طے کرتے ہوئے علیؑ وہاں جا کر بیٹھ گئے جہاں رسولؐ بیٹھا کرتے تھے، تو اُس سے پہلے کہ علیؑ تقریر شروع کریں علیؑ نے چاروں طرف دیکھا کہ کانا پھوسی ہو رہی ہے چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں تو علیؑ نے کہا کہ کیا بات ہے بھئی یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں، اب یہ آدابِ مجلس منبر عروج پہ آپ کو نظر آئے گا کہ علیؑ نے پہلے کہا کہ یہ باتیں ختم کر لو، تو تقریر کروں اور اگر کچھ کہنا ہے تو اُٹھ کر کہو، دیکھئے علیؑ نے مجلس کا ادب بتایا کہ کسی بات پہ اعتراض ہے تو آدابِ مجلس یہ ہے کہ کھڑے ہو جاؤ، کیوں ہمت پیدا نہیں ہوتی، جب مولا نے حکم دے دیا کہ کھڑے ہو جاؤ اگر حق ہے تمہارا اعتراض تو کرو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نہ کھڑے ہونا بتاتا ہے مجمعے میں کہ سوالوں میں کمزوریاں ہیں، علم میں کمزوریاں ہیں، ہمت نہیں ہے، علیؑ کہہ رہے تھے تو کسی نے بیٹھے بیٹھے وہیں سے کہا کہ بس یہ ذرا سا اعتراض ہے کہ رسولؐ جس جگہ بیٹھتے تھے وہ جگہ چھوڑ کر بعد والے بیٹھتے رہے آپ وہاں پر بیٹھ گئے تو ایک بات تو پتہ چل گئی کہ علیؑ کے دور میں ذاکر پر اعتراضات شروع ہو گئے تھے۔ اب یہ ذاکر پر ہے کہ ایسا جواب دے کہ باطل پرست سامعین پر اوس پڑ جائے، فرمایا کیا اس لکڑی کے منبر کی بات کر رہے ہو کہ میں کہاں بیٹھ گیا، کیوں تمہاری آنکھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ قدم دوشِ رسولؐ پر تھے یہ منبر کیا ہے۔ صلوٰۃ پڑھیئے

منبر کیا ہے یہ لکڑی کا منبر میں تو دوشِ رسولؐ پر تھا، میں راکب دوشِ رسولؐ ہوں، سناٹا ہو گیا مجمعے میں تو وہ جو صاحبِ منبر تھا جس نے وقار عطا کیا منبر کو جس کے نام سے منبر منسوب ہو گیا، جس کے نام سے فصاحت و بلاغت و علمِ نطق عزت پا گیا، وقار

پا گیا، حرف جڑے تو جملے بنے اور جب جملے جڑے تو نطق کا ایجاد ہوا، اور جب نطق کا ایجاد ہوا تو تقریر بنی تو فلسفہ آیا، اُس کو کنوے (convey) کرنے کا طریقہ انسان کو نہیں آتا تھا۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو کائنات میں فنِ خطابت نہ ہوتا، فن خطابت صدقہ ہے علیؑ کے خطبوں کا، یہ علیؑ تھے جنہوں نے بتایا فنِ خطابت کیا ہے، اور مدینہ چھوڑ کر جب مسجدِ کوفہ میں آئے اور منبر پر بیٹھے تو لاکھوں کا مجمع انتظار کرتا تھا کہ تقریر کب شروع ہوگی، تقریر کی تیاری کے لئے کتابیں دیکھنا پڑتی ہیں، مسودہ بناتے ہیں لوگ، یہ علیؑ تھے کہ منبر پہ بیٹھ گئے تو کہا موضوع دو، کیا سننا چاہتے ہو، صاحب منبر سلونی نے منبر پر بیٹھ کر موضوع لے کر اب جو بات شروع کی تو دنیا حیران رہ گئی، اس لئے حیران رہ گئی کہ ایسے موضوعات کہ جن پر بولنے اور لکھنے والوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دی تھیں تب جا کر تہہ تک پہنچتے تھے، علیؑ کو اگر اُمت نے دیکھا تھا تو میدانِ جنگ میں دیکھا تھا، یا مصلّے پر دیکھا، کسی نے علیؑ کو چیونٹیوں کے بلوں کے پاس ٹہلتے نہیں دیکھا، لیکن جب چیونٹیوں پر بولنا شروع کیا تو اُن کی عادات اور اطوار، ان کی خلقت و ماہیت، ان کا گھر، اُن کا رزق لانا، ایک ایک چیز کے متعلق بتایا اور ڈاکٹر فراڈے (Froday) نے جب لکھا بعد میں تو پچیس سال چیونٹیوں کے پاس رہا، تب ''دی آنٹ (The Ant)'' لکھی، مور پر بولے یوں بولنا شروع کیا جبکہ مور ہندوستانی پرندہ ہے، اس کی خلقت، عادات، اطوار اُس کی نسل کا بڑھنا ایک ایک چیز بتائی، شہد کی مکھی پر خطبہ دیا اور اسی طرح جب توحید پر آئے تو آج بھی وہ خطبہ اگر نہ ہوتا علیؑ کا جو خطبۂ توحید ہے تو دنیا کی سمجھ میں توحید نہ آتی، ابھی تک انسان یہی کہتا تھا کہ خدا ایک ہے لیکن یہ پہلی بار علیؑ نے بتایا جس نے ایک کہا اُس نے شرک کیا، نہج البلاغہ، اس لئے جب ایک کہا تو گنتی میں محدود کیا تو یہ پتہ چلا کہ ایک کے بعد دو ہے

اور ایک سے پہلے بھی کچھ ہے شرک ہوگیا، کہا صمد ہے، وہ اَحد ہے وہ، اور اَحد کے معنی ایک نہیں بلکہ اَحد کے معنی اکیلا ہے وہ، ایک اور ہے اکیلا اور ہے، اکیلے میں شائبہ شرک نہیں، ایک میں شائبہ شرک ہے، اسی لئے جوش نے کہا تھا۔

تو کبریا کو دام عدد سے چھڑائے گا

علیؑ نے خدا کو آزاد کیا، جب کہ دنیا نے عدد میں محدود کر دیا تھا، جالِ عدد سے، دامِ عدد سے، تو یہ علیؑ کی تقریروں کے معجزات تھے اور پھر اُسی منبر پر یہ دعویٰ کرنا "سلونی" پوچھو اس سے پہلے کہ میں تم میں نہ رہوں، پوچھ لو اور پھر ایک ایک کا سوال کرنا تو منبر کو وہ تمکنت عطا کر دی وہ احترام دے دیا اور یہ بھی بتا دیا صرف انسان نہیں تم تو انسان ہو، سن رہے ہو، سمجھ رہے ہو، دنیا میں اللہ نے جتنی مخلوقات بنائی ہیں سب اس منبر کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہ دعویٰ کسی صاحبِ منبر نے دنیا میں نہیں کیا، اژدہا آجائے تو وہ بھی سیدھا منبر کے پاس جائے اور علیؑ کہیں راستہ چھوڑ دو اس کا یہ جنوں کا سردار ہے، مسئلہ پوچھنے آیا ہے، آج بھی مسجدِ کوفہ میں بابِ ثعبان بنا ہوا ہے، اژدہے کا دروازہ، جدھر سے اژدہا علیؑ کے پاس آیا تھا تو بڑی دُنیا نے نقل کرنا چاہی کہ اژدہا اِدھر سے آیا، علیؑ سے مسئلہ پوچھا اور چلا گیا، کوفے والوں نے مسجد کا دروازہ اُس کے نام پر رکھ دیا، بعد میں آنے والوں نے پوچھا یہ اژدہے کا دروازہ کیسا، لوگوں نے کہا اِدھر سے اژدہا آیا تھا علیؑ کے پاس، مسئلہ پوچھنے، تو ہمارے لئے بھی کوئی ایسا انتظام کرو تا کہ لوگ ہماری خطابت کو بھی مان لیں، دیکھئے یہاں سے دو اسکول بن گئے، خطبات کے، یہ تمہید ہے میری، آج فنِ خطابت پر بولنا ہے، مجھے، سوز خوانی اور پھر نوحہ خوانی پر تا کہ یہ ساری چیزیں آپ کے ذہن میں تشنہ نہ رہ جائیں، تاریخ شیعیت کا آدھا حصہ ہیں، جو چیزیں آج عرض کر رہا ہوں حاکمِ شام نے کہا میرے

لئے بھی کوئی ایسا انتظام کرو، ہاتھی تیار کیا گیا، وہ منبر پر بیٹھ گئے کہا آپ کے لئے اِدھر دروازے سے ہاتھی آئے گا اور سونڈ اُٹھا کے آپ کو سلام کرے گا، جھکے گا، اپنی زبان بولے گا، سوال کرے گا، آپ جواب دے دیجئے گا، مجمع لگ گیا اور ہاتھی داخل ہوا، اب ہاتھی کی ادا تو آپ کو معلوم ہے کیسے آئے گا، وہ جھومتا ہوا آیا اور اب وہ صاحبِ منبر کی طرف بڑھ رہا ہے، کیا حالت ہوگی صاحبِ منبر کی، خوف کا کیا عالم ہوگا، اگر ذرا سا دیکھئے ہاتھی کو غصہ ذرا ذرا سی بات پر آجاتا ہے، ناراض ہو جائے اور اگر مجمع میں ناراض ہو جائے، اب وہ آیا اُس نے سونڈ اُٹھائی، یہ سمجھے سلام کر رہا ہے وہ پتہ اُس وقت چلا جب وہ سونڈ مع منبر کے لپیٹ کے باہر پہنچا چکی تھی، دروازے کا نام باب الفیل تو پڑ گیا، لیکن یہ واقعہ بھی مسجد کوفہ سے جڑ گیا کہ ایک صاحبِ منبر ایسا بھی تھا جسے ہاتھی نے اُٹھا کر مع منبر کے باہر پھینک دیا تھا، اب آپ خود غور کیجئے کہ جانور جس صاحب منبر کو پسند نہیں کرے گا، انسان اُسے کیا پسند کریں گے، آپ زبردستی چاہتے ہیں کہ اس دور میں پسند کر لیں، بھئی ہمارے پاس اگر ایسے صاحب منبر نہ ہوتے تو ہم مان لیتے، اگر کمی ہوتی، نہ ہوتے، علم نہ ہوتا، تو ہم مان لیتے، بات ساری یہی ہے کہ مسئلہ علم کا ہے، دنیا یہ چاہتی ہے کہ ہم جہل کو مان لیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم جہل کو مان لیں، علم کو چھوڑ کر، جہاں علم ہے آپ ایسی شخصیات کے نام لیتے ہیں، ہمارے سامنے تو برصغیر میں ایسے ایسے صوفی ہیں جن کے حکم پر دیواریں چل گئیں، زمین شق ہوگئی، جانے کیا کیا کرامات دکھائیں، ہم اُن کو اہل بیتؑ کے آگے نہیں مانتے، ہم نے کبھی کسی کو اہلِ بیتؑ کے آگے تسلیم نہیں کیا۔ کیوں ایسا کریں، کسی چیز کی کمی اگر یہاں پاتے تو کہیں اور رجوع کرتے، یہاں معبود نے کائنات کی ہر نعمت ان کو عطا کر دی تھی اگر اس سے آپ انکار کر دیجئے تو ہم کسی اور کی

طرف رجوع کریں، اس لئے کہ اگر آپ یہ کہیں کہ ہم رجوع کرلیں تو ہم بار بار بس پلٹ کر اُدھر دیکھ لیتے ہیں، جب اُدھر دیکھ لیتے ہیں تو جہل کی طرف دیکھنے کو جی نہیں چاہتا، اس لئے کہ یہاں منبر پہ خطیب کہہ رہا ہے کہ ہم سے کبھی کبھی غلطی ہو جاتی ہے، ہم انسان ہیں تو اگر ہم عجیب عجیب جملے ہیں خطابت کے، کوثر نیازی کی کتاب ہے ''اندازِ بیاں'' اُس میں اُن کی تقریروں کا بڑا طویل مجموعہ ہے۔ اُس کا مقدمہ فن خطابت پر اُنہوں نے کسی سے لکھوالیا ہوگا، وہ بہر حال اُس میں شامل ہے اس میں یورپ، امریکہ، عرب اور شیعہ خطیبوں کا ذکر ہے اور اُسی میں وہ جملہ ہے وہ مضمون کا حصہ جنگ میں بھی ابھی ایک سال پہلے کوثر نیازی نے چھاپا تھا کہ شیعوں کے مجمعے میں تقریر کرنے کا مزہ آتا ہے، اس لئے کہ مجمع جاگتا رہتا ہے اور بولتا رہتا ہے، لیکن اہل سنت کا مجمع سن سن کر سن ہوگیا ہے تو جب وہاں تقریر کرتا ہوں تو مجمع سن رہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں تقریر کر رہا ہوں اور شیعوں کے مجمعے میں مجھے بڑا مزہ آتا ہے، یہ جملہ جنگ میں بھی چھپا تھا، تعصبی جملہ نہیں ہے، ظاہر ہے کوثر نیازی کا جملہ ہے تو یہاں سے فنِ خطابت کا پتہ چل جاتا ہے، کوثر نیازی نے وضاحت کی ہے اور اسی لئے وہ دوڑ دوڑ کر آپ کے ہاں آتے ہیں تقریر کرنے کے لئے اور صرف کوثر نیازی نہیں ہر خطیب خواہ کسی بھی فرقے کا ہو، یہاں آ کر تقریر کر کے اُنہیں بہت خوشی ہوتی ہے، اور جو خطیب ہوتے ہی نہیں، جن میں صلاحیت ہی نہیں ہوتی وہ بس شور شرابا پیئے کو جام کر دو چاہے وہ جام ہو یا نہ ہو، تو جہاں خطابت کا پہیہ ہی جام ہو تو وہ تو جام ہی رہے گا، مسئلہ یہ ہے کہ یہ فن مخصوص ہو گیا، صاحبانِ علم کے لئے، اب اگر خطیب منبر پر آ کر یہ کہہ دے اب جملے لکھیں، تاریخ کے جملے ہیں خلیفۂ وقت کہہ رہے ہیں کہ ہم بہک جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ کبھی کبھی ہم پر شیطان سوار ہو جاتا ہے تو اگر ہم

سے غلطی ہو جائے تو ہم کو صراطِ مستقیم دکھا دینا، اب بتایئے جو خطیب منبر پر صراطِ مستقیم کی بھیک مانگ رہا ہو، ہم کیسے اُس کی خطابت سنیں، اور اُس کے خطبے پڑھیں، ہم تو اس کے عادی ہیں کہ خطیب منبر پر بیٹھا تو بولا میں زمین کے راستوں سے جس طرح واقف ہوں، اسی طرح آسمان کے راستوں سے بھی واقف ہوں، ہم تو سب سننے کے عادی ہیں، اب چونکہ عادت پڑ گئی اس لئے کسی کی خطابت اچھی نہیں لگتی، اُسی کی خطابت اچھی لگتی ہے جس میں یہ چاشنی ہو، وہ ذوقِ منبر، وہ منبر کی بلندی، وہ منبر کا وقار، علیؑ نے عطا کیا اور یہ بتایا کہ کہیں بھی ہوں، جہاں ہم تقریر شروع کر دیں وہ جگہ منبر بن جاتی ہے، ضروری نہیں ہے کہ منبر بنا کر رکھا جائے، دیکھو لو مکّے سے واپسی پر منبر ساتھ نہیں ہے۔ اب جب منبر نہیں ہے اور منبر کی ضرورت ہے تو کیا کیا جائے، رسولؐ نے چند صحابہ کو بلایا، ان کی تعداد تھی سترہ، مجلس شوریٰ بنائی، مسئلہ صرف اتنا ہے کہ ایک منبر چاہیئے، سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے رسولؐ منبر مانگ رہے ہیں، کہا کیا طے ہوا، کہا منبر نہیں بن سکتا، کیوں؟ لکڑی نہیں ہے، کیلیں نہیں، ہتھوڑی نہیں، اوزار نہیں، کیسے منبر بنے اور کہیں سے آ نہیں سکتا، مدینے سے دور ہے تو کہا بس شوریٰ شکست کھا گئی، پتہ چلا جو شوریٰ کمیٹی ایک لکڑی کا منبر نہ بنا سکے، رسولؐ نے پہلے بتا دیا وہ شوریٰ کمیٹی صاحبِ منبر بنانے کا بھی حق نہیں رکھتی، اب ہم سے پوچھو منبر کیسے بنے گا، ہم منبر بھی بنا سکتے ہیں، ہم صاحبِ منبر بھی بنا سکتے ہیں، تم نہیں کر سکتے یہ، تم نہیں لا سکتے یہ، پالانِ شتر اتارو، پالانِ شتر اتارے، کہا ترتیب سے اس طرح رکھو جس طرح میں بتاتا جاؤں، کہا دیکھا منبر بنا، تاریخ کا واحد منبر جو حکمِ خدا اور رسولؐ سے بنا، علیؑ کے لئے بنا، آج صاحبِ منبر کون ہے، رسولؐ منبر بنوا رہا ہے، اور بنوا کر جب خطبہ ہو گیا تو تڑوا بھی دیا، کیوں، بتا دیا یہ منبر آج ہی بنا تھا، آج ہی ختم کر دیا، اس لئے کہ مسجدِ نبوی

ؑ کے منبر پر بیٹھنا اور ہے پالانوں کے منبر پر اب کوئی بیٹھ نہ سکے گا، پہلا اور آخری منبر۔ (صلوٰۃ پڑھیے)

کہاں بنایا منبر، آفتاب نصف النہار پر آتا ہے تو سایہ ختم ہو جاتا ہے، بس آفتاب اور اُس کے نیچے منبر ہے چترِ آفتاب کے نیچے منبر بنا، منبر پر دو آدمی رسولؐ ہاتھوں پہ بلند، علیؑ "من کنت مولا فھذا علی مولا" بلند کر دیا بتا دیا تو سوال یہ ہے کہ سائبان لگوا کر سایہ کر دیتے، کہا نہیں تپتا ہوا صحرا، عماموں کو اتار کر پیروں میں باندھنا، جب یہ سانحہ یہ شدت یاد رہے گی پھر تم کبھی بھولو گے نہیں "من کنت مولا" کو اس لئے کہ یہ گرمی کی شدت یہ آفتاب کی حدت منبر کی جدت، کبھی نہ بھول سکو گے اور یہ تین چیزیں تمہیں یاد رہیں گی، یہ دوسری بات ہے کہ جان کر بھول جاؤ، لیکن تاریخ کبھی بھولے گی نہیں اور بتایا اولاد نے کہ اگر پالانِ شتر کا منبر ہم بناتے ہیں تو صاحبِ نہج البلاغہ کی بیٹی کوفے کے راستے میں اگر ناقہ پہ کھڑی ہو جائے تو وہی منبر ہے اور دربار یزید میں حسینؑ کا چشم و چراغ اگر لکڑی کے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے تو منبر بنا دے۔ جہاں اہلِ بیتؑ آ جائیں تقریر کرنے وہاں منبر بن جاتا ہے اور اُس منبر کی تاریخ جب دو حصوں میں بنی، ایک طرف تخت آ گیا، ایک طرف منبر، تخت پہ شاہی نہیں چلی، منبر پر علم چلا اور جب علم چلا تو جدھر جدھر علم گیا تو منبر نے کہا ہم شاہی سے رشتہ نہیں جوڑیں گے، جہاں علم ہوگا وہاں منبر ہوگا، جہاں علم نہیں وہاں تخت ہے اور یادِ تخت ہے، جہاں علم ہے وہاں منبر کی شبیہ ہے۔ منبر کی شبیہ چل رہی ہے اور منبر کا نام زندہ رہ گیا، عرب میں منبر، ایران میں منبر اور جب روضۃ الشہداء، واعظ کاشفی نے لکھ دی اور روضہ خوان ذاکر کہا جانے لگا، وقارِ منبر بڑھ گیا وہ صفوی دور، وہ قاچاری دور، وہ ایران کے سنہری حروف سے لکھے جانے والے ادوار، فنِ خطابت نے اپنی

ارتقائی منزلیں طے کیں، یہی وہ خطابت تھی جو ہندوستان آئی، فارسی کا مشہور خطیب خطی اللہ، آصف الدولہ کے دربار میں آیا، خطابت پروان چڑھتی رہی، یہاں تک کہ جب شاہیاں ختم ہوئیں، انگریز بھی ہندوستان چھوڑ کر جانے لگا تو وہ خطیب منصہ شہود پر اُبھرے، جن کی خطابت کا ڈنکا تاریخِ خطابت و تاریخِ شیعیت میں بج رہا ہے، ایسے ایسے خطیب جن کے مقابل کوئی نظر نہیں آتا، مولوی مقبول احمد صاحب جیسے خطیب کہ تین تین گھنٹے مجلس پڑھیں، اور مجمع پہلو نہ بدلے، بلکہ عرض کر دوں کہ مولوی سیّد احمد صاحب نے جب بھی خطابت کی ہمیشہ جو لفظ بولا قافیے کے ساتھ بولا، فی البدیہہ تقریر کرتے تھے، آٹھ اور نو محرّم کی تقریر سننے کے لئے عالم یہ ہوتا تھا کہ تقریر سننے والا جہاں جگہ مل جائے، چھت پہ چڑھ جائے، پیڑ پہ چڑھ جائے، دیواروں پہ بیٹھ جائے، لیکن کہیں نہ کہیں سے تقریر سُنی ہے۔ اُس وقت لاؤڈ اسپیکر (Loud speaker) نہیں ہوتا تھا اور اُس وقت اکثر ایسا ہوا محرّم برسات میں پڑ گیا، آندھی آ گئی، طوفان آ گیا، بارش شروع ہوگئی، تو پتہ ہے کیا ہوا اب جملے سنیئے، دیکھئے اچانک بارش آ جائے، کہا لوگ بھاگتے ہیں، لاکھوں کا مجمع بیٹھا ہے اور وہ تقریر کر رہے ہیں، اب جملہ دیتے ہیں، کہتے ہیں، ہوا بدلی، فضا بدلی چار طرف بدلی، لیکن سامعین نے جگہ نہ بدلی، دیکھا آپ نے یہ عالم تھا مجموں کا یہ فنِ خطابت کا سحر تھا، ہوا بدلی، فضا بدلی، چار طرف بدلی لیکن سامعین نے جگہ نہ بدلی، اور جب بولنے پر آ ئیں اور فرمائش کر دی کوئی کہ آج سفینۂ نوحؑ پر تقریر کر دیجئے، کشتی پر تقریر کر دیجئے اب شروع ہو گئے، آؤ دیکھا نہ تاؤ بن گئی ناؤ، دیکھئے آج کا موضوع، ہمارے جتنے خطیب گزرے ہیں ہم آپ کو سب کا نمونہ سناتے ہیں تا کہ آپ کو اندازہ ہو فنِ خطابت کیا تھی، کیا ہو گئی، کیا ہونا چاہئے، ابھی سب آپ کو اندازہ ہو جائے گا، آؤ

دیکھا نہ تاؤ بن گئی ناؤ، عرش پہ بنی، کعبے میں اُتری، نئے دَر سے نکلی، بھئی جب تک لطف نہیں لیں گے سناؤں گا نہیں۔ (نعرہ حیدری)

کل شعر پڑھے جارہے تھے، جسے شاعری سے لگاؤ تھا وہ مزے لے رہا تھا، آج نثر والے بولیں، کل شاعری والے بولے تھے، دو ہی چیزیں ہیں، یا نثر ہے یا نظم ہے، تیسری کوئی چیز ہے ہی نہیں، کیا سناؤں گا، آؤ دیکھا نہ تاؤ، بن گئی ناؤ، عرش پہ بنی، کعبے میں اُتری، نئے دَر سے نکلی، سکوتِ بستر پہ قیام کیا، مَن کنت کا بادبان لہرانے لگا، اور خشک ٹاپوؤں سے بَخٍ بَخٍ کی صدا آنے لگی، صلوٰۃ پڑھئے گا۔ (نعرہ صلوٰۃ)

مولانا سیّد احمد صاحب قبلہ یعنی حد ہے یہ تو مجلس پڑھ رہے ہیں، جب ڈاکٹر کے ہاں حال کہنے جاتے تھے تو جب حال کہنا شروع کرتے تھے تو سارے مریض دوائیں لینا بھول جاتے تھے اور ڈاکٹر نسخہ لکھنا بھول جاتے تھے، اس لئے کہ جب وہ حال کہتے تھے تو قافیے چلتے تھے، یعنی قافیے بن بن کر نکلتے تھے، بنانے نہیں پڑتے تھے، سمجھ رہے ہیں نا! بنے بنائے آتے تھے اور علّامہ ابن حسن نونہروی صاحب وہ معراج پڑھ رہے ہیں، خیبر پڑھ رہے ہیں اور اس شان سے، اب خیبر میں دیکھئے شکست ہو رہی ہے، تو اب رسولؐ نے کیا کہا سلمانؑ و ابوذرؓ جاؤ، علیؑ کو لاؤ، اب اسی پہ قافئے چل رہے ہیں یا رسولؐ کے لئے کافر و مشرک معجزات دیکھتے تھے اور نہیں مانتے تھے، دیکھئے کس طرح اُس کو سمجھا، جدھر سے رسولؐ جاتا تھا درخت کی ڈالیاں جھک کر سلام کرتی تھیں، جملہ دیا درختوں نے پہچانا کم بختوں نے نہ پہچانا، خلقت بشر کہ افضل قرار پا رہا تھا، تو ساری چیزیں اُس کے آگے پست ہو گئیں تو کس طرح سمجھایا بڑے غور سے دیکھئے گا، جمالیات، نباتات، حیوانات، جمادات، واہیات۔ صلوٰۃ۔

یہی لطفِ زبان تھا جس میں خطابت پروان چڑھ رہی تھی، پھر جب علمی نکات آ

جائیں، پہلا خطیب خطیبِ اعظم کا لقب ملا مولانا سیّد سبطِ حسن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ جنہوں نے علمیت کو لے کر خطابت میں شامل کر کے خطابت معراج پر پہنچادی، عالم یہ ہے کہ ایک ایک واقعہ ایک ایک معجزہ روایت میں وہ نکتے بھر دیئے کہ جو کچھ بٹ رہا ہے اُسی کی روشنی میں چل رہا ہے، دیکھئے کتنی چھوٹی سی بات ہے، لیکن ہم کبھی ان چیزوں پر غور نہیں کرتے، سوچئے اور محفوظ کیجئے، قرآن میں رسولؐ کو آفتاب کہا گیا، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ رسولؐ نے چاند کا معجزہ دکھایا، لیکن علیؑ نے آفتاب کا معجزہ دکھایا کہ رسولؐ کو آفتاب کا معجزہ دکھانا چاہئے تھا، علیؑ کو چاند کا، یہ قدرت نے پلٹ کیوں دیا، معجزہ کوئی دلیل آئی ذہن میں، دیکھئے دلیل لائے کہاں سے جب کم روشنی کی ضرورت ہوتی ہے تو کم روشنی دی جاتی ہے، رسولؐ کے دور میں اختلافات کم تھے تو چاند کا معجزہ دیا، لیکن علیؑ کے دور میں اختلافات بڑھ گئے تو اللہ نے آفتاب پلٹا کر کہا دیکھ لو، تاکہ سارے اختلافات نظر آجائیں اور پھر لطفِ زبان کے ساتھ ساتھ یہ علمی نکات کہ رسولؐ کے دوش پر علیؑ بلند ہوئے، سینکڑوں گوشے آپ کے ذہن میں آ سکتے ہیں، دیکھئے کدھر ذہن کو موڑا، مہر کی خاصیت ہوتی ہے جتنا دباؤ گے اتنا چھپتا جائے گا، کاغذ پر مہر کو جتنا دبایئے گا اُتنا نقش گہرا ہوتا جائے گا، کہا قدرت نے چاہا علیؑ دوشِ نبوت پر آئیں، مہرِ نبوت دبے اور نبوت کے جتنے اوراق ہیں سب پہ یہ مہر لگ جائے، مہر دبتی چلی گئی اور مہدیؑ آخر تک گئی۔ (صلوٰۃ، نعرۂ حیدری) یہ ہیں مولانا سبطِ حسن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ۔

مصائب کے جملے بعد میں عرض کروں گا، صرف فضائل سنا رہا ہوں، مولانا ابن حسن نونہروی کے بیٹے علّامہ شبیہ الحسن نونہروی بہت بڑے خطیب ہیں اور لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کے صدر ہیں اور مولانا ابن حسن نونہروی کا یہ عالم تھا کہ منبر پر

جس وقت آتے تھے تو اُن کا جیسا خطبہ منبر پہ اب تک کسی نے نہیں پڑھا، جس طرح وہ خطبہ پڑھ گئے پھر کوئی اس طرح خطبہ نہیں پڑھ سکا۔ صرف خطبہ ایسا تھا کہ ذہنوں پہ سحر ہو جاتا تھا، جب ایسے ایسے خطبہ پڑھنے والے فن کو میں نے سنا ہے تو کیا خطبہ پڑھ کے میں فنِ خطابت کا منہ چڑھایا کروں؟ اکثر لوگ مجھ سے کہتے ہیں خطبہ کیوں نہیں پڑھتے، میں کیا پڑھوں خطبہ، آپ نے سنا ہی نہیں ہوگا کہ خطبے کیسے پڑھے جاتے تھے تو وہ تھے اُن کی شانِ خطابت تھی تو سارا خطبہ اسی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ساری تعریف اللہ کے لئے، درود و سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لئے۔ میں تلخیص سنا کر وقت بچا کر وہ وقت بھی بیان کو دے دیتا ہوں، وہ شان اگر آ جائے تو میں پڑھوں، وہ نا ممکن ہے وہ کسی میں نہیں آ سکتی تو فائدہ، خطبہ پڑھا تو ایک رعب چھا گیا، تقریر شروع ہوئی تو اس شان سے شروع ہوئی کہ زمانہ دنگ رہ گیا اور اگر درمیان میں کچھ ایسی چیزیں آ جائیں جیسے موسیٰؑ کا ذکر، جنابِ ابراہیمؑ کا ذکر تو وہاں بھی ایسے گوشے پیدا کر دیتے تھے کہ پہلے سے اُمید نہیں ہوتی تھی کہ ایسا ہو جائے گا، اچانک جملہ آتا تھا کہا فرعون بیٹھا ہوا ہے، نیل ندی کے کنارے، اپنے قصر میں، وہ صندوق بہتا ہوا آیا جس میں موسیٰؑ کو ڈال کر ماں نے بہا دیا تھا، تالا لگا کر۔ فرعون نے صندوق دیکھا ہاتھ بڑھایا، صندوق دور ہٹ گیا، پھر قریب آیا پھر ہاتھ بڑھایا، پھر صندوق پیچھے ہٹ گیا، آسیہؑ زوجہ فرعون دیکھ رہی تھیں، ایک بار آسیہؑ نے ہاتھ بڑھایا، صندوق خود قریب آ گیا، آسیہؑ نے صندوق کو دریا سے نکال لیا، فرعون نے چاہا کہ تالا کھول لے، تالا نہ کھلا، آسیہؑ نے ہاتھ بڑھایا تالا ٹوٹ کے گر گیا، صندوق کے در کو کھول دیا، اب جملہ دیا کہ جب تک ایمان کا ہاتھ نہ بڑھے دروازہ نہیں کھلتا۔ (نعرہ حیدری)

ایک جملے میں تاریخ کے دو واقعوں کی طرف اشارہ کیا، غور نہیں کیا آپ نے،

فاطمہ بنتِ اسدؑ آئیں تو خانہ کعبہ میں نیا در بن گیا، انتالیس دن گزر جائیں جب تک علیؑ نہ جائیں خیبر کا دَر نہ اُکھڑے، یہ تھا فنِ خطابت اور عجیب جملہ فقہی مسائل کو اس طرح لا کر مسائل کو حل کرنا کہ لفظِ حد، اس کے دو معنی ہیں، فقہ میں اصطلاح ہے، حد جاری کرنا، سزا دینا جرم کی، اُردو میں یہ کام تم نے کیا کوئی حد نہیں تم نے غلطی کر دی، دیکھئے کیا جملہ دیا کہ حرؑ نے حسینؑ کی لجام فرس پر ہاتھ ڈالا تھا، حرؑ نے ایسی خطا کی تھی جس کی کوئی حد نہیں تھی، اُردو میں وسعت کہ کوئی حد نہیں تھی اور فقہ اسلامی میں اس کی حد نہیں تھی۔ یہ تھی وہ علمی خطابت جس کے سننے والے نہ رہے، جس کے سمجھنے والے نہ رہے اور وہ خطابت آہستہ آہستہ ختم ہوتی چلی گئی، لیکن ہم نے اُس خطابت کو معراج پر دیکھا، اور رچ کے سنا، چونکہ رچ کے سنا اس لئے ہماری نگاہوں میں اب کوئی نہیں سماتا، ہم کیا کریں، یہ مجبوری ہے ہماری عقل کی یا ہمارے ذہن کی، جو بھی سمجھ لیجئے۔ ہم نے بچپن سے مولانا کلب حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کو سنا اور اس شان سے سنا کہ پابندی سے برسوں سنا، جہاں سے کہئے سنا دوں، غفران مآب کے امام باڑے میں چاند رات سے لے کر اور شامِ غریباں تک دس روز اور پھر سوا دو مہینے کی تقریریں، لکھنؤ نہیں چھوڑتے تھے، وہ بہت کم باہر جاتے تھے، ایک آدھ بار آپ کے پاکستان میں آئے ہیں ورنہ وہ باہر نہیں جاتے تھے کہ سمجھنے والے جہاں ہیں ہم وہیں پڑھتے ہیں۔ اب آپ دیکھئے عیسیٰؑ گردوں سے اتر کر آئیں گے، نماز امام کے پیچھے پڑھیں گے، مسئلہ فقہ کا تھا تو فقہ سے سمجھایا، کہتے تھے کہ اگر کسی مسجد میں اگر نماز پڑھاتا ہو اور دوسرا امام آجائے نماز پڑھانے والا تو جو پابندی سے پڑھاتا ہے اُس کی موجودگی میں دوسرا نہیں پڑھا سکتا، یعنی بعد میں آنے والا مستقل امام کے آگے نہیں جا سکتا، کہا اگر اس پر بھی فیصلہ نہ ہو پھر اس پر فیصلہ ہوگا......................

عیسیٰؑ چوتھے آسمان پر چلے گئے، روز کون نماز پڑھاتا ہے، بھئی عیسائی کہتے ہیں عیسیٰؑ آگے بڑھیں گے، مسلمان کہتے ہیں ہمارا پڑھائے گا، ظہور ہو گیا، دونوں کا اب سمجھا رہے ہیں، مولانا کلب حسین صاحب کون آگے بڑھے گا، روز کے پڑھانے والے سے عیسیٰؑ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ چلے گئے وہ چوتھے آسمان پر، جو روز پڑھاتا ہے وہی پڑھائے گا، اب بھی فیصلہ نہیں ہوا تو اب فیصلہ کرو، دونوں میں عالم کون ہے، تمہارا عیسیٰؑ تین کتابوں کا عالم ہے توریت وزبور وانجیل، ہمارا امام چار کتابوں کا عالم، توریت وزبور وانجیل وقرآن، کہا اگر اب بھی فیصلہ نہیں ہوتا تو فقہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ سیّد کون ہے، اور غیر سیّد کون ہے، فیصلہ کرو دونوں میں سیّد کون ہے، عیسائی سے دیکھیے مناظرہ ہو رہا ہے، تو جو سیّد ہے وہ بڑھ جائے گا، وہاں سیادت کا کیا سوال ہے، وہ بنی اسرائیل سے ہیں، یہ سیّد ہیں۔ یہ آگے بڑھ جائیں گے، تو اس طرح فقہی مسائل سے، حدیثوں سے، تفسیر سے، علوم سے سمجھایا کرتے تھے، انتہائی سادہ زبان میں اپنی مجلسوں کو کہ بچہ بوڑھا جوان، عورت آسانی سے سمجھ لے، وقت نہیں ورنہ مزید آپ کو بتاتا آگے بڑھ جاؤں تاکہ بتا سکوں ان خطباء کے علاوہ اور کون سے خطیب تھے۔ بڑے عجیب عجیب خطیب تھے، بعض ایسے تھے جو میں نے سنائے یہ سنجیدہ خطیب تھے، جو علمیت کو لئے ہوئے اور ان کے ہاں پابندیاں تھیں، مثال کے طور پر یہ خطباء منبر پر شعر نہیں پڑھتے تھے لیکن بعض وہ خطیب تھے جو اشعار پڑھتے تھے، اُن کو نثار کہتے تھے، کہ وہ نظم ونثر ساتھ ساتھ پڑھتے تھے، کچھ وہ خطیب تھے جو کبھی منبر پر غیر سنجیدہ گفتگو نہیں کرتے تھے، بعض دونوں طرح کی گفتگو کرتے تھے، سامعین کو ہنسایا بھی کرتے تھے اس میں مولانا للّن صاحب اور قاری مجّن صاحب تھے، ایک مولانا اصغر صاحب بھی تھے اور اُن سے جب سوالات کر لئے جاتے تھے تو ظاہر ہے وہ

جوابات بھی دیا کرتے تھے تو اُس میں رنگ مزاح پیدا ہو جاتا تھا، بعض نے اپنے عنوانات تقسیم کر لئے تھے، حکیم مرتضیٰ حسین صاحب الہٰ آبادی، اُن کا کام صرف یہ تھا کہ جو مجلس پڑھیں گے بس معراج پہ پڑھیں گے، اب معراج سے جو جو نکلتا جائے اور یہ بھی ایک کمال تھا کہ معراج میں توحید بھی نکل آئے، عدل بھی نکل آئے، نبوت بھی آ جائے، امامت بھی آ جائے، قیامت بھی آ جائے، اتنا بڑا خطیب تھا، ڈھائی ڈھائی گھنٹے وہ بول رہے ہیں، آپ دیکھئے کس طرح نکات دیتے تھے، بیچ میں اگر کسی نے سوال کر لیا تو اُس کا بھی جواب دیتے تھے، یہ خطیب کے لئے بڑا مشکل مرحلہ آ جاتا ہے کہ وہ رَو میں بولتا چلا جا رہا ہے بیچ میں سوال آ گیا تو یہ بڑا خطرناک موڑ آ جاتا ہے خطابت میں، مولائے کائنات کا خطبہ شقشقیہ گواہ ہے، آپ خطبہ دے رہے ہیں ایک آدمی آ گیا پرچہ لے کے، مسئلہ پوچھنے لگا، مولا جھکے اور اُس سے بات کرنے لگے، جب وہ چلا گیا تو ابن عباس نے کہا وہیں سے شروع کیجئے، کہا کیا شروع کروں، یہ تو اونٹ کی آواز تھی، شقشقیہ کے معنی آپ کو معلوم ہیں یعنی جب اونٹ مست ہوتا ہے اور ایک آواز نکالتا ہے، اُس آواز کو کہتے ہیں شقشقیہ، تو علیؑ نے کہا یہ دل کی آواز تھی جو نکل رہی تھی، اس نے روک دیا، بات تھم گئی، خطبہ ادھورا رہ گیا، تو خطابت ایسا نازک مسئلہ ہے کہ اکثر آپ نے دیکھا ہوگا کہ خطیب صاحب بھول جاتے ہیں، کوئی صاحب پنکھا بند کرنے اُٹھے، اب سارا مجمع اُدھر دیکھنے لگا، کوئی ویڈیو کیمرہ لے کے آ گیا، اب مجمع اُدھر دیکھ رہا ہے، کوئی صاحب اُٹھ کر جانے لگے، سب اُدھر دیکھنے لگے، یہ خطیب کے لئے قیامتیں گزرتی ہیں، آپ کو اندازہ نہیں ہے خطیب پہ قیامت گزر جاتی ہے، اب مثال کے طور پر بلّی آ جائے یہاں تو آپ لوگ تو ہنس کے رہ جائیں گے، خطیب کے لئے ہو گئی مصیبت، اتفاق سے مولانا اجلال صاحب مجلس پڑھ رہے

تھے، بلّی بیچ میں کود گئی، لیکن کیا کہنا صاحب کہ سنبھالا مجلس کو کہ یہ جمل کی ماری اِدھر سے کیسے آ گئی وہیں سے ربط لگایا، صلوٰۃ پڑھئے! (نعرہ حیدری)

تو یہ خطابت میں بڑے مسئلے ہیں، ان چیزوں پر آپ ذرا نظر رکھا کیجئے تو وہ دور اور کوئی سوال کرے، اب حکیم مرتضٰی صاحب معراج پڑھ رہے ہیں اور معراج وہ شباب پر جا رہی ہے کہ نبیؐ جو ہے وہ پردے کے قریب پہنچا اب بتائیے کون سی منزل آ گئی، اور مجمع کس طرح ساکت ہو کے سن رہا ہوگا تو بس اب نکتہ جو ہے وہ آنے والا ہے اور لوگوں کو ہاتھ اُٹھا کے داد دینی ہے۔ اس منزل پر آ کر وہ کہتے ہیں اُدھر سے آواز آ رہی تھی اور قریب آؤ یہ بڑھتے جا رہے تھے آواز آتی جا رہی تھی آؤ! آؤ! اور قریب آؤ، یہ بڑھتے جا رہے تھے کہ پھر آواز آئی اور قریب آؤ کہ محمدؐ نے آواز دی کہ اب اگر اس سے آگے بڑھ گیا تو تُو نہ رہے گا میں میں نہ رہوں گا، دیکھئے کتنا عظیم جملہ، ایک جملے میں سب کچھ کہہ دیا کہ اگر اب آگے بڑھ گیا تو تُو نہ رہے گا مَیں مَیں نہ رہوں گا، سوچتے جائیے جتنا چاہے سوچئے ایسے میں کسی صاحب نے پہلی بار ملت میں فزکس میں ایم ایس سی (M.Sc) کیا تھا، اب بتائیے اس زمانے میں اگر ایک آدھ نئے آ جاتے ہیں تو آپ کو اس کا تجربہ ہوگا بہت زیادہ تجربہ ہوگا تو اُس دور میں ذرا تصور کیجئے جب ایم ایس سی کرنا ہی کارِ دارد تھا اور پھر وہ فزکس میں ایم ایس سی، اب ظاہر ہے مولانا کیا جانیں فزکس کیا ہے اور ایم ایس سی کیا ہے، وہ اپنے زعم میں بیٹھے ہوئے اور یہ پڑھ چکے تھے کہ نبی سارے آسمانوں اور فضاؤں کو طے کرتا ہوا، پہنچ گیا قابَ قوسین وادنٰی تک اور وہ ایم ایس سی صاحب کھڑے ہو گئے، تاکہ پتہ تو چلے میں نے فزکس میں ایم ایس سی کیا ہے۔ انہوں نے کہا مولانا بات سمجھ میں نہیں آئی میں نے اپنے سبجیکٹ (Subject) میں پڑھا ہے کہ خلا میں بڑے گیسز

(Gases) اور بخارات کے سمندر ہیں اور یہ ہے وہ ہے اگر انسان کرۂ ارض کی فضاؤں سے نکل کر ادھر جائے تو فنا ہو جائے۔ ایسی ایسی گیسز ہیں، اب بتایئے مولانا کیا جانیں فزکس کی کتاب اور وہ مولانا کو سمجھا رہے ہیں اور جواب کتنا مشکل ہو گیا، یہ بتایئے آپ، فزکس والے ایم ایس سی والے کو جواب دیں، اُنہوں نے کہا بیٹھ جایئے، اب جایئے گا تو ایک شمع روشن کیجئے گا اور شمع جلا کر اُس کی لو کو انگلی سے آدھی کاٹ دیجئے گا، پھر آپ آ کر بتایئے گا آپ کی انگلی پر کوئی آنچ آئی، لو برقرار رہے گی۔ آپ کی انگلی نہیں جلے گی، جس طرح آپ کی انگلی چشم زدن میں آگ کے درمیان سے نکل گئی اسی طرح چشم زدن میں رسولؐ کائنات کے سارے بخارات سے نکل گئے، دیکھئے سائنس میں جواب دیا ہے، اُنہی کے سبجیکٹ میں جواب دے دیا تو یہ تھا وہ فنِ خطابت، جس کا عروج، جس کی تمکنت، جس کی شان، اس طرح وقار عطا کیا اور وہ لباس، وہ آواز، وہ زبان، وہ بیان، وہ خو، وہ نکتہ نظر آج تلاش کریں تو نہ پائیں گے اور کائنات کے چپے چپے پر جہاں بھی چلے جائیں اور جہاں بھی خطابت سنیں اسی خطابت کی جھنکار ہر جگہ سنائی دے گی، کہیں پر ڈائریکٹ (direct) کہیں پر ان ڈائریکٹ (indirect) مثال کے طور پر میں نے ڈائریکٹ سنا بعض نے کسی اور کو سنا اور اُن کی زبانی آ گئیں چیزیں، ظاہر ہے تقریریں اب ریکارڈ ہونی شروع ہوئی ہیں، اُس زمانے میں ٹیپ ریکارڈر (Tape recorder) نہ کچھ، جن لوگوں کو یاد رہ جاتا تھا وہ لکھ لیتے تھے یا سینہ بہ سینہ جو یاد رہ گیا وہ آگے منتقل ہو گیا۔ حیدر آباد دکن میں نظام کی فرمائش پر مولانا سبطِ حسن صاحب پہنچ گئے، رام پور، کلکتے مختلف شہروں میں فنِ خطابت کے جوہر دکھائے، کلکتے میں سیاسی طور پر سب سے بڑے خطیب مولانا ابوالکلام آزاد تھے اور ان کی خطابت کا بھی ڈنکا پٹ رہا تھا تو وہ

اُدھر محرم کی مجلسیں پڑھتے تھے، مولانا سبطِ حسن صاحب ادھر پڑھتے تھے تو جو منظر دیکھنے والوں نے اُن کی سوانح حیات میں لکھا ہے، سبطِ حسن صاحب کی وہ حیران کن ہے، کہ کیا شیعہ کیا سنی بس یہ چاہتے تھے کہ سبطِ حسن کو سن لیں، مذہب کی قید وہاں نہیں تھی، ہر مذہب والا انہیں سننا چاہتا تھا اور دکن کے مجمعے میں تو سبھی فرقوں کے لوگ بیٹھ کر مجلس سنتے تھے اور خود نظام بہ نفسِ نفیس پورے خاندان کو لئے ہوئے شاہی لباس میں بیٹھے رہتے تھے اور حالت یہ تھی کہ خطیب کو بہت غور سے سنتے تھے، داد نہیں دیتے تھے، چپکے بیٹھے سنتے رہتے تھے اور جہاں خطیب کی کوئی بات پسند نہیں آئی یا قابلِ اعتراض ہوئی تو وہیں سے کہتے تھے ذرا ٹھہریئے مولانا اب میں آپ سے بات کروں گا اور اس کے بعد وہیں سے تبصرہ شروع کرتے تھے کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی اس لئے نظام کے سامنے مجلس پڑھنا ہر خطیب کے لئے مشکل تھا، اب یہ خطیبِ اعظم تھے، انہوں نے لوہا منوا لیا، بڑے زوروں پہ مولانا جنگِ خندق پڑھ رہے تھے اور اُس منزل پر آ گئے کہ کہا رسولؐ نے تیار کر کے علیؑ کو تلوار کمر میں لگا کر روانہ کیا، پیدل اور کہا آج کُلِّ کفر کے مقابل کُلِّ ایمان جا رہا ہے، یہ جنگ خندق کا منظر، جنگِ خندق کا شباب ہے، اب یہاں پہ کوئی خطیب کو روک دے بس قیامت آ گئی، پوری تقریر خراب ہو جائے، اگر کوئی یہاں پہ روک دے اور یہی ایک شباب ہے پورے واقعے میں، بس ابھی اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ کل کفر کے مقابلے میں کل ایمان کو بھیجا! اُنہوں نے کہا ٹھہر جایئے نظام نے کہا تو مولانا نے پوچھا کہ کیا بات ہے کہا کیوں پیدل کیوں بھیجا، گھوڑا نہیں تھا، دیکھا آپ نے سوال کرنے والے ایسے تو جواب کیسا ہوگا، جو منبر سے آئے گا، کہا گھوڑے تھے، بہت گھوڑے تھے، کہا پھر کیوں پیدل گئے، کہا چونکہ یہ کہا تھا کہ کل کفر کے مقابل کل ایمان جا رہا ہے، اگر گھوڑے پر

بٹھا دیتے تو کل ایمان میں گھوڑا بھی شامل ہو جاتا۔ (نعرہ حیدری)

گھوڑا کل ایمان میں شامل ہو جاتا، کل ایمان علیؑ تھے، جانور شامل نہیں ہو سکتا تھا، کہا تلوار وہاں سے آئی تھی وہ کل ایمان کا جزو تھی، اگر تلوار نہ ہوتی تو تلوار بھی اُس دن علیؑ کو نہ دی جاتی۔ کیسے آیا جواب اور کہاں سے آیا، تو پتہ یہ چلا یہ خطابتیں الہامی تھیں، ادھر سے تائید تھی، اُدھر سے مدد تھی اور اب چونکہ میں اس منزل کی طرف بھی آ رہا ہوں کہ پاکستان میں اگر ان خطیبوں کا پرتو لئے ہوئے اور منزلِ ارتقاء پر کوئی خطیب آیا تو سمجھ لو کہ قدیم اور عہد جدید کی تمام رعنائیاں تمام ہو گئیں وہ علامہ رشید ترابی تھے۔

میں سمجھتا ہوں کہ وہ خطیب جو گزر گئے تلاش بھی کریں گے آپ تو اُن کے ریکارڈ آپ کو نہیں ملیں گے، اس لئے کہ اُن کے دور میں ٹیپ ریکارڈ نہیں تھا اور جب ٹیپ ریکارڈ آیا تو ان خطیبوں کی ضعیفی تھی اور آخری دور کی کچھ تقریریں مولانا کبن صاحب کی اور مولانا نونہروی صاحب کی رہ گئیں اور وہ بھی جو شوقین ہیں نہ جانے کہاں کہاں سے کیسے لے آئے پورے پاکستان میں نونہروی صاحب کی چار پانچ تقریریں برصغیر میں جو ریکارڈ ہیں، ناصر جہاں کے پاس ہیں اور کسی کے پاس نہیں یا تو میرے ریکارڈ میں رکھی ہوئی ہیں تو اتنی نایاب ہیں، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تقریریں اُن کی ریکارڈ نہیں، مسودے نہیں اور آپ نے اُن کو سنا نہیں اور خطابت آتی ہی نہیں، اگر آپ نے اپنے سے بڑے کو نہیں سنا، دیکھئے یہ ساری جزیات میں سمجھا رہا ہوں، جتنا سنیں گے اتنا آپ بلند ہوتے جائیں گے، مشق ہوتی جائے گی، جب سنیں گے نہیں آپ تو جہل برقرار رہے گا، فن نہیں آئے گا تو ان کو سن نہیں سکتے، ریکارڈ ہے نہیں، مسودے ہیں نہیں، سنا نہیں ان سب کی وراثت کو لے کر رشید ترابی بیٹھے تھے، منبر پر، اگر سب کو

نہیں سنا تو ایک کو سن لیتے اور اگر اُن کو بھی نہیں سنا تو اُن کے سارے ریکارڈ محفوظ ہیں واحد خطیب ہے میدانِ خطابت کا جس کا پورا ریکارڈ محفوظ ہے، صرف اُسی کو سن کر اگر ہم اپنی خطابت کو اُس رنگ میں ڈھالیں تو جو کچھ ہو رہا ہے منبر پر ختم ہو جائے گا، میں دعوتِ فکر دے رہا ہوں، اس لئے کہ انہوں نے فنِ خطابت کے ایک ایک گوشے کو سمجھایا ہے، کہاں پر کس طرح فضائل سے مصائب کی طرف آتے ہیں، کہاں مصائب کی روایت میں نزاکت پیدا ہو جاتی ہے، کس مقام پر کونسا لفظ استعمال کرنا چاہئے، کس طرح لفظ آ رہا تھا، نہیں بولا دوسرا لفظ لے آئے، جب تک ان باتوں پر غور نہیں کریں گے، خطابت نہیں آ سکتی، فنِ خطابت میں جو نئے اُفق اُبھر رہے ہیں وہ کامل نہیں ہو سکتے، مجمع لگانا کوئی بڑی بات نہیں ہے، مجمع تو وہ بھی لگا لیتا ہے جو سڑک پر دوائیں بیچتا ہے، سودے بیچنے والا بھی مجمع لگا لیتا ہے، بہت بھیڑ لگ جاتی ہے، اُس کو بھی فنِ خطابت آتا ہے اور مولانا اعجاز حسین جنہوں نے فنِ خطابت پر کتاب لکھی ہے لاہور سے چھپی ہے وہ جب آپ پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا، یہ سڑک پر مجمع لگتا کیسے ہے؟ وہ پورا انٹرویو (Interview) مجمع لگانے والے سے لے کر آئے ہیں، اُنہوں نے کتاب میں مشورہ دیا ہے آپ لوگ جو تقریریں کرتے ہیں تو کبھی کبھی جا کر سڑک پر ان کی تقریریں سنا کریں۔ اُن کا مشورہ اُن کو مبارک، جس نے ایسے خطیبوں کو سنا ہے وہ سڑک کے کنارے دوائیں بیچنے والوں کو نہیں سنے گا، اس سے بہتر جب یہ راستہ موجود ہے تو یہاں سے کیوں نہ لو، وہاں جانے کی کیا ضرورت، رشید ترابی وہ خطیب تھے کہ پاکستان میں اُنہوں نے خطابت کو ترقی دی، بہت چھوٹی چھوٹی چیزیں سنا رہا ہوں، ٹیلیویژن کا آغاز ہوا کراچی میں، پیر کے دن چھٹی ہوتی تھی، اتفاق سے شامِ غریباں کی مجلس پیر کو آ گئی، عاشور پیر کو پڑ گیا، ٹیلیویژن کو اُنہوں

نے خط لکھا، کہ شامِ غریباں کی مجلس ہونا ہے، جواب آیا اُس دن تو چھٹی ہے اُنہوں
نے کہا مجلسیں تو ہوں گی، جواب نہیں آیا، چار یا پانچ تاریخ تک، اچھا ایک اور مسئلہ
بھی چل رہا تھا، جب زیڈ اے بخاری ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل ہوئے
تو اُنہوں نے پہلی محرّم سے لے کر عاشور تک ریڈیو پر میوزک بند کروادی، وہ روایت
آج تک چلی آ رہی ہے، جب ٹیلی ویژن لگا تو وہاں تو کوئی پابندی تھی نہیں، وہاں
میوزک آتا رہا، تو خط میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ ٹیلی ویژن پر میوزک بند کر دیا جائے تو
جواب آیا ہم سے آپ بند کرنے کو کہہ رہے ہیں، زاہدان ریڈیو ایران سے پانچ محرّم
تک گانے آتے ہیں، اب دیکھئے کیسے رُخ موڑا تھا، ٹیلی ویژن والوں نے، تو مولانا
نے جواب دیا ہم اپنے ملک کی بات کر رہے ہیں، ہمیں باہر کے ملکوں سے کیا، یہاں
کیا ہونا چاہئے اس پر گفتگو ہونا چاہئے ہم کسی کو مثال نہیں بنائیں گے، انہوں نے کہا
ہمیں جواب چاہئے، اب دیکھئے مسئلہ کدھر چلا جا رہا ہے، خالقدینا ہال میں چھ یا
سات محرّم کو اُنہوں نے کہا کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے یہ بات اگر پوری نہ ہوئی، میوزک
بند نہ ہوا شامِ غریباں کی مجلس نہ ہوئی تو ہم آج آپ کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ کیا ہوگا،
آج ہم آپ کو بتا دیں ہم کتنے ہیں، دیکھئے رونگٹے نہیں کھڑے ہو گئے ہونگے، اُس
وقت خالقدینا کا مجمع سڑک پر ادھر بھی اور اُدھر بھی آپ لوگوں کو یاد آئے گا تو اب
اُنہوں نے کہا کہ ہم بتا دیں کہ ہم کتنے ہیں، اب جو جواب آیا ہوگا مجمعے کی طرف سے
جو جو جس نے سوچا ہوگا، وہ جواب نہیں آئے گا، یہ ہے خطابت کا کمال جو آپ سوچ
رہے ہیں، اس وقت یہ بھی جواب نہیں آئے گا اور ایک بار یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ
ہم کتنے ہیں اور سامنے دیکھا، دائیں دیکھا بائیں دیکھا اب مجمعے کی نگاہیں ساتھ
ساتھ مڑ رہی ہیں اور جب اچھی طرح دیکھ چکے تو کہا ایسی باتیں بتائی نہیں جاتیں، نظر

لگ جاتی ہے یہ ہے کمالِ خطابت، صرف اشارے تھے لفظ نہیں تھے، کبھی کبھی خطابت اشاروں میں کام کرتی ہے اور عبدالحلیم شرر نے گزشتہ لکھنؤ میں لکھا کہ تاریخِ شیعیت کی ایجاد ہیں اشارے، یہ ہاتھوں کے اشارے، یہ ابروؤں کے اشارے، یہ انگلیوں کے اشارے، اگر یہ فنِ خطابت نہ ہوتا تو کوئی اشاروں سے واقف نہ ہوتا۔ اشارے بھی بولتے ہیں اور اس خطابت کے بانی ہیں ابو طالبؑ، حیران ہو جائیں گے آپ اسی پر دار مدار ہے ایمانِ ابو طالبؑ کا، اس لئے کہ سارے مورّخین نے لکھا کہ جب کہا رسولؐ نے کہ چچا کلمہ پڑھ لیجئے تو کلمہ نہیں پڑھا، لیکن وہی مورّخ یہ بھی لکھتا ہے کہ ہاتھوں کو بلند کیا، ابو طالبؑ نے اور وہ سارے اشارے جو ابو طالبؑ نے کیے تھے، انگلی اور انگوٹھے کو بلند کیا، پھر یوں کیا، پھر یوں کیا، یہ وہ علم تھا جس سے عرب کے چند ہی لوگ واقف تھے، یہ ابو طالبؑ نے بتایا تھا لا الٰہ الا اللہ تو ہاتھ کے اشارے بھی ایک علم ہے تو یہ علم آج پتہ چلا جب ٹیلی ویژن پر آپ دیکھتے ہیں گونگوں کو کہ عین اور غین بتایا جا رہا ہے، یہ اشارے زبان بن گئے اور ایجاد تاریخِ شیعیت کے نام لکھی گئی، کیا کیا چیزیں بتاؤں، کہ اس تاریخ نے کیا کیا ایجاد کیا، اسی لئے بہت تبصروں کے بعد یہ طے ہوا ہے کہ اب آنے والے جتنے بھی عشرے ہوں اُن میں تاریخِ شیعیت پڑھی جائے، اس لئے کہ موضوع سمٹ ہی نہیں رہا، کیا کریں تو اب آئندہ سال انشاء اللہ پھر اسی پر گفتگو کریں گے، اس لئے کہ کل سے مختار کا حال شروع ہو جائے گا، علامہ رشید ترابی نے فن کا وہ جوہر پیش کیا ہے کہ اگر آج کے خطیب وہ اپنا لیں تو کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔ آپ دیکھئے کتنا مشکل ہے کہ فضائل چل رہے ہوں اور مباہلہ ہو، محرّم کی چار تاریخ ہو، مصائب پر آنا ہو تو کس طرح اچانک مع ربط کے اُس فن کے جوہر کو لئے ہوئے اچانک آواز دی کیا کہا نصرانیوں نے کہ وہ چہرے دیکھ رہے ہیں، دیکھئے چار

محترم ہے اور وقت وہ ہے کہ بس اب مصائب پر آ جانا ہے، لیکن کیسے آئیں گے، دیکھئے یہ ہے فنِ خطابت کا کمال، وہ چہرے دیکھ رہے ہیں کہ اگر یہ کہہ دیں تو پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں، تو اب وہ کہتے ہیں کون سے چہرے نصرانیوں نے دیکھے، رسولؐ کا چہرہ روز دیکھ رہے تھے، آج کونسا چہرہ دیکھا، علیؑ کا چہرہ روز دیکھ رہے تھے، مسجد میں آ رہے تھے، فاطمہؑ کا چہرہ نقاب میں چھپا تھا، کل دو چہرے دو بچے، ایک حسنؑ کا چہرہ ایک حسینؑ کا چہرہ، پہلی بار بچوں کو دیکھا تھا تبھی تو کہا وہ چہرے دیکھ رہے ہیں تو جملہ دیا دو بچوں نے میدانِ مباہلہ جیت لیا، ایک دم مباہلے سے کربلا کے دو بچوں پر آئے، مجلس پانچ دس منٹ میں تمام ہوگئی، نہ یہ کہ تم روتے روتے مر جاؤ، سر ٹکراؤ، سر پیٹو، آج انتقال ہو جائے تمہارا روؤ اور روؤ وہاں سے ساتھ آئے ہو ٹوٹ ٹوٹ کر روؤ، زبردستی آنکھوں سے آنسو کھینچ لو، کبھی کسی خطیب نے کیا ہو تو بتایئے، بھئی یہ فنِ خطابت نہیں ہے یہ بچپنا ہے تو بچوں کو سمجھانا ہے کہ خطابت کا کارواں کس طرح لے کر جانا ہے، ہمارے خطیبوں نے الگ رکھا یہ نثر ہے، یہ نظم ہے، جب نظم ہوگی تو اُس میں مبالغہ جائز ہے، علماء نے جائز قرار دیا، معصومینؑ نے جائز قرار دیا، لیکن نثر میں مبالغہ باطل ہے، اگر آپ مرثیئے کی کسی روایت کو پڑھنا چاہتے ہیں تو پڑھ کر شاعر نے جو لفظ رکھے ہیں یہ اُس کا اجتہاد ہے، آپ جب نثر بنائیں گے تو اپنی طرف سے لفظ داخل کریں گے، وہ مبالغہ ہو جائے گا، وہ آپ کا اجتہاد ہو جائے گا، وہ آپ کی خطائے اجتہادی ہو جائے گی، اُن سے خطا نہیں ہے، آپ سے خطا ہو جائے گی، اس مرثیہ کو اگر پڑھنا ہے تو مرثیے میں پڑھیے، شیریں کی روایت اگر پڑھنی ہے مرزا دبیرؔ کا مرثیہ پڑھ دیجیے۔

شیریں کو جب حسینؑ نے آزاد کر دیا

پورا پڑھ دیجیے، اگر نثر بنا کے پڑھیں گے تو روایت تبدیل ہو جائے گی، اس طرح سینکڑوں روایتیں مرثیوں میں ایسی ہیں جو شعراء کا تخیل ہیں اور اُنہیں اِذن تھا کہ سلام اور مرثیے میں نظم کریں لیکن مقتل اور ہے مرثیہ اور ہے، اسی لئے آپ نے دیکھا ہوگا جب میں مرثیہ پڑھتا ہوں تو مرثیہ کے بند پر روایت پڑھ کر پھر مجلس ختم کرتا ہوں، مقتل اور مرثیے میں فرق ہے، یہ ہمارا ادبی ورثہ ہے، ثقافتی ورثہ ہے اور بچوں کو سمجھانا ہے، زبان اس سے بنی، ادب اس سے بنا، مقتل کو مقتل رکھیے اور وہ روایتیں جو مرثیئے میں نظم ہیں کہ یزید نے سکینہؑ سے پوچھا کون سا پھل پسند ہے، سکینہؑ نے کہا انار، مرثیئے میں تو چل سکتا ہے آپ ذرا نثر میں پڑھیے یزید انار بھیج رہا ہے، آلِ محمدؐ کے مقتل میں یہ بات نہیں ملے گی کہ اس گھرانے کا بچہ یزید سے انار مانگے، دوسری بات یہ کہ مرثیئے کی ہر روایت پڑھنے کے قابل بھی نہیں ہے، اس لئے کہ جیسے جیسے زمانہ بڑھتا جاتا ہے کچھ متروک ہوتا جاتا ہے، کچھ بڑھتا جاتا ہے، کچھ نئی تحقیق آتی جاتی ہے، پہلے زمانے میں جو روایات رائج تھیں، پڑھی گئیں جب تحقیق ہوئی تو وہ متروک قرار دے دی گئیں، مثلاً ۲۲ رجب کی رات کو آپ بیٹھ کر لکڑ ہارے کی کہانی پڑھا کرتے تھے، کونڈوں پر اب حدیثِ کساء پڑھی جاتی ہے، متروک قرار دے دی گئی، لکڑ ہارے کی داستان، جنابِ سیّدہ کی کہانی میں جانے کتنے وزیروں اور بادشاہوں کی کہانیاں شامل کر دی گئیں تھیں، فلاں وزیر، فلاں وزیر اور فلاں بادشاہ، لیکن کہانی کل اتنی ہے کہ نبیؐ کی بیٹی شادی میں یہودی کے گھر گئی بس کل کہانی اتنی ہے بس اُسی کی اجازت ہے، اب اِدھر اُدھر سے شامل کیا گیا تھا وہ کہانی نہیں جزیات ہیں، اسی طرح مقتل بہت نازک چیز ہے اور ان نوجوان ذہنوں کی جو کربلا کو صحیح پیکر میں دیکھنا چاہتے ہیں آپ مسخ کر کے سنائیں گے تو غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں گی،

یہاں کچھ سنا، وہاں کچھ سنا، انہوں نے کچھ پڑھا اُنہوں نے کچھ پڑھا، اس لئے مرثیئے کو مرثیہ رکھیے، خطابت کو خطابت رکھیے، سوز خوانی سنئے وہ بھی ذاکرِ حسینؑ، نوحہ خوانی وہ بھی ذاکرِ حسینؑ، اور منبر پہ بھی ذاکرِ حسینؑ لیکن تینوں کے منصب الگ الگ ہیں، تینوں کے تقاضے جدا جدا ہیں، سوز خوانی، ایران میں مرثیئے کو لحن سے پڑھنے کا دستور اس لئے شروع ہوا کہ لحن میں سوز و گداز ہوتا ہے، اور سوز خوانی کا کام ہے شروع سے رُلانا، اب فضائل بھی بہر حال سوز خوانی میں آ گئے، لیکن پہلے فضائل نہیں تھے، صرف مصائب کے بند لحن سے پڑھے جاتے تھے، ایران میں بھی اور ہندوستان میں بھی اور وہ جو سوز خوانی کا فن آیا، ایران سے آیا اُس کا رواج، بادشاہوں کے دَور میں ہوا، اور قطب شاہی اور عادل شاہی دور میں اس کا ارتقاء ہوا، خواجہ میر دردؔ کے نواسے، خواجہ حسن مودودی جو اہل سنت والجماعت تھے دہلی میں اُنہوں نے سوز خوانی ایجاد کی، انہوں نے حیدری خاں کو سکھایا، جنہوں نے لکھنؤ میں اس کو رائج کیا، حیدری خاں نے میر سیّد علی کو سکھایا، سیّد علی نے پہلی بار دبیرؔ خلیقؔ و ضمیرؔ و انیسؔ کے مرثیے پڑھ کر سوز خوانی کو رائج کیا، لیکن اودھ میں ان کا اتنا وقار تھا کہ کسی بادشاہ کے دربار میں جا کر سوز خوانی نہیں کی، تاریخِ شیعیت کا حصہ ہے یہ کتاب بھی جس کا نام ہے ''آبِ حیات'' محمد حسین آزاد کی لکھی ہوئی یہ اُردو ادب کی پہلی تنقیدی اور تحقیقی کتاب ہے، تاریخ اودھ پر اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، اس میں جب انشا کا حال لکھا تو لکھتے ہیں کہ سعادت علی خان بادشاہ اودھ بڑی پُر وقار شخصیت تھے، اُن کے دَور میں میر سیّد علی مشہور سوز خواں تھے، ایک دن انشا اُن کے پاس گئے اور دیکھا کہ میر سیّد علی بستر باندھ رہے ہیں کہا کیا ارادہ ہے، کہا ہم وطن جا رہے ہیں، نظام نے بلایا ہے اب ہم اودھ میں نہیں رہیں گے۔ اس لئے کہ یہاں ہماری قدر دانی نہیں ہے، بادشاہ نے

کہلوایا تھا کہ دربار میں آ کر سوز خوانی کریں، ہم نے اُس سے کہہ دیا ہم سیّد زادے ہیں اگر اُن کو سننا ہے تو یہاں آ ئیں، ہم اپنے گھر میں سوز خوانی کرتے ہیں، ہم اُن کے دربار میں آ کر سوز خوانی نہیں کریں گے۔ یہ ہے بلندی سوز خوانوں کی، آج یہ عالم ہے کہ سوز خوان بیچارہ بیٹھتا ہے تخت پہ تو آپ یہ انتظار کرتے ہیں یہ اُترے تو ہم جا کے ذاکر کو سنیں، ہے نا ایسا، یہ تو روز ہی آپ کرتے ہیں، ابھی سوز خوانی ہو رہی ہے، جب مولانا بیٹھیں گے تو جائیں گے، وہ بے چارہ اپنا گلا پھاڑ رہا ہے اور کسی کو دلچسپی ہی نہیں اور دھیرے دھیرے وہ چیز ختم ہوتی جارہی ہے، کس کو سنائیں، پھر کوئی آئے گا نہیں تو بے چارے سوز خوان سنائیں کس کو، وجہ یہ ہے کہ ذوق خراب ہوتا جارہا ہے، جب ذوق بلند ہوگا تب سمجھ میں آئے گا، شعر اور یہ کس لحن میں پڑھا جارہا ہے، اس کا مقصد ہی آپ نہیں سمجھے کہ سوز خوانی کا مقصد کیا ہے، وہ سمجھتے ہیں یہ تو مجلس بنا کے ذاکر کو دیتا ہے، مجمعے کو جمع کرتا ہے، یہ منصب نہیں ہے سوز خوان کا، سوز خوان کا مرتبہ بہت بلند ہے، انشا نے دیکھا سیدھے دربار میں پہنچے، دیکھا چاندنی رات ہے اور بادشاہ چھپر کھٹ میں لیٹے ہوئے جھول رہے ہیں، قریب جا کر کھڑے ہو گئے کہا پھر کیوں آ گئے، ابھی تو غزل سنا کے گئے تھے۔ کہا اب ایک ضروری کام سے آئے ہیں، کہا کیا بات ہے کہا ابھی جب ہم باہر نکلے تو دیکھا کہ عروسِ سلطنت اودھ سولہ سنگھار کئے کھڑی ہے، آپ حیات انشاء کا چیپٹر (Chapter) محمد حسین آزاد لکھ رہے ہیں، یہ کھڑی ہوئی تھی، کہا پھر کیا پھر ہم نے دیکھا اُس کے ماتھے پر جھومر تھا، اب یہ بادشاہ ہی انشا کی زبان سمجھ سکتا ہے، کہا کون، کہا دلدار علی غفران مآب، سمجھ رہے ہیں نا آپ، یا دِقّت ہو رہی ہے، کہا پھر کہا، ہم نے اُس کے کانوں میں جھمکے دیکھے کہا کون کہا دونوں صاحب زادے، سیّد العلماء اور سلطان العلماء، کہا پھر کہا ہم نے اُس کے

گلے میں نولکھا ہار دیکھا، کہا کون، کہا خان علامہ، کہا پھر کہا ہم نے دیکھا عروس کی نتھ غائب تھی، میرا دل دھک سے ہو گیا کہ سہاگ کی نشانی تو نتھ ہے، یہ عروس بغیر سہاگ کی نشانی کے کیسی، اس کے بعد سیدھا میں یہاں آ گیا، کہا کون، کہا میر سیّد علی سوز خوان، دیکھا آپ نے، کہا واپس بلاؤ جانے نہ دینا اودھ کی سلطنت کی عروس کی نتھ اُتر جائے، اُس کا سہاگ چلا جائے، سوز خوانی سلطنتِ اودھ کے سہاگ کی نشانی قرار دی گئی، آج ہم نے سوز خوانوں کو کہاں پہنچایا اور یہی ان کی حیات میں واقعہ ہے کہ پالکی میں بیٹھ کر سوز خوانی کرنے نکلتے تھے، ایک بار آ رہے تھے سوز خوانی کر کے، چھوٹے چھوٹے بچے آئے دوڑتے، پالکی گھیر لی اور کہا ہم نے سبیل لگائی ہے، چندہ کیا ہے، اُس چندے سے ہم مجلس کرنا چاہتے ہیں، آپ پڑھ دیں گے، کہا جاؤ بھاگ جاؤ میں کہاں آؤں گا بچوں کی مجلس پڑھنے کے لئے، گھر آ گئے، یہ اُن کی حیات میں واقعہ لکھا ہے، رات کو سوئے تو خواب میں دیکھا، کہ امام حسینؑ نے آ کر کہا، میر سیّد علی وہاں ہم آئے تھے مجلس سننے تم نہیں آئے، اُسی وقت اُٹھے کہاروں سے کہا پالکی نکالو، پوچھتے ہوئے گئے، یہاں کچھ بچوں نے سبیل لگائی تھی، وہ بچے کہاں ہیں، رات ہو گئی تھی وہ بچے سو گئے تھے، بچوں کو اُٹھایا گیا کہ میر سیّد علی جیسا سوز خوان بچوں کو پوچھتا ہوا آیا ہے، بچے آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھے، بچوں کو بٹھایا، بڑے بھی آئے ایک عجیب مجلس پڑھی، اُنہوں نے بڑی رقت ہوئی، یہ ہیں وہ بڑے سوز خوان جن کا تاریخ میں نام آ گیا اور اُنہوں نے یہ سوز خوانی سکھا دی، علی حسن اور بندے حسن دو بھائیوں کو اور یہیں سے دو شجرے چلے، منجھو صاحب اور سجاد علی خاں یہ دو بڑے سوز خوان پیدا ہوئے اور انہی سے سیکھ کر آج پاکستان میں آپ کے سامنے پڑھ رہے ہیں، کوئی منجھو صاحب کا شاگرد ہے، کوئی سجاد علی خان کا، وہی سلسلہ نادر حسین کے صاحبزادے ہیں

سوز خوانوں کے اس طرح سلسلے چلے آ رہے ہیں، یہ فن وراثتاً آ رہا ہے، ایک کے بعد ایک اور ان سوز خوانوں میں ایک سلسلہ وہ ہے جو دہلی سے آیا، دوسرا سلسلہ گوالیار سے ہے، وہ سلسلہ ہے تان سین کے خاندان کے ایک ایک شخص ہیں اُن کے نواسے ناصر حسین نے سوز خوانی کو دوسری لے پر ڈالا اور اُن کا واقعہ تاریخ گوالیار میں یہ ہے کہ راجہ وہاں کا ہندو تھا، تان سین کا بیٹا اودے سین، عطرب تھا اُن کے دربار کا، ایک دن راجہ نے یہ کہا آج ہمارے دربار میں گانے کے لئے نہیں آیا، سپاہیوں کو بھیجا کہ جاؤ اُس کو بلا کر لے آؤ، سپاہی گئے اور آ کر کہہ دیا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ ہم نہیں آ سکتے، ہمارے گھر پر کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں، ہم ان کو چھوڑ کر نہیں آ سکتے، راجہ نے سنا وہ بے قرار ہو گیا، کہا وہ کون سے مہمان ہیں جو راجہ سے زیادہ اہم ہیں، ہم خود چلتے ہیں، راجہ آیا اور اُس کے سپاہی آئے اور جب اُس کے حجرے کے قریب پہنچے تو کھڑے ہو کر سننے لگے، وہ ستار بجا رہا تھا اور کوئی درد بھری لے پڑھ رہا تھا، راجہ نے دروازہ کھولا تو اُس نے دیکھا کہ دو چھوٹے چھوٹے تعزیئے رکھے ہیں، اُن کے سامنے آنکھیں بند کئے ہوئے کچھ درد بھرے اشعار پڑھ رہا ہے، راجہ نے پکار کر کہا تمہارے مہمان کہاں ہیں، اُس نے آنکھیں کھولیں اور کہا آپ کو نہیں معلوم زہراؑ کا لال میرے گھر کا مہمان ہے، اس لئے میں دس روز آپ کے گھر نہیں آ سکتا تھا، جب تک یہ ہمارے مہمان رہیں گے، ہم ان کی خدمت کریں گے، راجہ نے تعزیئے یہ کہہ کر اپنے سر پر رکھ لئے کہ اودے سین تمہارا مہمان راجہ کا مہمان ہے اب یہ دربار میں رہیں گے، وہ دن اور آج کا دن گوالیار کے ہر ہندو راجہ نے اپنے دربار میں تعزیہ رکھا اور اُس شان سے گوالیار کا محرّم منایا کہ ایک ہزار صفحے کی کتاب ہے، صرف گوالیار کے محرّم پر اور وہاں کا معجزہ یہ ہے کہ ضریح جب نکلنے لگتی ہے تو راجہ آ کر جب تک ہاتھ نہ

لگائے ضریح اپنی جگہ سے اُٹھتی نہیں، یہ سب سے بڑا وہاں کا معجزہ ہے، ایک سال راجہ کو کینسر ہو گیا اور وہ نہیں جا سکا، اُس نے رانی سے کہا تم جا کر ہاتھ رکھ دینا تو ہمارے آقا خود سواری کے ساتھ چلیں گے، رانی گئی تو شور ہو گیا کہ جب تک راجہ نہیں آئے گا تب تک ضریح نہیں اُٹھ سکے گی، اُس بیماری میں سن کر غصے میں چلا، ضریح کے قریب آیا، جیسے ہی ہاتھ لگایا، اُدھر ضریح اُٹھی، اُس کا مرض دور ہو گیا، تاریخ گوالیار میں لکھا ہوا ہے، اس طرح حسینؑ نے کیا کیا نعمات عزاداری کو بخشی ہیں، یہ ہے تاریخِ شیعیت کہ کس طرح ہندوؤں کو متاثر کیا، کہاں سوز خوانی متاثر کر رہی تھی، کہاں خطابت متاثر کر رہی تھی اور کہاں نوحہ خوانی متاثر کر رہی تھی، وہی نوحہ خوانی جس کا آغاز اور شب بیداریوں کا آغاز ہوا ۱۸۱۶ء میں پہلی انجمن ترتیب پائی اور قدیم انجمنوں میں عباسیہ، مظلومیہ اور پنجتنی یہ تین انجمنیں تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک صدی میں تین انجمنوں سے تین ہزار انجمنیں بن گئیں، انجمنیں بنانا کوئی بری بات نہیں ہے، بس تقریر میری تمام ہوئی، پورے ہفتے میں ہندوستان کے ہر عزا خانے میں یہ نوحہ پڑھا جا رہا تھا اور ایک دور تھا جب یہ نوحہ عزا خانوں میں گونجتا تھا، تو آپ یقین کیجئے، ایک ایک شعر پر اس طرح رقت ہوتی تھی، کہ مجھے وہ منظر ابھی تک یاد ہے، یہ نوحہ عورتوں میں بھی پڑھا گیا، مردوں میں بھی پڑھا گیا۔

زینبؑ کی دہائی تھی لٹی ہائے رے بھیا مانجائے رے بھیا

کس اُور گئے کون یہ بتلائے رے بھیا مانجائے رے بھیا

اکبرؑ سے کہو سانجھ سمے آ کے سنبھالیں ڈیروں کو بچا لیں

ہتھیارے ہمیں لوٹنے کو آئے رے بھیا مانجائے رے بھیا

یا یہ نوحہ بہت مقبول تھا، کسی زمانے میں:

ارمان نکالوں تمہیں پروان چڑھا لوں
ٹھہرو علی اکبرؑ تمہیں دولھا تو بنا لوں

کتنی عجیب بات ہے کہ جب آپ شعر میں کہہ دیں تو پُر درد مرثیہ بن جائے، لیکن نثر میں علماء نے اس کی اجازت نہیں دی کہ ہم نثر میں پڑھیں، بات صرف اتنی تھی کہ شاعر نے کربلا کے اُن نوجوانوں کو نوشاہ کے روپ میں دیکھا تو اگر یہ جیتے تو نوشاہ بنتے اور ماؤں کے ارمان پورے ہوتے، بس دیکھئے بڑا امپورٹینٹ (important) موضوع ہے، جس پر تقریر کو تمام کر رہا ہوں اور ذہنوں میں سوال اکثر اُٹھتا ہے کہ شاعر علی اکبرؑ کو دولھا کیوں کہتا ہے، قاسمؑ کو دولھا کیوں کہتا ہے، عونؑ و محمدؑ کو دولھا کیوں کہتا ہے، یہ آگ پر ماتم کیوں ہوتا ہے، قاسمؑ دولھا، قاسمؑ دولھا کا ماتم کیوں ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ کتنی مائیں تھیں جن کو یہ تمنا تھی کہ میرے بچے دولھا بنیں، ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ زینبؑ نے علی اکبرؑ کو جو پالا تھا، تو کیا یہ تمنا نہیں تھی کہ میرا لال دولھا بنے گا، کیا اُمِ لیلیٰؑ کو یہ خواہش نہیں تھی کہ میرا لال دولھا بنے گا، کیا اُمِ فروہؑ کو تمنا یہ نہیں تھی کہ قاسمؑ دولھا بنے، زینب کی تمنا نہیں تھی کہ عونؑ و محمدؑ دولھا بنیں، لیکن کیا کہنا ان ماؤں کا جنہوں نے اپنے بچوں کا موت سے بیاہ کر دیا، لہو کی مہندی ہاتھ پہ لگا کر ہاتھ میں لہو کی مہندی رچا کر جب خون کی دھاروں کو سہرا باندھ کر یہ دولھا آئے، خیموں میں تو ماؤں کو خوشی ہوئی ہوگی کہ میرے بچے دولھا بن گئے، پروان چڑھ گئے، قدرت نے دیکھ لیا کہ بچے نوشاہ بن کر کتنی خوشی سے گئے اور موت سے بیاہ رچا لیا اب ذرا تصور کیجئے کہ اب ماؤں نے زندگیاں کیسے گزاری ہوں گی، جب اکبرؑ کی جوانی، اکبرؑ کا شباب، تصور میں آتا ہوگا تو اُمِ لیلیٰؑ کیسے ہاتھ ملتی ہوں گی، کیسے اُٹھتی ہوں گی، کیسے پانی پیتی ہوں گی، اب کیا سنائیں بعد کربلا کیا ہوا، نہ جملہ سنو، تمہارے

گھر میں بھی عیدیں آتی ہیں، خوشیاں آتی ہیں، شادیاں ہوتی ہیں، یہ بتاؤ جس گھر سے اٹھارہ لاشے نکلیں وہ مائیں کیسے خوشیاں منائیں، بس آج یہی بتانا چاہتا ہوں بعد کربلا جب عید آئی اور مدینے کی گلیوں میں علی اکبرؑ کے دوست ایک دوسرے سے عید مل رہے تھے، قاسمؑ کے ساتھی آپس میں عید مل رہے تھے، عونؑ و محمدؑ کے دوست.......... عید آئی، اکبرؑ نہیں تھے، قاسمؑ نہیں تھے، بھرا گھر رونقوں سے خالی، خاک اُڑ رہی تھی، مدینہ اُجڑ گیا، ماتم حسینؑ۔

دسویں مجلس

تاریخِ شیعیت

ذکرِ مختار:......

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

تمام تعریفیں اللہ کے لئے اور درود و سلام محمدؐ وآلِ محمدؐ کے لئے

انجمن رضائے حسینی کا عشرہ آج مکمل ہو رہا ہے اور یہ اس عشرے کی آخری مجلس یعنی دسویں مجلس ہے۔ کل انشاء اللہ اسی انجمن کی اٹھارویں سالانہ شبِ بیداری ہے۔ موضوع کو ہم اپنے حتی الامکان کامل کر رہے ہیں۔ واقعۂ کربلا کے بعد اسلامی سلطنت میں یزید کے کفر اور نبیؐ کے نواسے کی شہادت کی بنا پر پورا ملک بغاوت پر آمادہ تھا۔ ملک بحرانی حالات سے گزر رہا تھا، جناب عالی ملک کا عالم جب یہ ہو جاتا ہے تو پھر انقلاب آتا ہے پھر ایسا انقلاب آتا ہے کہ انسان پناہ مانگنے لگتا ہے تو پھر اُس کی سمجھ میں نہیں آتا کہاں جائیں کس بل میں گھس جائیں کیا کریں، پھر اُس کو پناہ نہیں ملتی تو وہ چھوڑے گا نہیں کسی کو اور جو طے کر لیں کہ انقلاب آئے گا اور اگر خدائی انقلاب ہو جائے مادیت کے ساتھ ساتھ روحانیت بھی شامل ہو جائے تو انقلاب کا کیا عالم ہوگا سوچیں آپ سب بنی اُمیہ بڑے آرام سے بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے رسولؐ اللہ کے پورے گھر کو قتل کر کے ختم کر کے نام ونشان مٹا دیا عورتوں کو اسیر کر کے ان کی فکروں

کود بادیا ایک بچا ہے قیدی اسے مدینے بھجوادو کیا کریں گے یہ لوگ کیا اُبھریں گے اور اطمینان سے قصر و محل ہیرے جواہرات فوج لشکر اور عیش و عشرت اور کنیزیں اور شراب میں پورا ملک ڈوب گیا ایسا لگتا تھا، نہ یہاں قرآن آیا تھا نہ یہاں کبھی کوئی نبیؐ آیا تھا ایسا لگتا تھا رومی بادشاہوں کے قیصر و کسریٰ کا ملک ہے، یہاں نہ اسلام تھا، نہ کوئی مذہب، قدرت نے ایک بار عتاب سے عرب و عراق و کوفہ و رے کو دیکھا بس قدرت کی نگاہوں کا بدلنا تھا کہ زمانے نے اک بار کروٹ لی کروٹ جو زمانے نے لی تو وہ محبّ آلِ محمدؐ جو ابن زیاد کے مظالم سے خاموش تھے اچانک ان میں فکر جاگنے لگی، کثیر ابن عامر ہمدانی جو کوفے کی مسجد میں بچوں کو قرآن پڑھاتے تھے اور اُن بچوں میں سنان ابن انس کا بیٹا بھی پڑھتا تھا یہ سنان ابن انس قاتلِ علی اکبرؑ ہے سنان ابن انس کا بیٹا بھی انہیں بچوں میں بیٹھتا تھا اُسی سے کثیر ابن عامر ہمدانی نے پانی مانگ لیا اُس نے پانی دے دیا پانی پی کر کثیر ابن عامر ہمدانی نے کہا ہائے حسینؑ کی پیاس بس یہ کلمہ کہنا تھا اک بار اُس نے پلٹ کر دیکھا وہ نہیں سمجھے اگلا جملہ کہا خدا قاتلان حسینؑ پر لعنت کرے، بس یہ سننا تھا کہ سنان ابن انس کا بیٹا اُٹھ کر شر پر آمادہ ہو گیا اور کہا ہم پر لعنت کر رہے ہو، تم ہمارے باپ پر لعنت کر رہے ہو، تو معلم گھبرا گیا کہا نہیں نہیں تم نے غلط سنا، خوف و ڈر کا عالم کیا تھا نہیں ہم نے کچھ نہیں کہا تم نے غلط سنا ہے ہم نے یہ سب کچھ نہیں کہا اس وقت تو وہ چپ ہو گیا لیکن بعد میں ایک کھنڈر میں گیا اور جا کر اپنے آپ کو پتھروں سے زخمی کیا اپنے کپڑوں کو پھاڑ لیا اور باپ کے پاس روتا ہوا گیا اور شکایت کی کہ وہ معلم حسینؑ کا محبّ ہے اُس نے پانی پی کر ہم پر لعنت کی ہے اور تمام قاتلانِ حسینؑ پر لعنت کی ہے، سنان ابن انس بیٹے کو لیکر ابن زیاد کے دربار میں گیا ابن زیاد نے پوچھا یہ کیا ہے کہا یہ جو مسجد کوفہ میں معلم ہے اُس نے میرے بیٹے کو مارا ہم پر اور تمام قاتلان

حسینؑ پر پانی پینے کے بعد لعنت کی ہے یہ سننا تھا کہ ابن زیاد غصہ میں آیا اور کہا کہ اس کو گرفتار کر کے لایا جائے گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے لایا گیا اور بے انتہا اس کو تازیانے مارے گئے جب تازیانوں کے ظلم سے بے جان ہو گیا تو حکم ہوا کہ اس کو اُس قید خانے میں ڈال دو جہاں سے کبھی کوئی نکلتا نہیں، ابن زیاد کا محل عرب کا سب سے بڑا محل جس کے نہ معلوم کتنے دروازے اور اس کے نیچے وہ قید خانہ ہے جس کے تہہ خانے میں اترنے کے لیئے پچاس سیڑھیاں ہیں اتنا اندھیرا کہ آدمی جائے تو ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے اور اُس اندھیرے قید خانے میں ایک لاکھ قیدی قید ہیں کب سے قید ہیں جب مسلمؑ آئے تھے کوفے میں ایک عرصہ گزر گیا جب قید ہوئے تھے تو وہ ۶۰ھ تھا اب ۶۳ھ آ گیا تین برس گزر گئے اس قید میں گلوں میں خاردار طوق اور پشت پر ہاتھ بندھے ہوئے ہیں پیروں میں بیڑیاں اور کھانے میں وہ دوا دی جائے، جو اونٹ کے جسم پر ملی جاتی ہے، جس سے کلیجہ کٹ جاتا ہے نہ پانی نہ روٹی ایک لاکھ قیدی اور انہی قیدیوں میں نیا قیدی آیا، قیدی قریب آیا، مختار نے کہا کون ہے، کہا میں کثیر بن عامر ہمدانی مسجد کوفہ کا معلم بس یہ سننا تھا کہ مختار نے نام سنا اور مختار نے کہا اے کثیر بن عامر تم آزاد ہو جاؤ گے، ایک غلام علیؑ کا ایسا ہے جو قید خانے میں خبریں سنا رہا ہے۔ تو مولا اگر خبریں سنا جائیں تو حیرت کیا ہے، کثیر گھبراؤ نہ جلد آزاد ہو جاؤ گے، ادھر کثیر قید خانہ میں آیا اُدھر کثیر کی بیٹی جس کا نام بستان تھا وہ ابن زیاد کی بیٹی کے بچّے کی دایہ تھی بھتیجی اس کی روتی ہوئی گئی اور جا کر ابن زیاد کی بیٹی سے کہا کہ میرے چچا کو تیرے باپ نے قید خانہ میں ڈال دیا، وہ روتی ہوئی باپ کے پاس گئی، تیری بیٹی کے بچّے کی دایہ ہے اُس کے باپ کو گرفتار کر لیا ہے اس لیئے میں چاہتی ہوں کہ اُسے قید سے جلدی آزاد کر دیا جائے، ابن زیاد نے فوراً سنتے ہی حکم دیا جاؤ کثیر ابن عامر ہمدانی کو قید سے آزاد کر دو

ادھر قیدی کو آزاد کرنے دربان بڑھا اُدھر مختار نے کہا اے کثیر ابن عامر تمہاری آزادی کا پروانہ آرہا ہے اے کثیر ابن عامر جو میرے مولاؑ نے کہا ہے وہ سب کچھ ہوگا جب کثیر ابن عامر چلنے لگے تو مختارؒ نے کہا سنو اتنا کرم کرنا کسی طریقے سے کاغذ قلم اور دوات مجھ تک پہنچوا دینا کثیر نے کہا میری جان بھی چلی جائے اے مختار یہ تینوں چیزیں میں ضرور پہنچا کر رہوں گا کثیر آزاد ہوئے گھر آئے اور گھر آنے کے بعد بیوی سے کہا جا میں نے تجھے طلاق دی اُس نے کہا طلاق کیوں دیتے ہو میں بھی محبِ حسینؑ ہوں اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ کوئی راز لے کر آئے ہو قید خانے سے اُس کو میں فاش کر دوں گی تو ایسا نہیں ہے میں تمہارے راز کو راز رکھوں گی مجھے طلاق مت دو میں تمہاری مددگار رہوں گی کہا اچھا وعدہ کرو قسم کھاؤ زوجہ نے قسم لی اب اُس کے بعد شام ہوئی کپڑے بدلے تیار ہوئے ایک خوان سجایا اُس میں کچھ پھل رکھے کچھ روٹیاں رکھیں کچھ مٹھائیاں رکھیں ایک تھیلی میں درہم و دینار رکھے اور خود اپنے سر پر رکھ کر اُس گلی میں چلے جس گلی میں قید خانے کا دربان کا گھر تھا اُس کے گھر پہنچے گھر پر دستک دی زوجہ باہر آئی اُس نے کہا کیا بات ہے کہا یہ ہم نے نذر مانی تھی نذر پوری ہوگئی یہ دربان کو دے دینا دوسرا دن آیا پھر اسی طرح نذر خوان سجایا اب جو تیسرا دن آیا تو دربان زوجہ سے کہہ رہا تھا کہ معلم کی نذر تین دن کی نہیں معلوم ہوتی ایسا لگتا ہے کہ مجھ سے کوئی حاجت رکھتا ہے اور اگر وہ مختار کو چھڑوانے کی بات بھی کرے گا تو میں جان دے دوں گا اس لیے کہ میرے دل میں اُس کی محبت آ گئی ہے یہ قدرت کا انتظام جاری و ساری ہے، اُس کی لاٹھی بے آواز ہے، شام ہوئی کثیر آیا اب یہ کھڑا ہوا احترام کیا، گلے سے لگالیا اور کہا کثیر ابن عامر بتاؤ کیا چاہتے ہو کہا بات تو راز کی ہے دربان کہتا ہے اطمینان کرو تمہارا راز ہمارا راز ہے، ہمیں بھی محبِ حسینؑ سمجھ کہا قلم دوات اور کاغذ اندر پہنچانا ہے کہا اطمینان رکھو ایسا کرو کچھ

کھیرے لاؤ کچھ اخروٹ لاؤ اور روٹیاں پکوالو سب تیار کر کے کھانا سجادو میرے پاس لے کر آنا میں زندان کے دروازے پر پکار کر کہوں گا یہ قید سے آزاد ہوا ہے نذر کا کھانا لایا ہے میں اندر کھانا بھجوادوں گا کھانا تیار کروا کر چلے کثیر ابن عامر نے کھیرے میں قلم رکھا اخروٹ میں روشنائی رکھی روٹیوں میں کاغذ چھپایا، خوان پوش ڈھک کر خوان پوش لے کر قید خانہ کی طرف چلے جب عامر بات کر رہے تھے زندان بان سے اس کا لڑکا جو تھا اُس کا نام تھا بشارت وہ سن رہا تھا وہ سیدھا پہنچ گیا ابن زیاد کے پاس کہا اے امیر وہ دونوں سازش تیار کر رہے ہیں اور قید خانے میں کاغذ قلم اور دوات جانے والی ہے اور مختار کو آزاد کرنے کی فکر میں ہیں ابن زیاد غصہ میں سپاہیوں کو لے کر زندان کی طرف چلا کھانا سامنے رکھا تھا ایک بار قریب پہنچ کر کھانے کے خوان کو اُلٹا کھیروں کو اخروٹ کو اور روٹیوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھتا تھا مگر اللہ نے نگاہوں پر پردہ ڈال دیا تھا، اندھا بنا دیا نہ قلم نظر آیا نہ سیاہی نظر آئی نہ کاغذ نظر آیا، اس لئے اب قدرت کا نظام جاری وساری ہے امیر نے پلٹ کر کہا بلاؤ اُس لڑکے کو جس نے خبر دی تھی ورنہ ہم آج تو زندان بان کو بھی قتل کر دیتے اور کثیر ابن عامر کو بھی قتل کر دیتے لڑکے کو بلایا گیا زندان بان نے کہا اے امیر بات یہ ہے آج میں تجھے اک راز بتانا چاہتا ہوں وہ راز یہ ہے کہ یہ بیٹا میرا نہیں ہے ابن زیاد نے کہا تو پھر کہا اس کو میں نے سڑک پر پڑا پایا تھا، اس لئے یہ مجلسیں سنائی جاتی ہیں کہ انسان کچھ دیر کے لئے اپنے نسب نامے کو جانچ لے کہ وہ کونسا قدم کدھر اُٹھا رہا ہے،، جس نے اہلِ بیتؑ کے خلاف کوئی عمل کیا، اُس کا شجرہ پاک نہیں ہوتا، میرے اولاد نہیں تھی رحم کھا کر اس کو میں نے پال لیا پرورش کی جوان ہوگیا تو اُس نے میری بیوی پر نگاہِ بد ڈالیں اس نے اُس بات کا انتقام لیا ہے کہ میں نے اس کو منع کیا تھا، اے ابن زیاد اس کا نسب خراب ہے یعنی زندان بان نے بتلایا کہ اپنے باپ کے خلاف جو

سازش کرے اُس کا نسب خراب ہوتا ہے، ابنِ زیاد نے اُس لڑکے کو قتل کروادیا، اُس کا
مقدر یہی تھا، کھانا قید خانے میں پہنچ گیا جب کھانا مختارؓ کے پاس پہنچا تو روٹی سے کاغذ
نکالا اخروٹ سے روشنائی اور کھیرے سے قلم نکالا اور کاغذ پر خط لکھنا شروع کیا دو خط
لکھے ایک اپنے بہنوئی کے نام ایک اپنی بہن کے نام بہن کا نام ہے صفیہ، بہنوئی کون
ہیں مختار کے آپ کو پتہ ہے، عبداللہ بن عمر بن خطاب، خلیفہ عمر کے سب سے بڑے
بیٹے جنابِ مختارؓ کے سگے بہنوئی اور یزید ان کا کہا بہت مانتا تھا اس لیئے کہ صحابیٔ رسولؐ
تھے، مدینے میں اور شام میں بڑا احترام تھا، ان کو خط لکھا کہ یہ خط ہے مختار ثقفی کا عبداللہ
بن عمر کے نام جس طرح بھی ہو یزید سے سفارش کر کے ہمیں آزاد کراو، اس لیئے کہ
ہمارے گلے اور ہاتھ اور پاؤں میں اتنے زخم ہو گئے ہیں کہ اب ہم زیادہ دن جی نہ
پائیں گے ایک خط بہن کے نام لکھا اور پھر کہا مختار نے کہ کاش کوئی ایسا قاصد ہوتا جو
اس خط کو عبداللہ بن عمر تک پہنچا دیتا، کثیر نے کہا اے امیر مختار ہم یہ خط لے کر جائیں
گے، آئے گھر اور ایک بار غسل کر کے سفید احرام باندھا، حج کی نیت کی، گھوڑے پر
بیٹھے اور دارالامارہ کے دروازے کے پاس آ کر تلبیہ کہا "اللّٰھمّٰ لبیک، اللّٰھمّٰ
لبیک"۔ ابن زیاد نے آواز سن لی کہا اتنی رات گئے یہ تلبیہ کون کہہ رہا ہے، کہا کثیر ابن
عامر جو آپ کی قید سے آزاد ہوا ہے، ابن زیاد نے پاس بلایا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو،
کثیر ابن عامر نے کہا میں نے منت مانی تھی قید سے آزاد ہوں گا تو عمرہ کرنے جاؤں
گا، کہا تم نے جلدی جلدی منتیں مانیں کہا امیر آپ نے کرم کیا ہے تو کہا اسے دس دینار
دے دو تا کہ یہ خانہ کعبہ چلا جائے وہ دینار تو اس نے غریبوں میں تقسیم کیئے اپنی رقم سے
چلا اور اتنی تیز چلا کہ سیدھے مدینے جا کر دم لیا عبداللہ ابن عمر کے گھر پر اس وقت
پہنچا جب دستر خوان بچھا تھا عبداللہ بن عمر اپنی بیوی سے کہہ رہے تھے کھانا کھالو اور صفیہ

یہ کہہ رہی تھی جب تک میرا بھائی قید سے نہ چھوٹے گا اس وقت تک میں کھانا نہیں کھاؤں گی، اتنی دیر میں دروازے پر دستک ہوئی عبداللہ ابن عمر دروازے پر آئے کہا کیا بات ہے، کہا ہم مختار ثقفی کا خط لائے ہیں اندر جا کر صفیہ کو خوشخبری سنائی کہا تمہارے بھائی کا خط آیا ہے صفیہ نے بھائی کے خط کو بوسہ دیا خط پڑھ کر روتے روتے بیہوش ہوگئیں اور شوہر سے کہا اسی وقت یزید کو خط لکھو کہ میرے بھائی کو آزاد کر دے اسی وقت قلم و کاغذ منگا کر عبداللہ ابنِ عمر نے یزید کو خط لکھنا شروع کیا لکھا کہ اے یزید یہ خط عبداللہ ابن عمر خلیفہ ثانی کی جانب سے جونہی یہ خط آپ تک پہنچے تو مختار کی آزادی کا پروانہ لکھ کر ابن زیادہ کو بھیج دو، اب انتظار میں تھے کہ کون آئے اور خط لے جائے کثیر ابن عامر ہمدانی نے کہا کہ یہ خط ہم لے کر جائیں گے ہمارے ذمہ کر دو خط لیا اور تیز چلا اور دمشق جا کر دم لیا اور قصر یزید کے سامنے کی مسجد میں جا کر قیام کیا وہیں نماز ادا کرتے ہیں اور روزانہ پکارتے ہیں کہ کوئی ہے جو میری حاجت کو پورا کرے ایک دن ایسا ہوا کہ پکارتے پکارتے رات ہوگئی سب نمازی چلے گئے، پیش امام نے دل میں کہا، چلو پوچھ ہی لو روز پکارتا ہے کہا کیا حاجت ہے کہا میں مسافر ہوں ایک خط یزید کے نام لے کر مدینے سے آیا ہوں میں یہ چاہتا ہوں یہ خط اس تک پہنچ جائے دو تین مرتبہ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا، تو اُس نے کہا میں ایک ترکیب بتاتا ہوں، ترکیب یہ ہے خیال رکھنا یزید کے دربار تک جانے کے لیے دس دروازے ہیں، پہلے دروازے پر جب جاؤ گے تو ایک ہزار سپاہی دروازے پر پانچ سو دربان مسند بچھائے ملیں گے اور دوسرے دروازے پر دو ہزار سپاہی جب تیسرے دروازے پر پہنچو گے تو کچھ سپاہی سفید لباس میں ملیں گے، اس طرح وہ بتاتا جاتا ہے کہ جب ساتویں دروازے تک پہنچو گے تو دیکھو گے سفید لباس میں بہت سے سپاہی ہیں لیکن تم جب پہلے دروازے پر جاؤ تو یہ کرنا

کہ سپاہیوں کی طرف نہیں دیکھنا، اسی طرح دوسرے دروازے اور تیسرے اور ساتویں دروازے سے اسی طرح گزر جانا، جب دسویں دروازے میں داخل ہو گے تو دیکھو گے سونے کے چبوترے پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، جو زریں لباس پہنے ہوئے ہیں، یہ طشتیہ کہلاتے ہیں، ان کا کام ہے صرف بیٹھے رہنا اور شراب پینا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حسینؑ کا سر طشت میں رکھ کر یزید کے سامنے پیش کیا تھا، یزید نے ان کا عہدہ بڑھا کر سونے کے چبوترے پر بٹھا دیا ہے، لیکن تم ادھر بھی نہ دیکھنا اگر تم دیکھ لو گے راز کھل جائے گا کہ کوئی نیا آدمی آیا ہے، جب سرخ قالین دیکھنا اس پر چلنا وہ سرخ قالین حمام تک جاتا ہے، حمام کے دروازے پر پہنچ کر تم دیکھو گے کہ یزید کی سواری آرہی ہے، پانچ سو خوبصورت لڑکے یزید کو گھیرے ہوئے آرہے ہیں آگے آگے ایک ایسا نوجوان آرہا ہوگا جو سیاہ کپڑوں میں ملبوس ہوگا وہ غلامِ یزید ہے لیکن مومن ہے محبِ حسینؑ ہے، ازار بند بیچ کر اپنی روزی کماتا ہے، یزید کے پیسوں میں سے کچھ نہیں کھاتا جب سے حسینؑ شہید ہوئے ہیں سیاہ لباس پہن لیا ہے، لیکن ترکی غلام ہے یزید اس کا بہت کہنا مانتا ہے اُس کے پاس جانا جو تم چاہتے ہو وہ تمہارا کام کروا دے گا صبح ہوئی جو بتایا تھا اسی طرح چلے دس دروازے طے کئے جو بتایا تھا اُسی حمام تک پہنچے دیکھا کہ یزید آرہا ہے محل کا ماحول دیکھا یزید کا سراپا دیکھا، ناک پر ایک بدنما نشان تھا سیاہ چہرہ اور اس طرح وہ آیا کہ آگے وہ سیاہ پوش جوان تھا، کثیر ابن عامر آگے دوڑے اور دوڑ کر سلام کیا اور اُس جوان نے کہا کثیر بن عامر اتنے دن سے کہاں تھے کہا آپ کو میرا نام کیسے معلوم کہا اٹھارہ دنوں سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں اٹھارہ دنوں سے حسینؑ ابن علیؑ میرے خواب میں آکر کہتے ہیں کہ میرا مہمان آیا ہوا ہے کہا میں تمہارا منتظر ہوں تم اب تک کیوں نہیں آئے کہا کوئی ذریعہ نہیں مل رہا تھا رونے لگے کثیر ابن عامر نے کہا مولاً

نے آپ کو اطلاع دے دی، لاؤ وہ خط کہاں ہے کثیر بن عامر ہمدانی نے خط نکال کر دیا اتنی دیر میں یزید کی سواری آگے بڑھی تھی غلام آگے بڑھا کہا یہ خط آیا ہے مدینے سے عبداللہ بن عمر کا یزید نے رُک کر حمام کے دروازے پر خط کو پڑھا خط کا پڑھنا تھا کہ چہرے کا رنگ بدل گیا، کہا اے میرے عزیز ترین غلام تو اگر دس لاکھ روپے بھی مانگتا تو یزید کو اتنا محسوس نہ ہوتا جتنا تو نے یہ خط دے کر تشویش میں ڈال دیا، لیکن کبھی تو نے مجھ سے کچھ نہیں مانگا، یہ ہے کردار محبِ حسینؑ کا دربار یزید میں رہ کر آج تک یزید سے کچھ نہ مانگا، شاید اس لیئے رکا ہوا تھا بس ایک چیز مانگی ہے قدرت نے کہاں کون سے کردار کس طرح رکھے تھے، کیا انتظام تھا، جا قلم اور کاغذ منگوا دے میں خط لکھتا ہوں خط لکھا ابن زیاد کو لکھتا ہے کہ جیسے ہی یہ خط ملے مختار کو قید سے فوراً چھوڑ دے اور مڑ کر کہا اے کثیر ابن عامر تم مجھے محبّ علیؑ معلوم ہوتے ہو، کہا امیر مجھے کیا غرض میں تو نامہ بر ہوں نامہ ملا اور آ گیا کثیر ابن عامر ہمدانی یزید کا خط لے کر اتنا تیز چلے اور کوفے میں آ کر دم لیا دارالامارہ کے قریب پہنچے اور دربار کی طرف چل دیئے دربان دوڑے پکڑنے کے لیئے خط کو دیکھا کر کہا یزید کا خط ہے اگر ذرہ سی دیر ہوگئی تو سر قلم ہو جائیں گے، لوگ پیچھے ہٹ گئے، کثیر ابن عامر سیدھے ابن زیاد کے سامنے گئے اور خط کو لے جا کر سامنے رکھا، ابن زیاد نے خط تو پڑھا لیکن سر سے پیر تک کانپنے لگا اس لیے کہ جب یزید کا خط پاتا تھا، اُسے چومتا تھا سر پر رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ یزید کا حکم میرے لیے خدا کا حکم ہے، حکم آیا اُسی وقت کہا جاؤ مختار کو قید سے لے آؤ، مختار قید سے لائے گئے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کٹنے لگیں، علاج کرانے کے لیے حکیم ساتھ کیئے گئے، اور شرط لگائی گئی کہ سات دن کے اندر اندر کوفہ چھوڑ دو، مختار جب ذرا صحت مند ہوئے تو ناقے پر بیٹھے اور طائف چلے گئے، جہاں کے رہنے والے تھے، کچھ دنوں کے بعد مکے آئے

عبداللہ ابن زبیر سے ملے، کہا میرے ساتھ مل کر خونِ حسینؑ کا انتقام لو، عبداللہ ابن زبیر نے کہا اگر ہماری حکومت مضبوط بناؤ تو اُس کے بعد دیکھا جائے گا، مختار نے اس بات کو پسند نہیں کیا، مدینے گئے محمد حنفیہؓ کی خدمت میں پہنچے، سید سجادؑ کی خدمت میں آئے، جب امام کی خدمت میں آئے تو امام نے مختار کا چہرہ دیکھا اور کہا مختار تمہارے لیے جو بھی حکم ہے ہمارے جد نے ہمارے نانا نے ہمارے دادا نے ہمارے چچا نے محمد حنفیہؓ کے سپرد کیا ہے، اب ہمارے پاس نہ آنا، محمد حنفیہؓ کے پاس گئے محمد حنفیہؓ گھر میں گئے اور ایک صندوقچہ لائے اور مختار کے حوالے کر دیا مختار وہاں سے چلے اور کوفے آئے مالک اشتر کے گھر پر، مالک اشتر کے بیٹے ابراہیم سے ملے اور کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ قاتلانِ حسینؑ اب کسی پناہ میں نہ رہیں، ابراہیم نے اس بات کو پسند کیا اور اُس کے بعد راتوں میں طے یہ ہونے لگا کہ ہمیں کیا کرنا ہے، یہاں تک کہ یزید کے مرنے کی خبر آئی یزید واصلِ جہنم ہوا مروان خلیفہ ہوا چند مہینوں کے بعد دس یا گیارہ مہینوں کے بعد مروان بھی مر گیا اب عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا بنی اُمیہ میں اور عبداللہ بن زبیر میں جنگیں ہونے لگیں عبداللہ بن زبیر نے کوفہ پہ حملہ کیا ابن زیاد ساری دولت لے کر بصرے بھاگ گیا، عبداللہ ابن مطیع کو گورنر بنایا گیا کوفہ کا، یہاں مختار اور ابراہیم بن مالک اشتر تمام سرداروں سے ملتے پھر رہے ہیں، یہاں تک وہ پروگرام جو طے ہوا تھا وہ چودہ ربیع الثانی ۶۶ھ میں طے ہوا تھا شب میں جس جس گھر پر آگ جلتی جائے لشکر نکلتے جائیں اور ''یا ثارۃ الحسین'' کے نعرے لگاتے جائیں اے خونِ حسینؑ کے انتقام لینے والو اپنے اپنے گھروں سے نکل آؤ اور تیار ہو جاؤ یہ سب کچھ طے تھا کہ کو ابراہیم بن مالک اشتر رات کو نکلے جو داروغہ تھا عبداللہ ابن مطیع کا ایاز وہ راستے میں اپنے لشکر کے ساتھ ٹکرا گیا سامنے ابراہیم کو پایا تلوار نکالی، ابراہیم نے ایاز داروغہ کا سر اڑا دیا سر لیے ہوئے مختار

کے پاس گئے مختار نے کہا یہ تو نیک فال ہے، ہم تو کل خروج کرنا چاہتے تھے تم نے آج سے شروع کر دیا جاؤ گلیوں گلیوں جا کے جلدی بتاؤ ابراہیم لشکر کو لیئے دوڑتے جاتے تھے اور ہر گلی سے کہیں سے تین ہزار کہیں سے چار ہزار کہیں سے پانچ ہزار سپاہی نکلتے جاتے تھے ''یا الثارۃ الحسینؑ'' اے خونِ حسینؑ کا انتقام لینے والو باہر نکل آؤ کوفہ میں یلغار ہوگئی انقلاب آ گیا اور ایک بار پورے لشکر نے دارالامارہ کو گھیر لیا عبداللہ بن مطیع دارالامارہ کے پچھلے دروازے سے گھبرا کر بھاگ نکلا لشکر بھی بھاگا اور مختار اور ابراہیم نے پہلے دارالامارہ کے دروازوں کو توڑا اور قید خانہ کے دروازوں کو توڑا سب سے پہلے ان قیدیوں کو آزاد کرایا گیا جو عرصہ سے قید تھے ایک لاکھ قیدی باہر آئے مختار کا لشکر دیکھنے والا تھا، کوفے کے عظیم الشان میدان میں صبح کو جمعہ تھا مختار نے مسجد کوفہ میں خطبہ دیا تقریر کی اور بتایا کہ کیا ہوگیا، سارے قیدیوں کو نہیں معلوم تھا کہ کیا انقلاب کوفے میں آ گیا اب آج سب کو معلوم ہوا پورا لشکر عراق کا رخ کرتا ہے قبر حسینؑ کا طواف کرتا ہے اور خنجروں کو نکال کر ماتم کرتا ہے یہ پہلا ماتم ہے جو قمع اور زنجیروں کا ماتم ہوا حسینؑ کی قبر کا طواف کر کے لشکر واپس آیا سب نے سروں سے کفن باندھ لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے لشکر تیار ہوا یہاں تک کہ سات دن کے اندر اندر پورے عراق پر مختار کی حکومت تھی اور ہر صوبے میں مختار کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور عبداللہ ابن کامل کو انچارج بنایا یعنی کوفہ کا کوتوال بنایا اور سب کی ڈیوٹیاں لگا دیں اور کہا جہاں جہاں قاتلِ حسینؑ بھاگ کر گئے ہیں مختار کا تسلط ہوتے ہی سارے قاتلانِ حسینؑ چھپ گئے، پتہ ہی نہ چلا خولی کہاں گیا، سنان کہاں گیا، اسحٰق ابن اشعث کہاں گیا، شیث ابن ربعی کہاں گیا ابن سعد کہاں گیا، ابن زیاد کہاں گیا، شمر کہاں گیا سب غائب ہو گئے جہاں جس کو پناہ ملی وہ بھاگ گیا کوفہ کے گھروں میں جا کر چھپ گئے مختار نے حکم دیا کوتوالِ شہر عبداللہ بن

کامل کو کہ جلد از جلد نمودار اور نامدار قاتلوں کو لایا جائے سلسلہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ جاسوس نے اطلاع دی کہ اے امیر وہ خولی جس نے سر حسینؑ کو نیزے پر بلند کیا تھا وہ اپنے گھر میں چھپا ہے جب سب بھاگے ہیں تو اُس کو بھاگتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا عبداللہ ابن کامل کو بلایا کہا جس طرح بھی ہو خولی کو گرفتار کیا جائے عبداللہ بن کامل دو ڈھائی سو سپاہیوں کو لیکر چلے پیٹ بہت موٹا تھا مگر بہادر بھی بہت تھے تلوار چلانی بھی خوب آتی تھی، پہنچے اور خولی کا گھر دیکھ لیا، خولی کی دو بیویاں تھیں ایک شام کی رہنے والی تھی ایک کوفہ کی وہ جو کوفہ کی رہنے والی تھی وہ کہیں گئی ہوئی تھی شام کی رہنے والی زوجہ گھر میں تھی اب عبداللہ بن کامل نے دروازہ کھٹ کھٹایا وہ نکلی تو کہا خولی ہے گھر پر وہ بولی یہاں کہاں ہے خولی کہا ہم نے سنا ہے خولی یہاں ہے کہا خواہ مخواہ ہمیں آپ پریشان کر رہے ہیں یہاں خولی نہیں ہے، کہا ہمیں خبر ملی ہے اُس نے دروازہ بند کر لیا عبداللہ بن کامل نے سپاہیوں سے کہا گھر کے پچھلی طرف سے چھت پہ جاؤ، سپاہی سارے دیواروں پر چڑھ گئے اور چھت سے صحن میں کود گئے، اب چلانے لگی کہ مدد کو دوڑو، اب کون آئے، مارشل لا میں کون مدد کرے، خبر تو ہو ہی گئی تھی تو سپاہیوں نے دروازہ کھول دیا اور عبداللہ ابنِ کامل بھی گھر میں داخل ہو گئے، اتنی دیر میں دوسری بیوی کوفن جو کہ باہر گئی ہوئی تھی آئی، اب جو سپاہیوں کو دیکھا تو عبداللہ آگے بڑھے کہا تو کون ہے کہا میں اس کی بیوی ہوں، کہا وہ جو پہلے تھی، کہا وہ اس کی پہلی بیوی، کہا کہاں ہے خولی، کہا وہ مجھے بھی نہیں معلوم، اب اپنی سوتن سے نظر بچا کر عبداللہ کے قریب آ کر زور زور سے کہا، مجھے نہیں معلوم کہ خولی کہاں ہے، دو تین مرتبہ کہا مجھے نہیں معلوم کہ خولی کہاں ہے اور ہاتھ کے اشارے سے نشاندہی کر رہی تھی، اب عبداللہ سمجھے کہ وہ بتلا رہی ہے کہ خولی یہیں ہے، اشارہ جو تھا وہ بیت الخلاء کی طرف تھا، عبداللہ بن کامل سمجھ گئے تو سپاہیوں

سے کہاذرا ادھر دیکھو، اب جو دروازہ کھولا تو غائب بیوی نے اشارہ کیا ڈھونڈو اسی میں ہے چاروں طرف سے سپاہیوں نے اُس بیت الخلاء کو گھیر لیا دیکھا تو اُسی میں موجود تھا، اب آپ سمجھ جایئے کہ کہاں چھپا تھا، آپ کو پتہ ہے جب اُس نے نیزے پر سر کو بلند کیا ہے بعدِ کربلا پاگل ہوگیا تھا یہ انجام اللہ نے خود ہی کیا یعنی جب سر لے کر جارہا تھا تو لوگوں کو قتل کرتا تھا کوئی قریب نہ آئے اور میں جاکر یزید کو سر پیش کروں انعام واکرام سے نوازا جاؤں، تاریخ نے لکھا ہے کہ اُس وقت بھی یہ دیوانہ ہوگیا تھا پاگل ہوگیا تھا جس وقت یہ سر لے کر پہنچا تو عمر سعد نے کہا کہ یہ اشعار پڑھ رہا تھا دنیا کی عظیم ترین انسان کے بیٹے کو میں نے قتل کر دیا ہے، اس کا سر لایا ہوں، مجھے بڑا انعام دے تو اُس وقت عمر سعد نے کہا تھا تو دیوانہ ہوگیا ہے، پاگل ہوگیا ہے، کیا بک رہا ہے، جب اتنی تعریفیں کر رہا ہے تو سر کیوں لایا ہے، اب دیکھیں انجام خولی پکڑا گیا، باندھ کے باہر نکالا گیا، جس کو پتہ چلا خولی پکڑا گیا، دوڑا اور تماشا دیکھا، جس کے ہاتھ میں جو آیا خولی کے سر پر مارا، دو بیویاں بھی ہیں، پیچھے پیچھے ساتھ، ایک بیوی کو خولی کے ساتھ باندھ کے لایا جارہا ہے اور دوسری بیوی جس نے اشارہ کیا تھا اسے احترام کے ساتھ لایا جارہا ہے، اب مختار کے دربار میں پہنچے جس بیوی کو احترام سے لایا گیا، اُس نے مختار سے کہا اے امیر یہ خولی حسینؑ کا سر کاٹ کر لایا تھا اور اس نے تنّور میں سر رکھ کر کہا سن جس کی محبت میں تو صبح شام روتی ہے آج میں نے اُسے قتل کر کے اُس کا سر تنّور میں رکھ دیا ہے، اے امیر میں نے اپنے سر اور سینہ کو پیٹا اور میں نے گھر میں وہ عالم دیکھا تھا کہ رات کو میرے گھر میں عماریاں اتر رہی ہیں اور اس دشمن خدا نے مجھے تازیانے مارے تھے، جب میں نے سر حسینؑ کو اٹھا کر سینے سے لگایا تھا اور بوسہ دیا تھا تو مختار نے کہا اس بی بی کو درہم و دینار دے کر آزاد کیا جائے اور اس کو ایک گھر دیا جائے تا کہ سکون اور عزت سے

رہے اب شام والی کو بلایا اُس سے پوچھا تیرا کیا خیال ہے حسینؑ کے بارے میں وہ کہنے لگی استغفر اللہ حسینؑ مسلمان تھے بعد میں نہ رہے، بس یہ سننا تھا مختار لرز گیا کہا، اُس کے بالوں کو اونٹ کے قدموں میں باندھ کر کھینچا جائے کہ حسینؑ کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیئے ہیں اور خولی کو قید میں ڈال دیا جائے اور صبح کو لایا جائے جب صبح ہوئی تو خولی کو بلایا تو کہا کہ یہ بتا کہ تو مسلمان ہے کہا ہاں، سچا مسلمان ہوں، تو مختار نے کہا کیا مسلمان کا یہی مذہب ہے کہ وہ نواسۂ رسولؐ کو قتل کر دے اور اس کے سر کو نیزے پر لیکر بازاروں میں پھرے، کہا امیر حسینؑ نے یزید پر خروج کیا تھا یہ سننا تھا کہ مختار نے اک بار جلادوں کو بلایا اور کہا اس کے جوڑ جوڑ کاٹو اور زیتون کے کھولتے ہوئے تیل میں اس کے ہاتھ اس کے سامنے ڈال دو تا کہ اس کے اعضاء تیل میں اُبلتے رہیں اور یہ دیکھتا رہے اور اس کے بعد اس کی لاش کے ٹکڑے کر کے پھنکوا دیئے، اس کی آنکھیں بھی نکلوائیں، یہ ہے خولی کا انجام ابھی خولی مارا گیا تھا کہ عبداللہ بن کامل آئے کہا امیر وہ اسحٰق بن اشعث جس نے امام حسینؑ کی لاش پر گھوڑا دوڑایا وہ میرا سگا سالا ہے، رات کہیں سے وہ پھرتا ہوا میرے گھر آیا اور میری بیوی سے سفارش کی میری بیوی میرے سر ہوگئی، میں نے وعدہ کر لیا اب آپ میرا لحاظ کریں اور اُسے معاف کر دیں، امیر مختار رو دیئے اور کہا عبداللہ بن کامل یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو، حسینؑ کی لاش پر جو گھوڑا دوڑائے میں اسے معاف کر دوں، کہا نہیں، عبداللہ بن کامل نے کہا میری بیوی نے ایک جملہ کہا ہے کہ جیسے اپنے بہنوئی عمر سعد کو معاف کیا مختار نے اسی طرح مختار تمہارے سالے کو بھی معاف کر دے، امیر مختار نے کہا میں نے عمر سعد کو صرف اس لیے چھوڑا ہوا ہے کہ اس کے ذریعے سے قاتلوں کا پتہ چلائیں، کہا نہیں امیر تم نے عمر سعد کو امان تو دی ہے ہمارے سالے کو بھی امان دیدیں، کہا اچھا دیکھیں گے ہم ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ

عبداللہ بن کامل کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور کہا یہ انگوٹھی بڑی پیاری ہے مجھے دے دو، کہا لے لیں امیر میں دوسری بنوالوں گا۔

بہر حال تھوڑی دیر بعد یہ چلے گئے، مختار نے اپنے غلام خیر کو بلایا کہا خیر! خیر سے ہو، کہا ہاں خیر تمہیں کچھ معلوم ہے عبداللہ بن کامل کے گھر پر وہ ٹھہرا ہوا ہے جس نے میرے مولا حسینؑ کے لاشے پر گھوڑے دوڑائے تھے، تم خاموشی سے جاؤ اُس کو پکڑ کر لاؤ اور سنو کسی کو پتہ نہ چلے سمجھ گئے نا خیر کہتا ہے امیر میں سب سمجھ گیا وہ پہنچے دروازہ کھٹکھٹایا کون ہے، عبداللہ بن کامل کی بیوی نے کہا کون ہے؟ ہم ہیں خیر! اچھا تو مختار کے دارالامارہ سے آئے ہو، کہا ہاں تو اسحٰق بن اشعث گھبرایا بھاگنے لگا تو بہن نے کہا ارے کم بخت تو گھبراتا کیوں ہے، تو تو بہادر ہے، ڈھائی ہزار کا لشکر لے کر کربلا گیا تھا کہنے لگا باجی! تم مختار کو نہیں جانتیں وہ مجھے چھوڑے گا نہیں، پتہ نہیں دولھا بھائی نے سفارش بھی کی تھی، کہا ہاں میں ابھی بلوا کر پوچھتی ہوں تو اتنے میں خیر نے کہا وہ تو امیر مختار کے پاس بیٹھے اور آپ ہی کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں اشعث نے کہا غصے میں تو نہیں تھے، کہا نہیں اور تمہارے دولھا بھائی نے بلوایا ہے، خیر نے کہا آؤ چلو گھبراؤ نہیں، بلوایا ہے جانے لگا مڑ مڑ کر گھر کو بھی دیکھ رہا ہے اور بہن سے کہہ رہا ہے ذرا خیال رکھنا، کہنے لگی ایسا نہیں ہے وہ تمہاری جان بخشی بھی کرائیں گے، وظیفہ بھی لگوادیں گے، کہا اچھا تو پھر چلتے ہیں، خیر نے کہا گھبراؤ نہیں سوچو نہیں بس چلنے والی بات کرو، یہ چل پڑا راستے میں خیر بھی بہلاتے پھسلاتے رہے، دروازے پر پہنچے، کہا بیٹھو ہم اندر اطلاع کرتے ہیں، بیٹھ گیا، خیر اندر گئے اور کہا امیر لے آیا ہوں، امیر مختار نے کہا لے آیا ہے تو مار ختم کر، مجھے کیا بتا رہا ہے، کہا امیر غصہ نہ کرو جاتا ہوں اور کام تمام کرتا ہوں، اسحاق ابن اشعث کہنے لگا دولھا بھائی کے پاس لے چلو، خیر نے کہا کون سے دولھا

بھائی، یہاں کوئی دولھا دولھا بھائی نہیں ہے وہ تو صبح کے گئے ہیں شکار کی تلاش میں، کہا تو تم لے کر کیوں آئے کہا ابھی معلوم ہو جائے گا، خیر نے تلوار نکالی بس جناب تلوار نکلتی دیکھی تو ٹھنڈے پسینے شروع ہو گئے، کہا کیا ہمیں مارو گے، خیر نے کہا تو کیا چھوڑ دیں گے، ہمارا یہی تو کام ہے، تم جیسوں کو ڈھونڈنا اور واصل جہنم کرنا، کہنے لگا دیکھو خیر میرے پاس تین ہزار دینار ہیں میں تمہیں دیتا ہوں، مجھے چھوڑ دو، کہا اچھا حسینؑ کا دشمن، حسینؑ کا قاتل مجھے رشوت دے رہا ہے، چلو امیر سے فیصلہ کراتے ہیں، چلو جیسے ہی وہ آگے بڑھا پیچھے سے خیر نے تلوار کا وار کیا، سر دور جا کر گرا، سر کو اُٹھایا اور مختار کے سامنے لا کر رکھ دیا، اچھا خیر کی ایک عادت تھی، جب کوئی قاتل مارا جاتا، اُس کا نام لکھ کر ناک میں سوراخ کر کے نتھ کی طرح پرو دیتے تھے۔ مختار نے دیکھا کہا ایک طشت لاؤ، اُس میں اسے رکھ کر خوان سے ڈھک دو، اور ایک طرف رکھ دو، شام ہو گئی، عبداللہ ابن کامل تھکے ہوئے آئے اور پسینہ پونچھ کے کہنے لگے امیر آج تو کونے کونے میں کوفہ کے پھرا، باہر باغوں میں، جنگلوں میں بھی تلاش کیا مگر ناکامی ہوئی اور مایوسی ہوئی۔ مختار نے خیر سے کہا وہ طشت لاؤ، طشت لایا گیا، مختار نے کہا تمہیں ناکامی ہوئی مگر ہم نے دن خالی نہیں جانے دیا اور یہ کہہ کر خوان پر سے خوان پوش ہٹایا، جیسے ہی عبداللہ ابنِ کامل کی نظر پڑی فوراً تکبیر بلند کی اور کہا امیر تم نے میرا کام آسان کر دیا، میں تو بڑا پریشان تھا، عبداللہ ابن کامل گھر آئے اور بیوی سے کہا تو قاتلِ حسینؑ کی سفارش کرتی ہے جا میں نے تجھے طلاق دی، تجھے میں گھر میں نہیں رکھ سکتا، مختار بڑے خوش ہوئے اور عبداللہ بن کامل کو انعام دیا کہ تم نے بیوی کو طلاق دی جو اپنے بھائی قاتلِ حسینؑ کی سفارش کر رہی تھی، دیکھئے یہاں رُتبے اس لئے بڑھتے تھے کہ جو قاتلانِ حسینؑ کو لائے، سفارش کرے اُسے بھی نکال دیا جائے، تقریر خاتمے پر پہنچی، تکمیل انشاء اللہ کل ہوگی، ایک دو واقعات

سنا کر تقریر ختم کر دوں، فن خطابت کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً روایت خوانی، نثاری ہے، روضہ خوانی ہے، شہادت نامہ ہے، مختار نامہ ہے، مرثیہ خوانی ہے، نوحہ خوانی ہے، تقریباً بیس پچیس قسمیں ہیں۔ مختار نامے کے عشرے الگ ہوا کرتے تھے اور مخصوص ذاکر ہوا کرتے تھے اور یہ مجلس کی طرح نہیں پڑھا جاتا تھا، دونوں میں فرق ہے پڑھنے کا، آپ نے میری مجلسیں بھی سنیں، نویں اور دسویں مجلس میں مختار نامہ سنا اور مختار نامہ پڑھنے کا یہی انداز ہے جس طرح میں نے آپ کے سامنے پیش کیا، ہندوستان میں اسی طرح سنایا جاتا تھا تاکہ انسان دلچسپی لے کر اسے محفوظ کرلے اور مختار نامہ کی کتاب اتنی طویل ہے کہ بیس دن میں بھی مکمل ہونا مشکل ہے میں نے خاص خاص چیزیں آپ کو سنائیں، یہاں تک کہ وہ منزل آئی کہ منہال کہتے ہیں میں امام زین العابدینؑ کی زیارت کے لئے مدینے پہنچا، خدمت میں جا کر بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد میں نے پوچھا مختار جو کچھ کر رہا ہے اُس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے تو امام نے فرمایا ہمارا دوست ہے اگر ایک غلام حبشی بھی میرے بابا کے خون کا انتقام لینے اُٹھے تو تمہارا فرض ہے کہ اُس کا ساتھ دو، اُس کی نصرت کرو، پھر پوچھا کہاں سے آرہے ہو، میں نے کہا کوفے سے، پوچھا مختار کیا کر رہا ہے، میں نے کہا آپ کے بابا کے قاتلوں کو چن چن کر قتل کر رہا ہے، امام کچھ دیر خاموش رہے، پھر پوچھا منہال حرملہ گرفتار ہوا، میں نے کہا نہیں پھر میں نے پوچھا سرکار آپ نے نہ بابا کے قاتل کا پوچھا نہ بھائی علی اکبرؑ کے قاتل کا پوچھا نہ چچا عباسؑ کے قاتل کا پوچھا، ایک دم حرملہ کا کیوں نام لیا، امام نے ایک چیخ ماری اور فرمایا منہال حرملہ کا وہ تیر ہم آلِ محمدؐ کے سینوں کو قیامت تک کے لئے چھید گیا، پھر فرمایا خدا جلد اُسے آگ اور لوہے کا مزہ چکھا دے، دیکھا آپ نے اس معصوم شہید کا مقام دُنیا میں مختلف مذہب وملت میں کربلا کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا سب سے زیادہ اسی

شہید شہزادے کا ذکر ہے، الیگزینڈر گوئنل نے فرنچ زبان میں ایک طویل مرثیہ شہزادہ علی اصغرؑ پر لکھا اور اُس کے سرورق پر لکھا، دوسری جنگ عظیم ہو رہی تھی تو اُس نے دنیا کی جنگ کرنے والی قوموں سے کہا تمہیں شہزادے علی اصغرؑ کا واسطہ جنگ بند کر دو، ماؤں کی گودیں نہ اُجاڑو، عورتوں کو بیوہ نہ بناؤ، اُن کے سہاگ نہ چھینو، بند کر دو یہ لڑائی، اندازہ کیجئے آج چودہ سو سال کے بعد جب ایک ہندو، ایک عیسائی ایک یہودی یہ واقعہ پڑھتا ہے تو دیوانہ ہو جاتا ہے کہ یہ ظلم کیسے اور کیوں سرزد ہوا، تو منہال سے پوچھئے کہ سوال کیسے کیا اور مولا نے جواب کیسے دیا، منہال کہتے ہیں میں چلا اور کوفے پہنچا جب میں مختار کے پاس گیا تو دیکھا اُس کا گھوڑا تیار تھا، ہتھیار سجائے گھوڑے پر سوار ہوا چاہتا تھا کہ منہال کو دیکھ کر کہا تم کہاں تھے، کہا میں مدینے گیا تھا، کہا تم میرے کارنامے میں شریک نہیں ہوئے، کہا میں مدینے گیا ہوا تھا، اس لئے شریک نہ ہو سکا، مختار نے کہا آؤ میرے ساتھ چلو، دوسرا گھوڑا منگوایا، منہال بیٹھے اور جب ہم کوفے سے باہر نکلے تو مختار نے مجھ سے گفتگو شروع کی، مجھ سے کہا میرے آقا و مولا کا حال سناؤ، منہال کہتے ہیں میں جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ کچھ سپاہی دوڑتے ہوئے آئے اور دُور سے چلائے امیر مبارک ہو حرملہ پکڑا گیا، بس یہ سننا تھا کہ منہال نے کہا مختار یہی تو میں تجھے بتانا چاہتا تھا کہ پہلا سوال مولاؑ نے یہی کیا تھا کہ حرملہ پکڑا گیا، یہ سنتے ہی مختار گھوڑے سے کود پڑا اور پیشانی سجدے میں رکھ دی اور کہا معبود میرے مولا کی دعا قبول ہوئی، کہا منہال کیا کیا کہا تھا، کہا آخری جملہ یہ کہا تھا کہ جلد خدا اُس کو آگ اور لوہے کا مزہ چکھا دے، امام کسی کو بددعا نہیں دیتا اور یہ تو امام الصابرین ہے، جملہ کیوں کہا، بات یہ تھی کہ دن بھر عصمت سرا سے باہر رہتے تھے، اس لئے باہر رہتے تھے کہ جب صحنِ خانہ میں آتے تھے تو دیکھتے تھے پانچ بیبیاں صحن خانہ میں دھوپ میں بیٹھی رہتی تھیں، اُم البنینؑ،

اُمِ فروہؑ، جنابِ زینبؑ، اُمِ لیلیٰؑ اور اُمِ ربابؑ، رات کی اوس دن کی دھوپ لیکن جناب ربابؑ کا حال عجیب تھا، بی بی مجلسیں بھی پڑھتی تھیں، ماتم کرتی تھیں اور بعد مجلس میں تبرک بھی خود بانٹتی تھیں اور ہر جملے پر کہتی تھیں کہ کہیں میرا بچہ رو رہا ہے، یہ کہیں بچے کے رونے کی صدا آرہی ہے، میرا اصغرؑ مجھے پکار رہا ہے، ماتم کریں گے آپ روئیں گے، آپ بس دو چار جملے اور دو راتیں رہ گئیں، کل الوداعی رات آپ مدینے میں قافلے کے واپس آنے کی بات سنیں گے، آج بس یہ اور سن لیں کہ مختار منہال کو لئے واپس دارالامارہ آئے، حرملہ کو پیش کیا گیا، آیا حرملہ کانپتا لرزتا ہوا، مختار رو رہا تھا، جب گریہ کم ہوا تو پوچھا بتا تو نے کربلا میں کیا ظلم کئے، ہاتھ باندھے، ظالم قاتل نے ہاتھ باندھے، کہا کچھ نہ پوچھیں، بس قتل کردیں، جلادوں کو حکم دیا، اسے زخمی کردو، اگر نہ سنائے، جلاد آگے بڑھے، کہا اچھا امیر سناتا ہوں، بہت غور سے سنئے گا، مختار نے قاتل کی زبان سے سنوا کر حالِ علی اصغرؑ کو مستند بنادیا، حرملہ کہتا ہے امیر جب میں گھر سے چلا تو میرے ترکش میں چھ تیر تھے، اے امیر یہ تیر انسانوں پر نہیں بلکہ جانوروں پر چلائے جاتے ہیں میں شکار کی نیت سے نکلا تھا اور میرے یہ تیر تین پھال کے تھے اور زہر میں بجھے ہوئے تھے، میرے تیر دو ٹانک کی کمان کے تھے، یعنی وہ تیر پھینکے جاتے تو دو من کی طاقت سے جا کر نشانے پر لگتے تھے، کمان کی ڈوری وزن کے حساب سے بنائی جاتی ہے، یہ کسی چاہنے والے کا نہیں، قاتل کا بیان ہے، پھر کہا میں راہ میں تھا، مجھے ایک ہرن نظر آیا میں نے تیر پھینکا تیر خطا کر گیا، میں نے تعاقب کیا، دوسرا تیر پھینکا وہ بھی خطا گیا، یہاں تک کہ تیسرا تیر بھی خطا کر گیا اور ہرن غائب ہوگیا، میں نے کربلا کا رُخ کیا کل تین تیر میرے پاس بچے تھے، عاشور کے دن صبح سے میں لڑائی دیکھ رہا تھا، وہ وقت جب آیا کہ عمر سعد نے مجھے حکم دیا کہ کمان کو تیار کر، میں نے پہلا تیر اس وقت

چلایا جب سقائے سکینہؑ مشک کو سینے سے لگائے فرات سے آ رہے تھے، میرے تیر نے بچوں کی آس توڑ دی، مشک چھد گئی، پانی بہہ گیا، مختار نے چیخ ماری اور گریہ شروع کر دیا، درباری رونے لگے، مختار کے دربار میں مجلس ہو رہی تھی، قاتل خود اپنی داستان سنا رہا تھا، مختار نے روتے ہوئے پوچھا اور دوسرا تیر حرملہ بولا میں دوسرا تیر نہیں سناؤں گا، تیسرا تیر سناتا ہوں، کہا اچھا تیسرے تیر کا حال سُنا حرملہ بولا جب زہراؑ کا لال تیروں سے زخمی مقتل کی طرف بڑھ رہا تھا کوشش تھی کہ علیؑ کے لال کو گھوڑے سے گرا دے، لیکن کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی میں نے اپنے تیر کو کمان میں جوڑا اور وہ تیر حسینؑ کی پیشانی میں پیوست ہو گیا، زہراؑ کا لال فرش زمین کی زینت بن گیا، مختار نے منہ پر طمانچے مارنے شروع کر دیئے، بہت روئے، زہراؑ کے رومال کو آپ نے اپنے موتیوں کا نذرانہ پیش کیا، اللہ آپ کے اس رونے کو قبول فرمائے، آپ کی دعائیں قبول ہوں،، آپ آباد رہیں، بس آخری جملے ایک بار مختار نے کہا دوسرا تیر سنا، میں سننا چاہتا ہوں، کہا قتل کر دے نہ بتاؤں گا، کہا بتانا پڑے گا، حرملہ ڈرا اور بولا امیر حسینؑ بچے کو لئے بلندی پر آئے میں گھوڑے سے اُترا گھٹنے پر کمان کو رکھ کر چلّے میں تیر کو جوڑا، چلّہ کھینچا، تیر چلا، اے امیر بس میں نے یہ دیکھا کہ بچہ حسینؑ کے ہاتھوں پر پلٹ گیا، حسینؑ نے بچے کو سنبھالا، سینے سے لگایا، اُس کا لہو ہاتھ میں لیا اور پکار رہے تھے:

انکار آسمان کو ہے راضی زمیں نہیں

اصغرؑ تمہارے خوں کا ٹھکانا کہیں نہیں

بارِالٰہ ان رونے والوں پر اپنی رحمتیں نازل فرما، شہزادہ علی اصغرؑ کا واسطہ ان سب کو اپنی امن دامان میں رکھ، پروردگار ان کو ترقیاں دے، علم وادب عطا کر، بیماروں کو شفا عطا فرما، بے روزگاروں کو روزی عطا فرما، محمدؐ و آلِ محمدؐ کا واسطہ ظہورِ امام میں تعجیل فرما۔

گیارھویں مجلس

تاریخِ شیعیت

......: نذرِ شہزادیٔ کونین :......

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے اور درود و سلام محمدؐ وآلِ محمدؐ کے لئے

انجمن رضائے حسینی کا عشرہ کل تمام ہو چکا کل اُس کی دسویں اور آخری مجلس تھی آج انجمن رضائے حسینی کی اٹھارہ سال پرانی شبِ بیداری کا آغاز ہو رہا ہے اور یہ مجلس تقریباً ساتواں سال ہے مجھے پڑھتے ہوئے پہلے سال جب ہم نے یہ مجلس پڑھی تھی تو عنوان تھا ''تاریخِ ادب اور اہلِ بیتؑ'' دوسرے سال جب ہم نے یہ مجلس پڑھی تو عنوان تھا ''عزاداری عقل کی روشنی میں'' تیسرے سال جب ہم نے یہ مجلس پڑھی تو عنوان تھا ''عروس القرآن، سورۂ رحمٰن کی تفسیر کے آئینے میں، فضائلِ اہلِ بیتؑ'' چوتھے سال ہم نے جب یہ مجلس پڑھی تو عنوان تھا ''جرأتِ اظہارِ حق'' اور فدک قانون کی روشنی میں چھٹے سال یعنی گزشتہ سال جب ہم نے یہ مجلس پڑھی تو عنوان تھا ''امام حسن عسکری اور ان کی امامت'' یہ ساتواں سال ہے، یہ شبِ بیداری پڑھتے ہوئے ہم کو اور ہم ہر سال اس عشرے کو اس آخری شبِ بیداری کی مجلس میں بصد ادب و احترام بعد تحفۂ درود و سلام بارگاہِ شہزادیٔ کونینؑ میں پیش کرتے ہیں آپ کی سعی انجمن کی خدمات

آپ کا شرکت فرمانا آپ کا گریہ فرمانا اُن کی بارگاہ میں پیش کر کے ہم شہزادی کی عظیم بارگاہ میں گزارش کریں گے کہ شہزادی آپ سب کی عبادتیں قبول فرمائیں ۔کون شہزادی جو پورے عالم کی شہزادی ہیں،کون جو فخرِ نسواں ہیں،کون بی بی جو درّۃ النورہ ہے ،جو بتول عذرا ہے،جو طیبہ ہے،جو طاہرہ ہے،جو صادقہ ہے،جو صدیقہ ہے، جو عابدہ ہے،جو زاہدہ ہے،جو فخرِ حوّا و صفورہ ہے جو فخرِ ہاجرۃ و آسیہؑ ہے،جو فخرِ سارۃ و مریم ہے۔(صلوٰۃ)

جو مرتبے شہزادی نے پائے یہ مرتبے کائنات میں کسی بی بی کو نصیب نہ ہوئے ۔ ہمارے عقائد فروع عبادتیں جو کچھ ہے اُس کا مرکز شہزادی ہماری ہر تمناؤں کا مرکز ہماری دعاؤں کا مرکز ہم کیا ہیں اور آپ کیا ہیں،انبیاء کی دعاؤں کا مرکز ہیں،شہزادی اَئمہ کی امامت کا مرکز ہیں،شہزادی نبوت کا مرکز ہیں،شہزادی عصمت کا مرکز ہیں، شہزادی قرآن کا مرکز ہیں،شہزادی قرآن کا آغاز بنی،وہی انجام بنی وہی، پورا قرآن شہزادی،شہزادی سورۂ دہر بنی ہوئی،سورۂ قدر بنی ہوئی،سورۂ مریم بنی ہوئی،سورۂ مزمل بنی ہوئی،سورۂ مدثر بھی بنی ہوئی،سورۂ کوثر بنی ہوئی،صلوٰۃ تو پڑھیں، آپ کو پتہ نہیں شہزادی کون ہیں،جب شہزادی کا ذکر ہو تو بار بار درود پڑھیں ۔آپ کو پتہ نہیں کیا معرفت ہے،کیا عظمت ہے،ہر آن درود پڑھتے جائیں،سر کو جھکائے اور درود پڑھتے جائیں،بس یہی عبادت ہے،اور پڑھیں اور پڑھیں سلامت رہو زندہ رہو،اسی شان سے اس شہزادی کا ذکر سنا جاتا ہے،وہ شہزادی کونینؑ جس کو قدرت نے قرآن میں آواز دی،"اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَؕ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡؕ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ"وہ سورۂ جو مکّے میں اس وقت نازل ہوا کہ جب پورا عرب پکار رہا تھا کہ عبداللہؑ کا بیٹا ابتر ہے اب اس کے کوئی اولاد نہیں یہ بے نسل ہو گیا اس کی نسل آگے نہیں بڑھے

گی سورۂ کوثر آیا ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا لوگوں کو کوثر نظر نہ آیا کہ کثرت کس چیز کی کثرت کا ہے کی کثرت جب زہراؑ پیدا ہوئیں جب فاطمہ زہراؑ کی ولادت ہوئی اور خدیجہؑ کی آغوش میں آئیں تو علم ہوا کہ کوثر کیا ہے، سلامت رہیں آپ لوگ یہ واپس آپ ہی کی طرف درود آتا ہے اُدھر جاتا ہے پھر ملائکہ درود پڑھ کے آپ کی طرف واپس کر دیتے ہیں، صلوٰۃ برکت ہی برکت ہے۔

اب ذرا غور کریں میرے دوست کہ جب رسولؐ کی بیٹی رسولؐ کی آغوش میں آگئی تو عرب کے کسی آدمی نے پھر نبیؐ کو ابتر نہیں کہا، ابتر کہنا چھوڑ دیا، اسی جملے میں تو سب کچھ چھپا ہے، آپ نے غور نہیں کیا یعنی جب اولاد نہ ہو تو عرب والے اس کو ابتر کہتے تھے۔ جب اولاد ہو جائے تو عرب والے اُس کو ابتر نہیں کہتے تھے تو زہراؑ سے پہلے تین اور بیٹیاں بھی تھیں پھر ابتر کیوں کہہ رہے تھے اور جب یہ بیٹی آگئی تو ابتر نہیں کہا یعنی یہ مانو کہ وہ تینوں کوثر نہیں تھیں اور یا یہ مانو کہ تھیں ہی نہیں، پھر کسی نے ابتر نہیں کہا جب تک یہ سورہ ہے اب کائنات میں کوئی رسولؐ کو ابتر نہ کہہ سکے گا، بلکہ اللہ نے اعلان کر دیا میرا حبیبؐ میرا محبوب کوثر لیے ہوئے، دشمن ابتر بنا ہوا قیامت تک کیلئے دشمن ابتر ہو گیا اور پہلے بھی یہ بات اکثر کہی ہے کہ ابتر کے لفظ کو اس طرح قرآن میں پروردگار نے رکھ دیا کہ ''الف'' ہٹا کر ''ر'' کے بعد لے گئے اور ''ت'' کو ''ب'' سے پہلے لگا دیا حروف اُتنے ہی ہیں کیا بنا، ''تبرا'' قرآن کا لفظ ہے قدرت نے معجزہ بنایا ہے کہ جب سیدھا رکھا رہے تو دشمن ابتر رہے اور جب پلٹ جائے تو اس پر جا کر پڑے ہاں ہاں ہماری شہزادی کونینؑ کائنات کا ہر مسلمان مجبور ہے اُن کا احترام کرنے کے لیے اس لیئے مجبور ہے کہ بیٹی ایک تھی اور اگر اصرار ہے کسی ملک کو کسی ملت کو کہ اور بیٹیاں بھی تھیں تو کچھ دیر کیلئے کہہ دیا کیجئے ہوں گی اور اُس کے بعد دوسرا جملہ یہ کہوں نسل ایک سے چلی، ہے

کہاں ہے، مورّخ کہاں ہیں؟ کتابیں لاؤ دکھاؤ کلثوم کی کوئی اولاد، رقیہ کی کوئی اولاد، زینبؑ کی کوئی اولاد، دیکھئے ہماری بزم میں ہر عقل ہر سطح کے لوگ ہیں اب سمجھ میں نہیں آیا ہوگا باہر کچھ ایسے بھی کھڑے ہوں گے جن کی عقل بالکل کوری اوپر سے تقریر گزر جاتی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تو سمجھ لو پھر سمجھ لو، زینب رسولؐ کی بنائی ہوئی بیٹی کا نام ہے تاریخ میں زینب بنتِ رسولؐ، رقیہ بنتِ رسولؐ، اُمِ کلثوم بنتِ رسولؐ، تاریخ نے یہ نام دیے ہیں ہماری شہزادی زینبؑ، ہماری شہزادی اُمِ کلثومؑ ان ناموں سے الگ ہیں، غلط فہمی میں نہ پڑ جانا۔ ان کی اولاد آج تک ہے اُن کی نہیں، ہماری بی بی زینب کی اولاد تین سو علماء بی بی زینبؑ کی نسل میں نجف میں آئے۔ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ جنابِ زینبؑ کی نسل کربلا میں کٹ گئی جھوٹا ہے کیوں قرآن نے گواہی دی ہے کہ کوثر رہے گا، دشمن ابتر یہ ابتر نہیں، حسنؑ کی نسل ختم نہیں ہوسکتی، حسینؑ کی نسل ختم نہیں ہوسکتی، عباسؑ کی نسل کبھی ختم نہیں ہوسکتی، جنابِ زینبؑ کی نسل کبھی ختم نہیں ہوسکتی، یاد رکھنا کربلا میں حسینؑ جتنوں کو لائے تھے، سب کی ایک ایک اولاد کو مدینے میں چھوڑ دیا تھا، صرف اس لیئے کہ ایک ہمارا بچے گا، کوئی شکوہ نہ کرے کہ ہمارا نہیں بچا، یہ ہے امام کی بصیرت، سب کا ایک بچے، ہماری نسل قیامت تک رہے، تو اے بہن زینبؑ تمہاری نسل بھی رہے گی اور جنابِ زینبؑ کی نسل زینبی کہلاتی ہے، عباسؑ کی نسل ہاشمی کہلاتی ہے، یہاں کوئی ابتر نہیں ہے اور جو جنابِ اُمِ کلثومؑ کو کہہ دے کہ بیوہ تھیں یا اولاد نہیں تھی وہ بھی جھوٹا، اس لیئے کہ قرآن نے گواہی دے کر بتایا کہ یہاں ہمارے گھر میں کثرتِ نسل اتنی ہے سترہ بیٹیاں ہماری، سترہ بیٹے ہمارے بچپن میں ایک ایک بچے نے اور ایک ایک بچی نے وفات پائی ورنہ اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں اور اتنی ہی اولاد ساتویں امام کی تھی سب سے کم اولاد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی ہے جس کی آج آپ

شبِ شہادت میں بیٹھے ہیں۔لیکن قدرت نے چودہ سو سال میں کتنا کوثر دیا ہے غیب میں ہے۔صوبے ہیں جزیرے میں بیٹے منسٹر (Minister) ہیں گورنر ہیں جو وہاں گئے ہیں وہ بتاتے ہیں۔ملک کیسے صوبے کیسے، پہاڑ کیسے، زباں کیسی، چہرے کیسے اور وہاں کا نظام کیسا۔دنیا والوں کو نہیں معلوم کثرتِ نسل ہے نسل ایک سے چلی اور تین کو اولاد نہیں دی اے میرے معبود ضرورت کیا تھی تجھ کو کہ اتنا بڑا پلان (plan) بنایا عرب ابتر کہے پھر تو کوثر عطا کرے دشمن ابتر کہے پھر ایک بیٹی دے دے اور اُس سے لاکھوں سادات دنیا میں پھیل جائیں، پروردگار ایک نیک بیٹا آدم کا تھا قابیل نے قتل کر دیا ہابیل کو، تُو نے کہا آدمؑ سے رومت ہم شیث جیسا بیٹا دے رہے ہیں، کنعان غرق ہو گیا پروردگار تو نے نوحؑ سے کہا یہ تمہارا اہل نہیں تھا ڈوب جانے دو اسے آج سے اپنا بیٹا نہ کہنا ہم نے تمہیں تین بیٹے دیئے ہیں سام و حام و یافث پوری کائنات ان تین بیٹوں سے کروڑوں اور عربوں ہو جائے گی نوحؑ کو تسلی ہوگئی، اے ابراہیمؑ تم سو سے زیادہ عمر کے ہو گئے تمہاری زوجہ بھی نوے سال کی ہوگئی، گھبراؤ نہیں بیٹا دیں گے، ہاجرہؑ سے بھی ایک بیٹا دیں گے، سارہؑ سے بھی دیں گے، بڑھاپے میں دو بیٹے دے دیئے، اے یعقوبؑ ہم تم کو بارہ بیٹے دیں گے، اے زکریاؑ تم کیوں پریشان ہو تم محرابِ عبادت میں یہ خاموشی سے کیوں کہہ رہے ہو ایک بیٹا دے دے، ہم دے دیں گے، یوں یحیٰؑ جیسا بیٹا تمہیں دے دیا اے مریمؑ ہم تو تمہاری آغوش بھر دیں گے شادی نہیں کروائیں گے، فرزند دے دیں گے۔ہر نبی کو کسی کو ایک کسی کو دو کسی کو تین حد ہے کسی کو بارہ بیٹے دیئے یہ آخری نبیؐ تو ایک لاکھ چوبیس ہزار کا فخر ہے اس کی بات کو تو ٹالتا ہی نہیں یہ جو کہہ دے وہ ہو جائے اس کی انگلی اٹھتی ہے تو چاند کو توڑ دیتا ہے یہ اشارہ کرتا ہے آفتاب پلٹ آتا ہے صاحبِ معجزہ ہے یہ کہتا ہے درخت پروں کو اڑائے چلا آتا ہے، یہ ذرّے

اٹھاتا ہے ہاتھ پہ رکھتا ہے لا الٰہ الا اللہ کی صدا ذرّوں سے آنے لگتی ہے، بھئی تو بس اس کی مرضی کو دیکھتا ہے تم اشارہ کرو بھئی تم نے یہ کہہ دیا تھا چچا سے ایک ہاتھ پر آفتاب ایک پر ماہتاب بس تو اب ہاتھوں پر مسخر کر دیا یہ تو تُو نے کسی کے لیے کیا ہی نہیں، جاؤ جبریلؑ تیز دم براق لے کر براق لفظ برق سے ہے برق بجلی، بجلی سے تیز کیا چیز ہے ایسی سواری لیکر جاؤ دیر نہ لگے برق چمکی جاؤ ادب سے جاؤ سو رہا ہے حبیب میرا دروازہ کھٹکھٹاؤ اور ادب سے بیدار کرو جب وہ اُٹھ جائے تو کہنا چلیے، تشریف لے چلیے، سرکار کو بلایا ہے، حضورؐ چلیے بیتاب ہیں وہ، ہاں چلیں چلو اچھا چادر یہیں چھوڑ دیجئے چادر نہیں اوڑھنی ہے، نعلین، نعلین پہن لیجیے کیوں، وہاں جوتیوں کی کیا ضرورت ہے، جوتیاں پہن کر چلیے کیوں اس لیئے کہ چودہ صدیوں کے بعد آپ کی اُمت کہے گی روحانی معراج تھی، اس لیے پہن لیجئے تاکہ محبانِ علیؑ جب آپ کی حمایت کریں تو کہیں روح بھی جوتیاں پہنتی ہے تو یہ جوتیاں جو آپ کی ہیں اُمت کے سر پر قیامت تک پڑتی رہیں گی، پہن کے چلیں جوتیاں پہن کر چلیں وہ تو موسیٰؑ تھے جن سے ہم نے کہہ دیا تھا یہ وادیٔ مقدس ہے نعلین اتار دو۔ آپ جوتیاں پہن کر چلیے شان سے چلیے، جبریلؑ حبیبِ خدا کو لے چلے براق پر بٹھا کر، اب سب کچھ دکھاتے کر چلے یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں نہ آدمؑ نے دیکھا، نہ نوحؑ نے دیکھا، نہ ابراہیمؑ نے، کہا تھا ابراہیمؑ نے پردہ ہٹا اور دِکھا بس اتنا ہی دکھایا جتنا مکّے سے نظر آرہا تھا آپ وہاں سے دیکھ رہے ہیں جہاں سے خدا دیکھتا ہے یہاں تک کوئی نہیں آیا، اچھا جبریلؑ یہ رُک کیوں گئے، اب میں تو جا ہی نہیں سکتا، بڑھ جایئے آ و نا آ جاؤ، وہاں سے ساتھ آئے، سواری لے کر آئے، سب کچھ دکھایا، اب یہاں آکر ساتھ چھوڑ رہے ہو، کیا کروں آپ بڑھ جایئے جایئے آپ چلے جایئے جبریلؑ سے کہو نبیؐ کے ساتھ آگے جائیں، سدرہ سے آگے جائیں وہ

کیا کہیں گے پلٹ کر، بھئی دیکھو سب سے مذاق کرنا مگر ہم سے مذاق مت کرنا نبیؐ کی جگہ میں آ جاؤں تو جل جاؤں، وہ نبوت کی جگہ ہے یہ میری جگہ ہے، تو ساتھی نبیؐ کی جگہ پر نہیں جا سکتا جائے تو جل جائے۔ جبریلؑ ادب سکھا رہے ہیں سرکارؐ آگے بڑھے آواز آئی آؤ قریب آؤ اور قریب آؤ اور قریب آؤ پردے ہٹتے چلے پردے اُلٹتے چلے گئے پردے نگاہوں سے سب ختم ہو گئے اب عالم ھو تھا اور وہ تھا بس جہاں سے سرحدِ عالم امکان شروع ہوئی جہاں کوئی نہ جا سکا، کیا دیکھا کیا سنا بات بن جائے گی اگر یہ بتا دیں کیا دیکھا کیا سنا بھئی جس کی آواز سنی بار بار اُس کی آواز سننے کیلئے گھر آتے رہے یہ آواز سنا دو تا کہ معراج تو یاد آ جائے اور جو کچھ دیکھا اُس کو عبادت بنا دیا، چہرے پر نظر کرنا عبادت، دیکھا جو کچھ دیکھا عبادت مسلمانوں کیلئے قیامت تک کیلئے عبادت بنا دیا اور حد ہے کہ بس اب چہرہ نہ دیکھو گے تو ذکر عبادت جس کا ذکر عبادت بن جائے، میرے بھائی ذکر عبادت بن جائے اُس پر بحث کرو گے کہ عبادت میں اس کا نام آئے یا نہ آئے ارے وہ تو جہاں چار اس کے چاہنے والے بیٹھ کر ذکر چھیڑ دیں عبادت شروع ہو گئی یہ تو میرے معبود اتنے ناز اٹھائے وہ سب کچھ دے دیا جو کسی کو نہیں دیا ایک بیٹا نہیں دے سکتا تھا زحمت دی کیوں نہیں دے دیتا بیٹا کیوں نہیں دیتا دیئے تو تھے بھئی کیوں شکوہ کر رہے ہو، ہم نے حبیبؐ کو تین بیٹے دیئے ہم نے خدیجہؑ کی آغوش میں تین بیٹے دیئے۔ طیبؑ دیا، طاہرؑ دیا، قاسمؑ دیا تبھی تو وہ ابوالقاسم کہلاتے ہیں، اس بیٹے کا نام خطبے میں آج تک زندہ ہے ایسا بیٹا دیا اور تم نے دیکھا نہیں آخری زوجہ سے ماریہ قبطیہؑ سے دے دیا ابراہیمؑ، کہا معبود یہ تو صحیح ہے تو نے چار بیٹے دیئے ایک کو زندہ رکھتا، زندہ کیوں نہیں رکھا، ہاں بس یہ ہماری مصلحت ہے بس یہ کہ بچپن میں واپس لے لئے تم کون ہو بیچ میں بولنے والے، سمجھا دے معبود مسلمان سمجھنا چاہتے ہیں کیوں نہیں بتا دیتا

کیا چھپانا چاہتا ہے نہیں چھپانا نہیں چاہتے تمہیں معلوم ہے تم جانتے ہو ارے بار بار آدم کا ذکر کرتے ہو نوحؑ کا ذکر کرتے ہو، یعقوبؑ کا ذکر کرتے ہو، اور پھر پوچھ رہے ہو ارے جب نبیؐ کو بیٹا دیتے ہیں کوئی قاتل بنتا ہے کوئی گمراہ بنتا ہے کوئی یوسفؑ کو کنویں میں پھینکتا ہے ہم نے اپنے نبیؐ کا دامن بچایا ہم نے نہیں چاہا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے فخر میں اولیاء کے گھر شیطان پیدا ہو جائے تو جہاں اتنی احتیاط تھی کہ بیٹا وارث نہ بنے وہاں محلے والے وارث کیسے بن گئے ارے سوچو تو کیسی قیامت ہے نہیں نہیں دیں گے، دیں گے اور واپس لے لیں گے معبود کچھ اور سمجھا دے ارے بھئی سمجھ لو غور کر لو تو پھر سوچو دنیا پہ نظر ڈالو چاروں طرف دیکھو کیا ہوتا ہے ایک بڑا انسان آیا پوری تاریخِ شاہی میں کائناتِ عالم کی تاریخ میں جب کسی نے حکومت پر قبضہ کرنا چاہا یا دوسرے بادشاہ نے کہا یہ اس کا بیٹا نہیں ہے بحث ہے ایران کی شاہی میں قطب شاہی دور میں اودھ میں ہر کتاب کا حوالہ دے سکتا ہوں نصیر الدین حیدر علی عادل شاہ قاچاری بادشاہوں میں الزام لگا بیٹا نہیں ہے بادشاہ کا حد ہے کہ حدِ ادب ہے ورنہ حوالہ دیتا کہ کہاں کہاں الزام لگا خود رسولؐ کے گھر میں رمضان المبارک میں مَیں سورۂ تحریم کا حوالہ دے چکا ہوں بس وہ سورہ آیا اس لیئے تھا کہ جب ماریہ قبطیہؑ کی آغوش میں بچہ آیا کسی نے پردہ ہٹا کر کہا وہ جو ساتھ میں چچازاد بھائی آیا ہے اس کا بچہ ہے اتنا رنج ہوا رسولؐ کو مفسّرین نے لکھا ہے کہ عہد کر لیا کہ کسی زوجہ کے پاس نہیں جائیں گے تب سورۂ تحریم آئی جیسے ہی یہ خبر کانوں میں پہنچی رسولؐ اللہ نے کہا علیؑ جاؤ اس کو قتل کر دو علیؑ تلوار لے کر چلے ماریہ قبطیہؑ کے چچازاد بھائی کے پاس تلوار لے کر چلے، باغ میں گئے وہ حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر درخت پر چڑھ گیا، علیؑ واپس آ گئے حدِ ادب ہے، تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، علیؑ واپس آئے رسولؐ نے کہا قتل کر دیا، کہا یا رسولؐ اللہ وہ تو

خواجہ سرا ہے، قدرت نے سورۂ تحریم اتار کر بتایا کہ ماریہ قبطیہؑ پر جو الزام لگا ہے اگر کسی پاکیزہ عورت پر کوئی یہ الزام لگائے تو اس پر حد جاری ہو، کوڑے پڑیں اب پڑھو سورۂ تحریم کی تفسیر جب امام تمہارا آئے گا پہلا کام جو حد پہلی جاری ہوگی جو پاکیزہ طاہرہ پر جس نے الزام لگایا ہے اس کو کوڑے پڑیں گے وہ کون ہے؟ جس کو نہیں معلوم وہ اُس سے پوچھے جس کو معلوم ہے میں بڑے ادب سے پڑھ رہا ہوں تو قدرت نے کہا جہاں نبیؐ کے گھر میں ایسے لوگ آجائیں شریف عورتوں کی عظمت کو نہ سمجھیں، ہم بیٹا نہیں دیں گے اور پہلی بیوی سے اس لیئے دیں گے تاکہ الزام نہ آئے بیٹا ہو سکتا تھا آخری زوجہ سے پھر دیا ہو سکتا تھا لیکن بارہ کی بارہ خالی گود لیئے ہوئے بیٹھی ہیں اگر ایک ہو جاتا کسی سے پتہ ہے کیا ہوتا بہادر شاہ ظفر مر گئے جا کے رنگون میں، واجد علی شاہ، مٹیا برج کلکتے کے قید خانے میں جا کر مر گئے، اُن کی بھی کئی بیویاں تھیں ان کی بھی کئی بیویاں تھیں دو چار بچے ہوئے ان کے بھی اُن کے بھی آج ڈیڑھ سو سال کے بعد آپ کو پتہ ہے کئی لاکھ پروتے اور پوتیاں بن گئے کیوں وثیقہ چھوڑا اس کی لالچ میں نامعلوم کتنی اولادیں بن گئیں کتنی بیویاں بن گئیں کتنے پوتے بن گئے کتنے نواسے بن گئے قدرت دیکھ رہی تھی کہ اگر ایک بیٹا کسی سے ہو گیا تو فدک بٹے گا تو چودہ سو سال میں ایک ایک کھجور حصے میں آئے گی یہاں بیٹا وہاں پوتا یہاں نواسہ ایک بیٹی دی بیٹا ہوتا تو ہر فرقے میں اولادِ رسولؐ ہوتی ہاں ایک بیٹی دے دی اب کوئی نقلی سید بن جائے تو رسوا ہو جائے اور بس بھئی زحمت دی تمہید یہی تھی کہ شہزادی کی معرفت یہ ہے کہ لاکھوں بیٹوں پر ایک بیٹی بھاری تھی۔ بیٹا نہیں دیا بیٹی دے کر نسل چلائی اور جب کہا مامون نے امام رضا علیہ السلام سے کس بات پر فخر ہے آپ کو جواب سنیں گے کس بات پر برتری ہے کہا اپنے شجرے پر کہا ہم بھی رسولؐ کے چچا عباس کی اولاد اور آپ بھی رسولؐ کے چچا ابو طالبؑ

کی اولاد کہا ہاں تو بھی چچا کی اولاد میں بھی چچا کی اولاد لیکن تم نے دیکھا دنیا ہمارے شجرے میں شامل ہونا چاہتی ہے کیوں ہم سید بن جائیں بیٹی دے دو ایک بچہ ہو جائے تا کہ سید کہلائیں کیوں تمہارے شجرے میں کوئی شامل ہوا بھئی کبھی آپ نے سنا کہ کوئی شیخ بننا چاہتا ہے کوئی نقلی پٹھان بننا چاہتا ہے، نقلی شیخ نقلی سید، کتنے سنے یہ سب سید کیوں بننا چاہتے ہیں یہ زہراؑ کی عظمت ہے قیامت تک پکارتی رہے گی جس کے نصیب میں اُس کے نصیب میں اور اگر نصیب میں نہیں تو سنو صرف بارگاہ پر عقیدت سے سر رکھ دو۔ تو ہم بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں ہم مرتبہ دیتے ہیں ہم اُن پر نظرِ رحمت ڈالتے ہیں پوری امت کیلئے ہم خیر ہیں رحمت العالمین کی بیٹی جس نے ہمیشہ نظر رحمت ڈالی ہو ایک رات آئی حسن مجتبیٰؑ چھوٹے سے تھے دیکھا نمازِ شب ماں نے پڑھی اور دعا کے لئے ہاتھ بلند کیے، کہا یا بارِ الٰہ یہ میرے سارے محلے والے سلامت رہیں، ان کی تمنائیں پوری ہوں، رشتے دار، عزیز، شہر والے پوری اُمت کیلئے دعائیں کیں بیٹے نے کہا اماں نہ میرا نام لیا نہ بھائی کا نہ بابا کا گھر والوں کیلئے کوئی دعا نہیں کی، جناب فاطمہ زہراؑ نے کہا شرم آتی ہے اس کے دربار میں جا کر اپنے لیئے مانگتے ہوئے، کس چیز کی کمی ہے جو مانگیں، غیر حق دار ہیں تم سے زیادہ، جس بی بی نے قیامت تک کیلئے دعائیں مانگ دی ہوں امت کی خیر کی دعائیں۔ اُس بی بی کیلئے کہ وہ کھڑی ہوئی صرف یہ پکار رہی ہے یہ میری میراث ہے اچھا نہیں دی تھی میراث کوئی بات نہیں چین سے رہنے دیتے وہ دربارِ خلافت سے گھر واپس آ گئیں دس روز کے اندر جہاں تطہیر اترے سورۂ دہر آئے اس دَر پہ پکار کے کہا جائے اس گھر کو جلا دیں گے تو بی بیؑ نے کیا کہا اس گھر کو جلا دو گے لہجے کی نرمی دیکھیں ابھی تک بی بی نرم لہجے سے چاہتی ہیں اُمت کو سمجھانا کتنی شفیق بی بی تھیں، کتنی مہربان شہزادی تھیں اس گھر کو جلا دو گے جس میں میرے بچے حسنؑ

اور حسینؑ ہیں۔ جواب ملا ہاں جلادیں گے جلادیا تو وہ تو خدا کا گھر تھا بیت والے لوگ
رہتے تھے اہل بیتؑ رہتے تھے وہاں تو جبریلؑ بھی پوچھ کر آتا تھا اُسی ایک گھر پر تو نظر
رحمت معبود ڈالتا تھا وہ جلادیا جل گیا بعد میں گھر پر آئے کہا کہ ناراض ہیں شہزادی ہم
سے اے ابوالحسنؑ کہیئے معاف کردیں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں میں جاکر کہہ دیتا ہوں زہراؑ
وہ دونوں آئے ہیں، شہزادیؑ نے کہا بلالیں صحنِ خانہ میں پردہ ڈال دیا گیا بلالیا گیا
دونوں کو صحیح مسلم، صحیح بخاری، روایت کس سے ہے پتہ ہے آپ کو اُم المومنین حضرت
عائشہ سے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسولؐ کی بیٹی نے اپنا منہ دیوار کی طرف کرلیا
اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا پشت کرلی کیوں آئے ہو؟ ہم معذرت خواہ ہیں ہم سے
خطا ہوئی بس فیصلہ ہے یہ اور عنوان پہ آرہا ہوں میں اور اسی پہ ہر معرفت رکھنے والا غور
کرے یہ ہے معیار اس معیار کو لے کر جیو اور اس معیار کو لے کر مر جاؤ، اس کے اِدھر نہ
اس کے اُدھر بحث کی ضرورت نہیں ہے فیصلہ کررہا ہوں کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے
شہزادیؑ فرماتی ہیں ہاں کیا بات ہے، دونوں شیخین نے کہا معاف کردیں کہا سنو یہ بعد
کی بات ہے پہلے ایک بات سنو تم نے اسی مسجد میں اسی منبر پر رسولؐ کو یہ کہتے سنا ہے کہ
جس نے زہراؑ کو اذیّت دی جس نے زہراؑ کو غضبناک کیا اُس نے مجھ کو غضبناک کیا
جس نے مجھ کو غضبناک کیا اس نے خدا کو غضبناک کیا، جس نے خدا کو غضبناک کیا وہ
جہنم میں جائے گا کہا ہاں سنا ہے اطمینان دیکھیں شہزادی کا ہاں سنا ہے بار بار سنا ہے کہا
تو سنو تم نے ہم کو اذیت دی فیصلہ ہوگیا، تم نے ہم کو اذیّت دی بس جاؤ جب تک جیوں
گی ہر نماز کے بعد تمہارے لیئے بدعا کروں گی، قدرت نے یہ فیصلہ قرآن میں پہلے
سورے میں رکھ دیا، پڑھیں ذرا سورہ میرے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ

نَسْتَعِیْنُ○اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ○صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ○
غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ○ (سورہ الفاتحہ)

پروردگار جن پر تو غضبناک ہوا اُن کے راستے پر مت چلانا تو تم میں تو اتنی ہمت نہیں تھی کہ شہزادی کی طرح ہر نماز کے بعد بددعا کرتے۔ پروردگار نے ہر نماز میں سورہ رکھ کے مسلمانوں سے قیامت تک کیلئے بددعا کروادی۔ (صلوٰۃ)

اب پروردگار غضبناک ہے۔ پکارے جاؤ غضبناک ہے، مردہ مرے فاتحہ پڑھو غضبناک قرآن کا فیصلہ کون بدلے گا کون بدل سکتا ہے قرآن کا پہلا سورہ پکارے جائے تبرّا کیے جائے بھائی جب ''سورۃ الحمد'' تبرائی ہے تو ہم کیا کریں کیا کر سکتے ہیں ہم بڑے مجبور ہو گئے ہر نماز تبرا بن گئی، ہر فاتحہ تبرا بن گیا بڑے مجبور ہو گئے تو اب ہم کیا کریں اگر مختار نامے میں کچھ آ جائے ہم کیا کریں یہ تو قدرت کا عجیب نظام ہے کہ قاتلِ حسینؑ کا نام بھی رکھا گیا تو کیا رکھا بھئی ہم نے نہیں رکھا کیا بتائیں آپ کو سعد کے ساتھ پسرِ سعد بھئی میں تو پسرِ سعد کہہ رہا ہوں کیا ضرورت تھی کہ قاتلِ حسینؑ کا نام اس کا باپ رکھ دے تو اس کے باپ نے رکھا ہے نا بھائی شاید قدرت بتانا چاہتی تھی اس نام کے ذریعے ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ'' تو بس بھائی کہا یہیں تک بات تھی کہ اُنھوں نے آ کے کہا اسحٰق بن اشعث نے بہن سے اپنی کہ اُس نے بھی تو اپنے بہنوئی کو چھوڑا ہوا ہے اب مختار کی جو چھوٹی بہن ہیں وہ عمر سعد کی بیوی ہیں اک بہن عبداللہ ابن عمر کی بیوی ہیں تو مختار نے کہا ٹھیک ہے ہم نے امان دے دی بعد میں مارے گئے اشعث مار دیئے گئے۔ پانچویں امام سے راوی نے پوچھا کہ مولا یہ مختار نے عمر سعد کے نام امان نامہ کیوں لکھ دیا تھا کہا یہ سیاست الٰہیہ کا ایک ادنیٰ سا نمونہ مختار نے پیش کیا امام سمجھا رہے ہیں کہا مولا ذرا اس کی وضاحت بھی کر دیں کہا بات یہ تھی کہ سارے قاتل بھاگ گئے۔

عمرِ سعد آیا اس نے کہا کہ مختار مجھے معاف کر دے مختار نے کاغذ پر لکھ دیا کیا لکھا مختار نے کہا کہ دیکھو عمر سعد تم اس وقت تک امان میں ہو جب تک کوفے میں رہو گے تم کوفے سے گئے اور امان نامہ ختم ہو جائے گا اب امام سمجھا رہے ہیں دے دیا امان نامہ اب دیا کیوں تھا امان نامہ دیا اس لیئے کہ جب قاتل بھاگ رہے تھے جب وہ یہ دیکھیں کہ عمرِ سعد جو لیڈ (lead) کر رہا تھا اُسی کو چھوڑ دیا تو مختار کی رحم دلی کا کچھ اندازہ ہو جائے تو سب کوفے میں ٹھہرے رہیں بھاگیں نہ بھئی ہندوستان میں ایک مثال دی جاتی تھی۔لال کے پنجرے میں ایک اور ہوتا ہے چڑ کوا وہ کیوں ہوتا ہے اُسے دیکھ کر لال آتے ہیں پھنستے ہیں اُس سے تو یہ لاسا لگایا تھا مختار نے اب لاسا کے معنی مجھے نہیں معلوم کہ بچوں اور بڑوں کو پتہ ہیں یا نہیں، یہ لاسا لگایا تھا مختار نے پھنسالیا قاتلوں کو اور بہت سے نہیں بھاگے اب امان نامہ دے دیا اُدھر وہ عبداللہ ابن کامل کے سالے مارے گئے۔جیسے ہی انہوں نے آکے کہا امیر میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی کہا یہ بڑا مبارک کام کیا تم نے جو قاتل حسینؑ کی سفارش کرے اُسے تم نے نکال دیا بہت اچھا کیا، کہا کہ امیر تو نے اپنے بہنوئی کو کیوں چھوڑا ہوا ہے کہا عبداللہ ابن کامل یہ تم سمجھ نہیں سکتے تم نہیں جانتے اور ایک بار پورے دربار پہ نظر ڈالی اور کہنے لگے بھئی بہت دن سے کوئی بڑا قاتل نہیں ملا اب کل صبح کو میں اس کو قتل کروں گا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی ہیں، ٹانگیں لمبی ہیں چہرہ مکروہ ہے، سینہ نکلا ہوا ہے سب ادھر اُدھر دیکھنے لگے سمجھ گئے کچھ لوگ دوڑ کے گئے کہنے لگے عمر سعد پتہ ہے مختار نے کیا کہا ہے صبح اُس کو قتل کرے گا مختار جس کی ٹانگیں لمبی ہیں اب عمر سعد نے اپنی ٹانگیں دیکھیں جس کا سینہ ابھرا ہوا ہو اس نے اپنے سینے پر ہاتھ پھیرا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی ہوں اور دھنس گئیں۔بس رات کو اُس نے غلام کو بلایا اور سوچا کہ اب تو مختار قتل کر دے گا بھاگ لو

کوفے سے گھوڑا آیا بیٹھے چلے کوفے کی سرحد سے باہر نکل گئے گھوڑا بھی عجیب تھا پورے کوفے کے گرد گھماتا رہا گھماتا رہا یہ سمجھتے رہے کہ کہیں چلا جارہا ہے اب یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بہت دور نکل گئے ہیں رات کو سو گئے جب صبح ہوئی تو دیکھا گھوڑا پھر کوفے میں موجود دیکھئے گھوڑا بھی عجیب تھا صبح ہوئی سرحد کوفہ میں داخل ہو رہے ہیں۔مختار کے سپاہی پہلے سے تیار کھڑے تھے دوڑ کے پکڑا کہا عہد نامہ ٹوٹ گیا رات کو کوفے سے باہر کیوں گیا۔چل مختار نے بلایا ہے رات کو ہی معلوم ہو گیا تھا کہ تو بھاگ گیا ہے کوفے سے اب کیا کرے کیسے ختم کروایا عہد نامہ، یہ ہمارا پانچواں معصوم بیان کر رہا ہے، عہد نامہ ٹوٹ گیا اس کو قید میں ڈال دو، قید میں ڈال دیا گیا اب مختار کی بہن آئیں، دیکھئے آپ کے ذہن میں خلش رہ جائے گی نا۔مختار کی بہن آئیں بہت دنوں کے بعد بھائی اور بہن ملے بہن لپٹ کے بھائی سے رونے لگی تو مختار نے کہا کہ میں تجھ سے ناراض ہوں ابو عبیدہ کی بیٹی اور اتنی بزدل کہ قاتل حسینؑ اس کے گھر میں رہے اور وہ قتل نہ کر سکے کہا مختار جو خون تمہاری رگوں میں ہے وہی میری رگوں میں بھی ہے جب چاہتی خاتمہ کر سکتی تھی خنجر سے مار سکتی تھی لیکن مختار ابو عبیدہ کی بیٹی ہوں جس دن قتل کرتی عمر سعد کو دوسرے دن ابن زیاد تمہیں قید میں مار ڈالتا تو آج تم اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے جار ہے ہو یہ خواب ادھورا رہ جاتا تمہارا، کہا ہاں آج مان گیا تو میری بہن ہے، کہا تو سُن میری قید میں ہے، کیا انتظار ہے مجھے جلد بیوہ بناؤ یہ جذبے تھے، تب قاتلانِ حسینؑ پکڑے گئے، کوئی رشتہ داری نہیں برسوں کا ساتھ لیکن محبت حسینؑ کے سامنے ساری رشتہ داریاں قدموں میں روندھ ڈالیں، ایسے لوگ تھے تب تاریخِ شیعیت زندہ رہ گئی آج ذرا ذرا سی بات پر برا مان کر کہاں سے کہاں بات پہنچ جاتی ہے، مختار نے دربار میں عمرِ سعد کو بلایا اور پوچھا تو نے حسینؑ کو کیوں قتل کیا، ظالم نے جواب میں کہا اللہ

کی مرضی کربلا کیوں گیا، اللہ کی مرضی، پانی کیوں بند کیا، اللہ کی مرضی اور ابھی میں تجھے
جو قتل کروں گا، خاموش ہوگیا سمجھ رہا تھا ابھی تک کہ معاف کردیں گے، اس کے دماغ
میں یہ بھی سمایا تھا میں اس کا بہنوئی ہوں، مختار نے کہا کہ سن اس سے پہلے کہ میں تجھے قتل
کروں یہ بتا کہ جب میرا مولاؑ گھوڑے پر سوار ہوکر میدان میں آیا اور تو سامنے آیا تو
میرے مولاؑ نے کیا کہا تھا، اپنی زبان سے کہہ، کہنے لگا، جب وہ گھوڑے پر آئے مجھے
دیکھ کر انھوں نے کہا، عمر سعد ''رے'' کی لالچ میں تو مجھے قتل کر رہا ہے، پچھلے سے پچھلے
سال یہ تشریح کر چکا ہوں کہ ''رے'' کیا ہے، ''رے'' ایران کا شہر موجودہ تہران ہے
جیسے ہندوستان والے کشمیر کیلئے مرتے ہیں ویسے عرب والے ''رے'' کیلئے مرتے
تھے، بس موازنہ کر لیجئے یہ آپ کے سامنے ہے اُن کے سامنے وہ تھا۔ سرسبز و شاداب
علاقہ جہاں مٹی سونا بنے دانا گرے فصل لہلہانے لگے اُس ''رے'' کی لالچ میں عمرِ سعد
تھا، ابن زیاد نے کہا تھا ہم یزید سے کہہ کر لکھوا دیں گے ''رے'' تیرے نام اس لئے آیا
تھا کربلا حسینؑ نے کیا کہا، کہا ''رے'' کی لالچ میں میرا سر اتارنے آیا ہے سن عمرِ سعد
مجھے قتل کرنے کے بعد تجھے ''رے'' کی گندم کا ایک دانہ نصیب نہیں ہوگا اور اس سے
پہلے کہ ''رے'' تیرے نام لکھا جائے دنیا میں تو آگ اور لوہے کا مزا چکھے گا کہا عمر سعد
میرے مولا کی یہ دعا دیکھ رہا ہے قبول ہو رہی ہے یہ آگ روشن ہے یہ جلاد کھڑا ہے حکم دیا
اس کے اعضاء کاٹے جائیں اس کے سامنے آگ میں ڈالے جائیں اعضاء کاٹے
گئے آگ میں ڈالے گئے سر کو الگ کیا گیا جب سر سامنے مختار کے رکھا گیا تو اپنی جوتی
اتار کر سر کو مارنا شروع کیا اور اس کے بعد کہا اس کے سر کو لے جا کر دارالامارہ کے
دروازے پر لٹکا دو جتنے بچے کوفے کے گزرتے تھے کھڑے ہوکر پتھر مار کر جاتے تھے
دن بھر یہی تماشہ رہتا تھا کون ہے یہ سن اکسٹھ ہجری عاشور کے دن بھولا ہوا تھا پانی

بند کر دو کیسے کمانڈ کر رہا تھا، کیا انجام ہوا، وہ عمر سعد کا سر لٹکا ہوا ہے، یہ شمر بھاگا ہوا
کلدانیہ کے گاؤں میں چھپا ہے، ابراہیم بن مالکِ اشتر دو سو آدمی لے کر رات کو پہنچے
گاؤں والوں نے کہا یہاں چھپا ہے، سپاہی ہزاروں تھے ایک ساتھ اچانک حملہ کر دیا
اب جو اُٹھا تو دوڑ کر نیزہ اٹھایا، تکیہ کی ڈھال بنائی، ابراہیمؑ کے سامنے کیا ٹھہرتا، دوڑ کر
پکڑ لیا سب نے گھیر کر شمر کو گرفتار کیا، کہا اس کو اس طرح مت لے چلو آرام سے ناقے
پر بٹھا کر اس کے گلے میں رسی باندھو رسی کو ناقے کے پیر میں باندھو ناقے کو دوڑاتے
ہوئے لے چلو کیوں کچھ یاد آ رہا ہے آپ کو ابھی بہت سی چیزیں آپ کو یاد آ جائیں گی
خدا کا عدل ابراہیم کے ہاتھ سے ظاہر ہوا کھینچتے ہوئے لے چلے، شمر کو لایا گیا مختار کے
سامنے مختار نے کہا کُتے چرانے والی کی اولاد تیرا شجرہ عرب میں مشہور ہے کہ تو زنا زادہ
ہے بھرے ہوئے دربار میں مختار نے شجرہ بتایا تا کہ تاریخ کبھی اس شمر کو عباسؑ کا ماموں
نہ بتائے یہ شجرہ ہے اس کا کبھی ملا نا نہ چھوٹے حضرت سے ورنہ عذاب آ جائے گا کہاں
یہ کہاں قمر بنی ہاشم اور اس کی مادرِ گرامی وہ قبیلہ اور ہے یہ قبیلہ اور ہے پاس پاس قبیلے
رہتے تھے اس لئے مکاری سے شب عاشور کہا تھا، میری بہن کے بیٹے، شمر نے جھوٹ
بولا تھا، مختار نے شجرہ بتایا ابھی مختار چاہتے تھے کہ شمر کو قتل کریں ایک بیس سال کا جوان
بصرے کا رہنے والا آگے بڑھا کہا امیر اذن دے کہ اس کو میں قتل کروں، مختار نے اس
جوان کے سراپا کو دیکھا، اس کے حُسن کو دیکھا، اُس کی پیشانی چمکتی ہوئی دیکھی، کہا ہاں
ہاں تو ہی اس کا قاتل ہو سکتا ہے، اب بصرے کے اس جوان کی شجاعت دیکھئے گا ہر
قاتل کو قتل کرنے کا الگ طریقہ ہے قدرت چاہتی ہے کہ یہی ہو، جوان آگے بڑھا شمر
سے کہا ہاتھ بڑھا شمر نے ہاتھ بڑھایا جھٹکا دیا گر گیا آگے بڑھ کر اس جوان نے اپنے
قدم کو شمر کے سینے پر رکھ دیا کچھ یاد آیا میں تبصرہ نہیں کروں گا مصائب بعد میں پڑھنے

ہیں کچھ یاد آیا اپنے قدم کو شمر کے سینے پر رکھ دیا اور اس کے بعد ایک ٹھوکر مار کر شمر کو الٹا کیا الٹا کرنے کے بعد دونوں گھٹنوں کو موڑنا شروع کیا، اتنا موڑا اتنا موڑا کہ آواز چھت سے ٹکرائی ہڈیاں ٹوٹنے کی جب دونوں ٹانگیں گھٹنوں سے توڑ دیں زندہ ہے زندہ ہے خنجر کو لیا پتھر پر رکھ کر اس کو کند کیا دھار کو موڑا یاد آرہا ہے نا سب کچھ خنجر کی دھار کو کند کیا اور پشت کی ہڈی کو آرے کی طرح ریتنا شروع کیا جب آدھی ہڈی کٹ چکی پھر پلٹایا شمر کو اور اب ادھر سے گردن کو کاٹنا شروع کیا اور آواز دیتا جا رہا تھا اے یزید کے سنہری زنجیر کے کُتّے دیکھا تو نے تیرا کیا انجام ہوا پکار مدد کو یزید کو پکار ابن زیاد کو پکار خزانوں کو پکار دولت کو پکار کوئی نہ تھا جو مدد کرے اس وقت ہاتھ اٹھ رہا تھا تازیانے اٹھاتا تھا بے سہارا سمجھ رہا تھا اُس وقت کتنے غرور کے نشے میں تھا، دیکھ یہ مختار کا دربار ہے اور تو بے کس ہے قدرت اگر خاموش ہو جائے تو مہلت دیتی ہے، ظلم کا انجام یہی ہوتا ہے سر کاٹا گیا دارالامارہ کے دروازے پر بس آخر میں ابن زیاد رہ گیا اور اس سے پہلے کہ میں آگے عرض کروں دو چار جملے یہ عرض کر دوں کہ انجمن رضائے حسینی جس نے یہ شہر کا سب سے کامیاب عشرہ منعقد کیا اُن کی بہترین نیتوں کا پھل سامنے ہے، نور بیع الاوّل کو ہم اُن کو مبارک باد دیں گے، میٹر (matter) کے لحاظ سے، خطابت کے لحاظ سے، درود کے لحاظ سے، نعروں کے لحاظ سے، بھرپور مجلسیں، بھرپور مجمع، ہر مجلس قبول ہوئی اور ہر ایک گواہی دے گا اور اللہ اُن کو ایسے ہزاروں عشرے کرنے نصیب کرے۔

اب امام بارہ چھوٹا ہے، لوگوں کو باہر بیٹھنا پڑتا ہے، مجبوری ہے، اس وقت میدان نشتر پارک تو بنا ہوا ہے، اگلے سال سے ٹینٹ لگا کے بنا دیں نشتر پارک، سب نہیں آپاتے چھوٹے سے امام باڑے میں اور یہ بھی عرض کر دوں کہ خبر نکلی ہوئی ہے کہ کچھ قادیانی ہیں ہر مجلس کے بعد آتے ہیں کہ شیعوں میں آپس میں جھگڑا ہو تو ذرا ہوشیار

رہئے گا، وہ بحث مباحثہ مجلس کے بعد شروع کر دیتے ہیں تو اُس سے محفوظ رہئے گا۔ آج کی رات یہ عاشور سے کم نہیں ہے آج کی رات عبادت کی رات ہے آپ کو پتہ ہے کس کے گھر میں عزا ہے بارھویں امام کے گھر میں عزا ہے اب آپ کے یہاں زندہ امام یتیم ہوا ہے اس کے گھر میں دربار میں ہاتھ باندھ کر اگر گھر جانا ہے تو سیدھے گھر جایئے گا مجلس کے بعد اور اگر ماتم سننا ہے تو عزا خانے کے پاس نوحہ سنئیے گا۔ میں نہ دیکھوں کہ دس بیس جوان کھڑے بحث و مباحثہ کر رہے ہیں، یہ رات عبادت کی رات ہے، بکواس اور بے کار باتوں کی رات نہیں ہے یا ماتم میں حصہ لینا یا گھر چلے جانا، آخری رات ہے احترام کی رات ہے، زندہ امام تمہیں دیکھ رہا ہے کہ میری یتیمی کی رات کس طرح گزارتے ہو تم روزانہ مجلس کے بعد بدتمیزی ہوتی ہے، ہر مجلس کے بعد یہ وطیرہ بنا لیا ہے، یہ مجلسیں ادب سکھاتی ہیں، خبردار اب آئندہ کوئی عزائے حسینؑ کو مذاق مت بنائے اور بزرگوں سے اپیل کروں گا کہ جو صدیوں صدیوں کا ورثہ لیئے ہوئے بیٹھے ہیں ان کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ اگر دو ذاکروں میں لڑائی ہو رہی ہے منبر سے ایک دو سرے کے خلاف دونوں باتیں کر رہے ہیں، بچپنا ہے اُن کا سمجھا دیں ان کو ان دونوں کو نو تاریخ کو گلے لگوا دیجئے گا اور یہ جھگڑا ختم کیجئے یہ جھگڑا منبر پہ عزاداری نہیں سنبھال سکتی۔ (صلوٰۃ)

ختم کریں یہ جھگڑا یہ جوان ان ذہنوں پر یہ بار نہیں اٹھا سکتے دونوں کو گلے ملایئے گا نو کو دونوں بچے ہیں نا سمجھ ہیں نادان ہیں اور ان کو میں بھی کوشش کروں گا کہ اپنی طرف سے دونوں کو عیدِ زہراؑ کے دن گلے ملوا دوں اور اب اس مسئلے پر کوئی بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور وہ کیا کہہ رہے ہیں سب ٹھیک کہہ رہے ہیں جو کچھ کہہ رہے ہیں آپ اپنا عقیدہ صحیح رکھیں بس آپ کو عزاداری کا احترام کرنا ہے اور

امام حسینؑ کا احترام کرنا ہے اور ہر سال احترام کے ساتھ آپ محرم گزارا کیجئے۔ بس اور کچھ نہیں چاہیئے ہم کو بس معرفتِ آلِ محمدؐ تمہاری ایک پارٹی ہے زہراؑ کی اور محمدؐ آلِ محمدؐ کی پارٹی کوئی پارٹی نہیں، کوئی لیڈر نہیں، ہمارا لیڈر حسینؑ ہے، علیؑ اکبر تمہارا لیڈر قاسمؑ تمہارا لیڈر بچوں کے لیڈر عونؑ و محمدؑ ششماہوں کا لیڈر علی اصغرؑ اور انہیں جو لیڈر نہ مانے اس پر لعنت (بے شمار) اللہ تمہارے عقیدوں کو اسی طرح کامل صراطِ مستقیم پر رکھے اور کبھی تمہاری راہ میں کسی قاتل کا ایک عنصر بھی نہ آسکے اللہ خانہ زہراؑ کی علمی کرن ہمیشہ تمہارے دماغوں پر منور رکھے فاطمہ زہراؑ کی چادر کا سایہ ہمیشہ تمہارے دماغوں پر رہے تاکہ تم کم عقل نہ بن سکو اور جہالت کی باتیں نہ کر سکو تمہارا علم طرۂ امتیاز علم ہے جب بھی زبان کھولو علم بولو جہل گھول کر ابوجہل مت بنو۔ نہیں ابوجہل تمہارے نبی کا دشمن تھا جہل کہیں اور ہے تم باب مدینۃ العلم سے وابستہ ہو منبر سے اگر بٹے تو علم بٹے جو علم بانٹے اُس کی جوتی اٹھا کر سر پر رکھ لو جو جہل بانٹے بس فیصلہ آج کی رات امام زمانہ زندہ ہیں آئے ہیں تم سے تعزیت لینے وہ دیکھ رہے ہیں ساری تمہاری وفاداریاں اس کے ساتھ ہونی چاہئیں کسی کے نہ تم ملازم ہو نہ کسی کو جواب دِہ ہو تم صرف جواب دہ ہو اُس دربار میں وہی پوچھے گا جو کچھ خطا ہو اس سے معافی مانگو جو کچھ مانگنا ہو اُس سے مانگو کسی کے پاس تمہیں سفارش کی ضرورت نہیں ہے آلِ محمدؐ سے بڑھ کر کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے ایک بار سر جھکا کر مانگ کے دیکھو میرا ذمہ سر کٹا دوں اگر صبح نہ مل جائے جو چاہے رات کو مانگ کر جاؤ ابھی خدا کی قسم آکر بتاؤ گے کہ مل گیا مادی واسطوں میں کہاں پھنس رہے ہو بھئی ٹھیک ہے جو ذکرِ حسینؑ کرلے وہ تمہارے لیے اور ہمارے لیے قابلِ احترام ہے لیکن عقیدت کے ساتھ موضوع سے ہٹ جائے اہل بیتؑ کو چھوڑ دے اپنے ذاتی موضوعات کو چھیڑ دے تو ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہم کسی

کا ساتھ نہیں دیں گے اس معاملے میں نہ اس پارٹی کا نہ اُس پارٹی کا بس صرف ذکرِ آلِ محمدؐ ہمارا مقصد ہے اور مختار یہی عہد لے کر اٹھے تھے اور کاغذ پر لکھوالیا تھا ابراہیم بن مالک اشتر سے کہ ہم عہد کر رہے ہیں دوستی آلِ محمدؐ پر تو تم میرے کمانڈر ان چیف (commander-in-chief) ہو وہی عہد تھا کہ دو بہادر آ کر پاس کھڑے ہو گئے، دو عرب کے شجاع ایک جگہ کھڑے ہو گئے، کہا ابراہیم تمہیں معلوم ہے بصرے میں ابن زیاد ایک لاکھ کا لشکر لے کر آ چکا ہے کہا امیر بیس ہزار کا لشکر دے دے شجاعت دیکھی مالکِ اشتر کے بیٹے کی کون ہے مالکِ اشتر بتاؤں آپ کو علیؑ نے کیا کہا پتہ ہے آپ کو جیسے میں رسولؐ کے لیے تھا مالکِ اشتر میرے لیے تھا ایسے کا بیٹا ہے ایک جملہ اور کہہ دوں چونکہ موضوع ہے اس لیئے پھر عرض کر دوں اتنا شجاع کہ معاویہ کے خیمے تک تلوار لے کر پہنچ چکا ہے اور قصہ ختم قیامت تک کا قصہ ختم ہو رہا تھا امام نے کہا مالک واپس آ جاؤ تلوار ہٹا دی اور واپس آ گئے۔ ایسی معرفت رکھنے والا اور دیکھیں کہ کتنا عبادت گزار ہے مالکِ اشتر بازار سے جا رہے ہیں قصّاب نے ہڈی کھینچ کر ماری پیر پر لگی کمانڈر انِ چیف ہے سب سے بڑی فوجوں کا حکومت کا سپہ سالار ہے، مڑ کر دیکھا چلے گئے، لوگ دوڑ پڑے کہا پاگل ہو گیا ہے، دیوانہ ہو گیا ہے، مالکِ اشتر کو نہیں پہچانتا علیؑ کے لشکر کا سپہ سالار ہے۔ گھبرا گیا تھر تھر کانپنے لگا کہا یہ تھے مالک اشتر، کہا ہاں میں معافی مانگوں گا، دوڑا پوچھتا چلا کہاں گئے مالکِ اشتر، لوگوں نے کہا ابھی مسجدِ کوفہ میں داخل ہوئے ہیں، اندر گیا دیکھا صحن مسجد میں کوئی نماز پڑھ رہا ہے، انتظار کرتا رہا نماز پڑھ چکے، مُڑے قدموں پر گر پڑا، کہا مجھے معاف کر دیجئے، مجھ سے خطا ہو گئی، کہا یہ دو رکعت نماز پڑھنے کیوں آیا تھا تیری مغفرت کی تو پڑھنے آیا تھا، سیکھو مالکِ اشتر کی سیرت سے سیکھو کسی پر غصہ آ جائے کوئی تم سے بدتمیزی کرے دو رکعت نماز اس کی

مغفرت کی پڑھو تمہارا مرتبہ بڑھ گیا وہ شرمندہ ہو جائے گا کتنے طریقے بتائے ہیں صلح کرنے کے علم سے دل لگاؤ گے تب پتہ چلے گا ایسے مالک اشتر کا بیٹا ابراہیم بن مالکِ اشتر ہے تیس ہزار کا لشکر دے دو امیر مختار کہا سنو تم ابن زیاد کے لشکر کے مقابل جاؤ اور سنو ہم تمہارا انتظار کریں گے ہم تمہیں پا پیادہ رخصت کرنے چلیں گے گھوڑے پر سوار نہیں جائیں گے اور وہیں پر انتظار کریں گے جہاں سے تمہیں رخصت کریں گے سن ۶۷ھ ہجری محرم کا مہینہ رخصت کیا انتظار میں مختار وہیں رک گئے کرسی پر تشریف فرما ہیں امیر مختار وہاں لڑائی شروع ہوئی وہاں ایک لاکھ کا لشکر یہاں بیس ہزار کا لشکر، ابراہیمؑ کا لشکر پسپا ہو گیا کئی راتیں گزر گئیں دس دن گزر گئے نو محرم آ گئی رات آئی اب قاضی نور اللہ شوستری اعلیٰ اللہ مقامہ ''مجالس المومنین'' میں لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن مالکِ اشتر نے اُس رات کو سفید رنگ کے کبوتر منگوائے اور پورے لشکر پر سفید کئی ہزار کبوتر چھوڑ دیئے لشکر پر کبوتر منڈلانے لگے ابراہیم نے کہا ہم نے عرب کی لڑائیوں میں یہ سنا ہے جب لشکر حق پر ہوتا ہے تو پرندوں کی شکل میں ملائکہ آ کر سایہ کرتے ہیں بس یہ کہنا تھا کہ ہر ایک آسمان کو دیکھ رہا تھا تلوار لے کر موت کی آندھی میں کودتا جا رہا تھا بیس ہزار کا لشکر جم رہا تھا اور ایک لاکھ کا لشکر بھاگ رہا تھا ایک لاکھ کے لشکر میں ستر ہزار کو مارا ابن زیاد غائب ہو گیا پتہ چلا سونے کی جھالروں اور موتیوں سے سجی ہوئی عماری ہے اُس میں ابن زیاد تاج لگائے بیٹھا ہے لیکن عماری کدھر گئی ابراہیم تلاش میں ہیں آگے بڑھے دریا کو پار کیا دریا کو پار کر کے پہنچے تو ایک راہب ملا اُس سے پوچھا اُس نے کہا امیر ہم تم کو بتائیں ہمیں معلوم ہے اُس نے کشتی سے دریا کو پار کیا ہے ناقہ اُس کا یہاں کھڑا تھا اُس پر سوار ہو کر اس سمت کو گیا ہے ابراہیم اکیلے چلے اُس کے پیچھے راستے میں ناقہ کے تعاقب میں جا کر قریب پہنچ کر ایک بار عماری میں ہاتھ ڈال دیا ہاتھ ڈال کر جو کھینچی تو

عماری ناقہ سے نیچے گری اُس میں ابن زیاد تھا مختار کے سپہ سالار ابراہیم نے آگے بڑھ کر عماری کو روند ڈالا سچے موتی ابراہیم کے پیروں تلے روندے جارہے تھے کوئی اور ہوتا تو مالِ غنیمت میں لگ جاتا لے آئے، ایسے تھوڑی مختار نے بھیجا تھا اگر ایسوں کو بھیجتا جو بدر میں ہوا، اُحد میں ہوا وہی ہوتا، پھر کس کو پڑی تھی کہ قاتلانِ حسینؑ کو پکڑ کر لائے۔ اب وہ ستر سرگن کر اُونٹوں پر بار ہوئے، اُونٹوں کی قطار چلی، لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر ابن زیاد کو لایا گیا، ابراہیم نے اپنے لشکر سے کہا ایک شامیانہ لگاؤ چمڑے کا فرش بچھاؤ فرش بچھایا گیا ابراہیم نے اپنا تازیانہ لے کر ٹہلنا شروع کیا اور بس یہ کہتے جاتے تھے تو تخت پر بیٹھا تھا سامنے اہلِ حرم کھڑے ہوئے تھے، تو کس کو زحمتیں دے رہا تھا، تو کھانا کھا رہا تھا اور طشت میں سرِ حسینؑ پیش کیا گیا تھا، بندی میں نبی کی نواسی تیرے سامنے کھڑی تھی، غیظ میں ابراہیم آئے پہلے اُنگلیوں کے پوروں کو کاٹنا شروع کیا پھر پیروں کو کاٹنا شروع کیا ایک ایک کر کے اعضا کاٹتے جاتے ہیں اور اُس کے بعد جہاں جہاں گوشت تھا خنجر سے گوشت کاٹا کہا اس کو آگ پر بھونو جب آگ پر بھن گیا تو کہا ابن زیاد اس کو کھا اور جب انکار کرتا تھا خنجر کی نوک سے اذیّت دیتے، ابن زیاد کا گوشت بھنوا کر اُسے کھلوا دیا کہتے کھا، کہا اے ابن زیاد یہ اذیّت کچھ نہیں ہے یہ کوئی اذیّت نہیں ہے، اس چیونٹی کے برابر بھی انتقام نہیں لیا گیا ہے، سر کو قطع کیا سب سے آگے نیزے پر سر کو لیکے ابراہیم بن مالکِ اشتر چلے مختار یہاں ٹہل رہے تھے لشکر کو پکار کر کہا مبارک ہو قاتلِ حسینؑ پکڑا گیا سب نے کہا امیر کیسے کہا دیکھو ابھی گرد اُٹھے گی لشکر آئے گا آگے آگے ابن زیاد کا سر نیزے پر ہوگا ایسا ہی ہوا ابراہیم نظر آئے لا کر ابن زیاد کا سر مختار کے قدموں پہ ڈالا پھر نعلین اتاری مارنا شروع کیا جب اچھی طرح مار چکے اپنے غلام خیر سے کہا جا میری جوتیاں پاک کر لا دارالامارہ پر ابن زیاد کا سر لٹکایا گیا تاریخِ طبری

،تاریخِ ابولفداء، مختار نامہ اور تمام مقاتل یہ لکھتے ہیں کہ اُدھر ابنِ زیاد کا سر دار الامارہ کے دروازے پر لٹکایا گیا ایک سانپ چلا دروازے پر چڑھا اوپر گیا، بام سے سانپ نے اپنے آپ کو ابن زیاد کے سر پر گرایا کان سے گھسا اور منھ سے نکلا، منھ سے جاتا تھا اور کان سے نکلتا تھا سترہ روز تک سانپ یہی کرتا رہا مختار نے کہا عتابِ الٰہی ہے، کہا اس سانپ کو کوئی نہ مارے یہ ابن زیاد پر جہنم کا عذاب ہو رہا ہے میں نے آپ کو زحمت دی آخری رات قیامت کی رات ہے دو غم ایک ساتھ ہیں، آٹھ کو مدینے میں بھی قیامت ہوگئی اور سامرے میں بھی قیامت ہوگئی صدیوں کا فاصلہ ہے لیکن دو غم ایک ساتھ مل گئے ہیں، دو غم منانے ہم اس رات کو بیٹھے ہوئے ہیں، ایک روضہ رسولؐ پہ منایا گیا ایک غم امام کے گھر سامرے میں منایا گیا نرجس خاتون بیوہ ہوگئیں مختار نے سر اُٹھائے اور کہا ابراہیم یہ سارے سر لے کر جاؤ اور میرے آقا کو سلام کہنا مدینے میں اک دھوم ہوگئی قاتلوں کے سر آرہے ہیں لوگ سروں کو دیکھنے آئے اور تاریخ میں یہ ہے کہ چوتھے امام دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے لوگ پوچھ رہے تھے آپ کے بابا کے قاتلوں سے اللہ کب انتقام لے گا، امام نے کہا شام سے پہلے سر آجائیں گے اور جس وقت امام کا دسترخوان بچھا تھا پورے مدینے کا مجمع سروں کو لیئے ہوئے محلّہ بنی ہاشم میں آیا امام کے سامنے سر رکھ دیئے گئے یہ ابن زیاد کا سر ہے، یہ عمر سعد کا سر ہے، شمر کا سر ہے، آپ کو معلوم ہے۔ امام آپ کا رونے لگا لوگوں نے کہا مولا خوشی کا موقع ہے کہا ہاں تمہارے لیئے خوشی کا موقع ہے جب یہ کھانا کھا رہا تھا تو ہم قیدی بنے گھنٹوں اس کے سامنے کھڑے رہے آج ہم دسترخوان پر بیٹھے ہیں تو اس کا سر آیا ہے اب کیسے کہوں کہ آپ کا امام گھر میں کیسے گیا اُس گھر میں گیا جس گھر میں ایک سال بعد باسٹھ ہجری میں، آٹھ ربیع الاوّل کو قیامت آئی ہوئی تھی اور اسی پر تقریر کو ختم کر رہا ہوں بشیر

بن جزلم کہتا ہے کہ میں نے دور سے دیکھا کچے مکانات مدینے کے نظر آنے لگے میں نے مڑ کر اپنے سردار اپنے امام سے کہا مولا مدینہ آ گیا کہا بشیر پھر سواریاں یہیں روک دو کہ ہم اچانک مدینے میں نہیں جائیں گے، اب ایک ایک جملہ آپ کے سمجھنے کا ہے جو کچھ میں بیان کرنے جا رہا ہوں، ستائیس کتابوں کے حوالے ہیں جس میں سترہ مقتل ہیں اور دس کتابیں تاریخ کی ہیں، میں تمام روایات معصومینؑ کے حوالے سے پیش کر رہا ہوں، ایک لفظ اِدھر اُدھر نہیں ہے، کہا سواریاں روک دی جائیں کیوں مولا کہا اٹھائیس رجب کو جب ہم مدینہ سے گئے تھے تو مدینے والوں نے ہماری شان کچھ اور دیکھی تھی ہم اچانک اگر اس طرح جائیں گے تو ان پر کیا گزرے گی بشیر یہاں بیرونِ مدینہ خیمے لگا دو ایک کرسی خیمہ کے سامنے رکھ دی گئی امام اس پر تشریف فرما ہوئے شہزادیاں خیموں میں چلیں گئیں تین دن قیام رہا ہے اور اُسی دن امام نے بشیر کو بلایا اور اپنی کالی چادر اُتار کر اب بشیر کا مرتبہ دیکھئے گا، قافلے کو احترام سے لے کر آیا ہے تو اب امام اُسے کچھ عطا کریں، چادر بشیر کے گلے میں ڈال دی عباسؑ کا خوں بھرا علم بشیر کو دیا چہرے کو دیکھ کر کہا بشیر تیرا باپ مرثیہ گو تھا کہا ہاں آقا، کہا تجھے بھی کچھ شعر کہنا آتا ہے، کہا ہاں کچھ شعر کہہ لیتا ہوں، کہا بشیر مدینہ والوں کو بتا دو کہ قافلہ واپس آ گیا لیکن اشعار میں بتانا بشیر گھوڑے پر سوار ہوا علم ہاتھ میں لے کر کالی شال گلے میں ڈال کر عین مدینے کے مرکز میں پکار کر کہا اے یثرب کے رہنے والو اے مدینے کے رہنے والو اب یہ مدینہ رہنے کے قابل نہیں رہا تمہارا سردار مارا گیا بس آواز کا بلند ہونا تھا کہ ساری کتابوں میں لکھا ہے کہ ہر گھر کا دروازہ کھل گیا، کیا مرد، کیا عورت، کیا جوان، کیا بچہ سب پہنچتے چلے بازار بھر گئے شاہراہیں بھر گئیں سب بشیر کی طرف دوڑے اب منظر یہ ہے کہ مدر سے کے چھوٹے چھوٹے بچے دوڑے بشیر کے قریب پہنچے بشیر کے پیر کو پکڑا کہا بچوں

نے کہ عونؑ و محمدؑ آئے اک بار کمر میں تلواریں لگائے مدینے کے جوان بڑھے کہا بشیر ہمارا شہزادہ علی اکبرؑ آیا کہاں ہے ہمارا شہزاد قاسمؑ جب رقت دیکھی، بشیر کہتا ہے پانچ وقت مدینے پر ایسے آئے زمین لرز گئی زمانہ رویا جب وفات رسولؐ ہوئی پورا مدینہ رویا جب شہادتِ علیؑ کی خبر کوفے سے آئی پورا مدینہ رویا، جب حسنؑ کے جنازے پر تیر برسے پورا مدینہ رویا، اٹھائیس رجب کو جب حسینؑ گئے، پورا مدینہ رویا آج زمین لرز رہی تھی بچہ بچہ چیخیں مار کر رورہا تھا، بشیر پریشان تھا، کہا سنو جوانو سنو بچو، روضہ رسولؐ پہ چلو وہاں پتہ چلے گا کون آیا ہے، کون نہیں آیا، بشیر کہتا ہے اتنی دیر میں ہم نے دیکھا مجمع کو ہٹا کر ایک بلند قامت بی بی سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی آگے بڑھی، اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ تھا، پیشانی چاند سی اُس بچے کی چمکتی تھی، چہرہ نورانی تھا، میں گھوڑے سے کود پڑا کہ یہ بچہ مجمع میں کچل نہ جائے میں نے بڑھ کر بچے کو گود میں لیا، میں نے کہا شہزادے کس کے لختِ جگر ہو، بچے نے جلال میں آ کر کہا بشیر پہلے ہم سوال کریں گے پہلے تم ہمارے سوال کا جواب دو بس اتنا بتاؤ کہ یہ علم کہاں سے ملا کہا یہ عباسؑ کا علم ہے تو بچے نے کہا میرا بابا کہاں ہے علم لائے بابا کہاں ہے ماتم کرو، عباسؑ کا علی اکبرؑ کا، رو رو کر کہو علی اکبرؑ الوداع، قاسمؑ الوداع، عباسؑ الوداع، منبر سے لپٹ لپٹ کر رو، دعائیں مانگو، قوم کی سلامتی کی دعا مانگو، یہیں قبول ہوگی، ہم پوچھتے ہیں یہ علم کہاں سے ملا، بتاؤ بشیر میرا بابا کہاں ہے بشیر کہتا ہے ایک بار وہ بی بی آگے بڑھی کہا بشیر کیا کہا تو نے کہ حسینؑ مارا گیا کہا ہاں بی بی تمہارا سردار مارا گیا کہا کیسے مان لوں کہ زہراؑ کا لال مارا گیا، کہا کیا میرا عباسؑ حسینؑ کو چھوڑ کر چلا گیا، عباسؑ کی زندگی میں حسینؑ مارا جائے، بشیر کہتا ہے بی بی کیا کہوں اگر سن سکتی ہو تو سنو، ہاتھ کاٹے گئے، سر پر گرز پڑا، آنکھ میں تیر پیوست ہوگیا، جو وفا تمہارے بیٹے نے دکھائی زمانے میں کسی علمدار نے نہیں

دکھائی بس یہ سنتا تھا مجمع کو ہٹاتی ہوئی مجمع اُم البنینؑ کو جگہ دیتا جاتا تھا بچہ روتا ہوا ساتھ ساتھ ہے بی بی نے رخ کیا جنّت البقیع کا خدا سب کو زیارت کرائے میں نے وہیں مجلس پڑھی ہے اور مجھے فخر ہے کہ محلہ بنی ہاشم میں میں نے مجلس پڑھی ہے، مدینے کا منبر جو شہزادی نے مجھے دیا اُس سے بڑا کوئی منبر نہیں ہے، یہ میرا فخر ہے، کوئی منبر بڑا نہیں ہے اُس سے، وہ مجھے مل چکا اور کوئی منبر نہیں چاہئے مجھے، جنّت البقیع میں داخل ہوں سب سے پہلی قبر پتہ ہے کس کی ہے، ایک لاکھ ایرانی بقیع کے دروازے پر دو بجے رات تک ہائے زہراؑ، ہائے اُم البنینؑ کا ماتم کرتے تھے، جب میں نے حج کیا تھا اُس وقت میں نے دیکھا تھا اب کا نہیں معلوم، دروازے میں داخل ہوں، پہلی قبر اُم البنینؑ کی ہے، آگے بڑھو زہراؑ کی قبر ہے، بیٹا بیٹے کا اور ماں ماں کی دربان بن گئی، قبر پہ پہنچی اور بی بی کی قبر پر ہاتھ رکھا پھر رخسار رکھا آواز دی اے میری شہزادی عباسؑ سے آپ خوش ہیں نا میرے بچّے سے آپ خوش ہیں نا تمہارے لال پہ قربان ہوگیا، جان دے دی بقیع سے نکلیں اور ایک بار پھر مدینے کی شاہراہ پر آئیں، بس تھوڑی سی زحمت محمد حنفیہؒ بیمار تھے کانوں میں بشیر کی آواز آئی آنکھیں کھولیں غلاموں کو آواز دی کہا یہ رونے کا شور کیسا ہے غلام آگے بڑھے آپس میں باتیں کرنے لگے کیسے بتادیں یہ تو بیمار ہیں اب کیا ہوگا کہا آقا بات یہ ہے کہ آپ کے بھائی حسینؑ کا قافلہ واپس آگیا اس لیئے مدینے والے استقبال کو گئے ہیں کہا یہ کیسا استقبال ہے یہ رونے کی آوازیں کیوں ہیں کہا آقا آپ گھبرائیں نہ کہا نہیں ایسا نہیں ہوسکتا کہ میرا بھائی آئے اور اُس کا پیغام بر میرے پاس نہ آئے میرا بھائی مجھے بہت چاہتا ہے، سنو مجھے اُٹھاؤ کہا آقا آپ بیمار ہیں آپ نہیں چل سکتے کہا نہیں اٹھاؤ مجھے تھامو دونوں غلاموں نے آقا کا حکم مانا محمد حنفیہؒ کا بازو پکڑا لے کر گھر سے چلے جیسے ہی محلہ بنی ہاشم کی شاہراہ پر پہنچے دور سے دیکھا سیاہ علم

نظر آئے بس سیاہ علم دیکھا تھا وہیں سینہ تھام کر بیٹھ گئے کہا معبود کیا بنی اُمیّہ نے میرے بھائی حسینؑ کو مار ڈالا کیا میرا بھائی مارا گیا رونے لگے غلاموں نے اٹھایا کہا سنبھال کر مجھے وہاں لے چلو جہاں قافلہ آیا ہے، پہنچے محمد حنفیہؒ، سیّد سجادؑ کے پاس سے گزر گئے، پہچان نہ سکے، جن جن کو رخصت کیا تھا، ڈھونڈ رہے تھے، کوئی نظر نہیں آ رہا تھا، چیخ ماری اور ایک بار پکارے ہائے بھرا گھر لُٹ گیا میرا، ہائے ظالموں نے یہ کیا کیا، یہ کہہ کے بے ہوش ہو گئے، سیّد سجادؑ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے قریب آئے، کچھ دیر کے بعد محمد حنفیہؒ ہوش میں آئے تو سیّد سجادؑ نے کہا، چچا! ارے آپ نے آنکھوں سے نہ دیکھا اور برداشت نہ کر سکے، مجھ سے پوچھئے میرے سامنے میرے بابا کے سر کو نیزے پر بلند کیا گیا...... ماتم حسینؑ

❀❀❀❀

علامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی کی معرکتہ الآرا کتاب شائع ہوگئی ہے

دوسری ثانئ زہراؑ ہیں بہ اوصافِ تمام
اُمِّ کلثومؑ پہ واجب ہے درودُ اور سلام
(نجم آفندی)

حیاتِ طیّبہ
شہزادی اُمِّ کلثوم بنتِ علیؑ

......تالیف......

علاّمہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی کی معرکتہ الآرا کتاب شائع ہو گئی ہے

عدل کا نوشیرواں کی آل کو یہ پھل ملا
بنتِ کسریٰ سیّدِ سجادؑ کی ماں ہو گئیں

ثابتؔ لکھنوی (شاگردِ اوجؔ لکھنوی)

ایران کی شہزادی

حضرت شہر بانو سلام اللہ علیہا

علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

علامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی کی معرکتہ الآرا تصنیف کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

اُمُّ البنینؑ سا کوئی ہوگا نہ نیک نام
فرزند جس کے چار ہوئے فدیۂ امام
(انیسؔ)

زندگانی

حضرت اُمُّ البنین سلام اللہ علیھا

والدۂ گرامی

حضرت ابوالفضل العباس ابنِ علی علیہ السلام

تالیف

علامہ سیّد ضمیر اختر نقوی

علاّمہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی کی معرکتہ الآرا کتاب شائع ہوگئی ہے

میر انیس

بحیثیت ماہرِ حیوانات

.... :- مصنف :- ....

علاّمہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی